باب (۱)

سب سے پہلی مسجد

قبا ــــــ ایک چھوٹی سی بستی کا نام ہے، جو مدینہ منوّرہ سے تقریبًا دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ رسالت مآبؐ ہجرت کر کے جب مدینہ منوّرہ میں وارد ہوئے تو سب سے پہلے اسی مقام کو آپؐ کی میزبانی کا شرف حاصل ہُوا۔ یہاں آپؐ نے ایک مسجد کی تعمیر فرمائی، یہ سب سے پہلی مسجد ہے جس کا سنگِ بنیاد سرورِ کائنات کے دستِ مبارک سے رکھا گیا، اس مسجد کی عظمت و منزلت نے قبا کی تقدیس و احترام میں چار چاند لگا دیے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اس مسجد کی توسیع ہوئی اور پہلے کے مقابلہ میں یہ کہیں زیادہ شان دار اور خوبصورت بن گئی۔

خلافتِ عثمانؓ کے آخری دَور میں، عامرؔ نامی ایک شخص اس مسجد کا خدمت گذار تھا۔ وہ ایک معمّر اور پرہیز گار شخص تھا، فرصت کے اوقات وہ اسی مسجد کی خدمت، صفائی، اور حفاظت میں صرف کرتا، ان کاموں سے فرصت ملتی تو آس پاس کے لوگوں کے اونٹ چَراتا، اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ بادیہ پیمائی میں مصروف ہو جاتا۔ اسی طرح اس کی روزی چلتی تھی، اور روکھی سوکھی کھا کر وہ خدا کا شکر ادا کرتا تھا۔

۳۵ھ شروع ہوچکا ہے۔

شام کا جھٹ پُٹا وقت ہے۔ آفتاب غروب ہوچکا ہے، طیور درختوں پر اپنے نشیمن میں بیٹھے یادِ الٰہی کر رہے ہیں، مغرب کا وقت دیکھ کر عامرؔ جلدی جلدی اونٹ پر بیٹھ کر مسجد کی طرف روانہ ہوا، اس کے دونوں بیٹے بھی ساتھ ساتھ اپنے اپنے اونٹوں پر چل رہے تھے۔ عامر جب ذرا مسجد کے قریب پہنچا، تو اس نے دیکھا، مسجد کے قریب بہت سے گھوڑے ہنہنا رہے اور اونٹ بلبلا رہے ہیں، اس نے خیال ظاہر کیا، شاید کوئی قافلہ آیا ہوگا، اور یہ کوئی نئی، یا غیر معمولی بات نہ تھی، قافلے اُدھر سے اِدھر آتے ہی رہتے تھے۔ اور وہ ان کی آؤ بھگت کیا ہی کرتا تھا۔ اُس نے اپنے بیٹوں سے اس مجمع پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی قافلہ آج پھر یہاں اُترا ہے، ضرور ان لوگوں کو پانی کی ضرورت ہوگی، جاؤ ڈول لے آؤ، تاکہ ہمارے ان مہمانوں کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے"!

عامرؔ یہ ہدایت دے کر آگے بڑھا، اس نے دیکھا، بہت سے لوگ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار، ایک ہودج کے قریب جمع ہیں، اور بظاہر ایسا معلوم

ہوتا ہے جیسے اس میں کوئی بیمار و نزار شخص لیٹا ہوا ہے اور یہ لوگ اس کی کمزوری اور نقاہت کے پیش نظر اسے اتارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی وضع قطع، اور انداز و اطوار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شام کے رہنے والے ہیں۔

عامر اور آگے بڑھا، تو اس نے دیکھا، ہودج کے قریب ایک شخص کھڑا ہے جو خاصا معمّر معلوم ہوتا ہے، اس کے داہنی طرف ایک نوجوان، کمر میں تلوار لٹکائے کھڑا ہے، چہرے بشرے سے رعنائی اور برنائی ٹپک رہی ہے، پیچھے اس کا غلام یا خادم، نیزہ اور ترکش لیے کھڑا ہے، بائیں جانب ایک حسین و جمیل، لڑکی کھڑی ہے۔ جو شباب کی دہلیز پر قدم رکھ چکی ہے، حسن ہے کر پھوٹا پڑتا ہے، جمال کے ساتھ جلال کی سادگی کے ساتھ وقار کی معصومیت کے ساتھ دبدبہ کی نوعمری کے ساتھ سنجیدگی، سنجیدگی کے ساتھ شوخی کی آمیزش نے اس پیکرِ خاکی کو ایک آسمانی مخلوق بنا دیا ہے، جس پر نظر نہیں ٹکتی، جس کی طرف دیکھنے کی ہمّت نہیں پڑتی، لیکن جسے دیکھے بغیر طبیعت کو قرار بھی نہیں آتا۔

عامر تیزی کے ساتھ آگے بڑھا، جب وہ بالکل پاس پہنچ گیا، تو اسے معلوم ہوا، ہودج سے جس مریض کو اتار رہے ہیں، وہ کوئی مرد نہیں عورت ہے، پھر بھی وہ اس کام میں مدد دینے کے لیے آگے بڑھا، لیکن اس لڑکی نے وقار اور تمکنت کے ساتھ اپنے تردّد اور اضطراب و پریشانی کی کیفیت پر غالب آتے ہوئے کہا،

”آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں!“

یہ سن کر عامر پیچھے ہٹ گیا، اور ان لوگوں نے مریضہ کو احتیاط اور آہستگی کے ساتھ اتار کر ایک خیمہ میں لٹا دیا، جو ابھی ابھی اس کے آرام و آسائش کے پیشِ نظر نصب کیا گیا تھا، وہ معمر شخص جو سب کاموں کی سربراہی کے فرائض

لہٰذا وہ اس رشتہ پر دل وجان سے راضی ہے۔ جانتا ہے مروان ایک امیر کبیر خاندان کا فرد ہے، وہ اگر ہاتھ میں آسکتا ہے تو اسی طرح کہ اسماء اس کی ہوجائے، لیکن سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مریم اس رشتہ کو پسند نہیں کرتی، بلکہ جب اس کے سامنے اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ چڑ جاتی ہے، اسماء چونکہ ماں کے قدم بہ قدم چلتی ہے، اور اس کے اشارۂ چشم پر، عمل کرنا اپنی زندگی کا سب سے بڑا اور خوش گوار فریضہ سمجھتی ہے، لہٰذا وہ بھی اس رشتہ کو ناپسند کرتی ہے اور نہیں چاہتی کہ مروان اس کی زندگی کا مالک بنے۔

انجام دے رہا تھا، یزید ہے، یہ نوجوان، جو تلوار کمر سے لٹکائے کھڑا تھا، مروان ہے، جو حضرت عثمانؓ کا ہم قبیلہ اور قریبی عزیز ہے، یہ بیمار اور نحیف وضعیف خاتون مریم ہے، اور یہ نوجوان اور سراپا رعنائی و زیبائی لڑکی اسماء ہے۔

اسماء فوراً خیمہ میں پہنچی، اُس نے ماں کے سرہانے بیٹھ کر محبت بھری ایک نظر ڈالی، جس میں فکر و تشویش ملی ہوئی تھی، پھر اپنے دامن سے اس کا پسینہ پونچھا۔ اور پنکھا جھلنے لگی۔ مریم پر اس وقت غفلت اور مدہوشی کی کیفیت طاری تھی، اسماء اس کا یہ حال دیکھ کر پریشان تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے چہرے پر رنج و غم کے آثار تھے۔ لیکن وہ اپنے جذبات پر غالب آنے کی اور آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی!

عامران لوگوں کو اسی حال میں چھوڑ کر باہر آگیا۔ اور ایک چراغ لا کر اُس نے خیمہ میں رکھ دیا۔ اسے چراغ لاتے، روشن کرتے، اور پھر واپس جاتے اسماء نے نہیں دیکھا، وہ محویت کے عالم میں اپنی بیمار ماں کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔ اور یکسر سکوت بنی بیٹھی تھی۔

مروان اور یزید خیمہ کے باہر بیٹھے ہیں، ان کے چہروں سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ مریم کی علالت سے نہ صرف یہ کہ فکرمند نہیں ہیں، بلکہ اُسے اپنے راستہ میں مزاحم سمجھ رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ یہ کانٹا راستہ سے جس قدر جلد ہو سکے ہٹ جائے، کیونکہ جب تک مریم مر نہ جائے، انہیں اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں مل سکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ مروان اسماء پر ہزار جان سے فریفتہ ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس سے شادی کرے۔ اور اسے اپنی رفیقۂ حیات بنا کر، عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے، یزید چونکہ فطرتاً زر پرست، لالچی، اور خود غرض شخص ہے۔

باب (۲)

شادی کا پیغام

یزید اسماء کا سگا باپ نہیں تھا، فتح مصر کے وقت جو عورتیں گرفتار ہو کر آئی تھیں، ان میں مریم بھی تھی اور اس کی گود میں ایک ننھی سی بچی۔ اسماء بھی، پھر جب اسکندریہ بھی فتح ہو گیا، تو یزید شام واپس آ گیا، اپنے ساتھ مریم اور اسماء کو بھی لیتا آیا اور یہیں کی مستقل بود و باش اختیار کر لی!

اسماء بچپن سے نہایت معصوم صورت اور معصوم سیرت تھی، ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، دیکھنے والے تاڑ جاتے تھے۔

ابھی فتنہ ہے۔ کوئی دن میں قیامت ہوگی۔

اور واقعی ہوا بھی یہی، جب وہ جوانی کی سرحد میں داخل ہوئی تو ایک فتنۂ عالم آشوب بن کر، اس کے شبابِ فتنہ خیز نے ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس کے حسن و جمال

اور رعنائی کا شہرہ دور دور پہنچ گیا، اس کے نادیدہ عاشقوں کی ایک بہت بڑی تعداد پیدا ہو گئی۔ یہ وہ لوگ تھے، جنہوں نے اسما کو دیکھا نہیں تھا، صرف اس کے حسنِ عالم آشوب کا چرچا سُنا تھا، اور دل دے بیٹھے تھے، گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں اس کے حسن کا ذکر ہوتا تھا، شاعر اس کے حسن پر شاعری کرتے تھے، اس کا سراپا کھینچتے تھے، تشبیب اور گریز سے کام لیتے تھے، اس کی آنکھوں کی، زلفوں کی، سج دھج کی، آن اور شان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے تھے، وہ اب ایک اوسط درجہ کے گھرانے کی ایک معمولی لڑکی نہیں تھی، ایسی دوشیزۂ کافر جمال تھی جس کے دربارِ حسن میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے بڑے بڑے گردن کش، گردن جھکانے کے لیے تیار رہتے تھے، لیکن اس نے طبیعت بھی عجیب وارفتہ پائی تھی۔ ان عاشقوں کو وہ ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی، اپنے مزاج، سیرت، اور شخصیت کے اعتبار سے وہ بہت باوقار تھی، شرم و حیا اس کا زیور تھا، عفت و عصمت اس کا شعار تھا، نہ وہ کسی کو خاطر میں لاتی تھی نہ یہ چاہتی کہ اسے چاہا جائے اور کوچہ و بازار میں لوگ اس کا ذکر کریں، بزم و محفل میں اس کے حسن و جمال کی تعریفیں ہوں، عاشقوں کے مجمع میں اس کی آن اور شان کے تذکرے کیے جائیں، وہ اپنے گوشۂ عافیت میں بہت خوش تھی، اور اس طرح خاموشی کی زندگی بسر کرنا چاہتی تھی!

ایک روز اپنی ایک رازدار سہیلی سے اسماء کو یہ خبر ملی کہ اس کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں۔

عذرا نے کہا:۔

"تمہیں ایک راز کی بات بتاتی ہوں!"

اسماء بے پروائی کے ساتھ بولی:۔

"میں کسی کے راز سے کوئی دلچسپی نہیں لیتی، اپنا راز اپنے پاس رکھو۔"

عذرا:۔

لیکن وہ کسی اور کے بارے میں نہیں خود تمہارے بارے میں ہے۔!

اب تو اسماء کے کان کھڑے ہوئے۔

اسماء:۔

کیا کہا میرے بارے میں ——؟

عذرا:۔

ہاں —— جاؤ اب نہیں بتاتے۔

اسماء:۔

(مسکرا کر) اب تو بتانا پڑے گا —— بتاؤ کیا خبر لے کر آئی ہو!

لیکن سچ سچ کہنا۔

عذرا:۔

بھلا تم نے مجھے کبھی جھوٹ بولتے سنا ہے!

اسماء:۔

اچھا تم بڑی سچی سہی، بتاؤ تو بات کیا ہے؟

عذرا:۔

(چھیڑتے ہوئے) اب نہیں بتائیں گے، کچھ دوسری باتیں کرو،

اسماء:۔

اگر نہیں بتاؤ گی، تو جاؤ ہم نہیں بولتے۔

عذرا:۔

یہ لو خفا ہو گئیں بی اسماء —— اچھا، لو بتائے دیتے ہیں۔!

اسماء:۔
(کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد) پھر چپ ہوگئیں، کہو نا کیا بات ہے۔؟

عذرا:۔
تمہاری شادی ہو رہی ہے ـــــ خوشی تو بہت ہوئی ہوگی؟

اسماء:۔
پھر کہوگی کہ تم سچ بولتی ہو۔ کیوں؟

عذرا:۔
خدا کی قسم ـــــ اپنے کانوں سے سن کر آرہی ہوں۔

اسماء:۔
کیا سنا تم نے؟

عذرا:۔
یہی کہ بہت جلد تمہاری شادی ہونے والی ہے، ابھی تھوڑی ہی دیر کا تو واقعہ ہے۔

اسماء:۔
کس سے سنا؟

عذرا:۔
تمہارے ابّا جان سے اور کس سے؟

اسماء:۔
(جھوٹ سمجھتے ہوئے) میرے ابّا جان سے تمہاری اتنی راہ و رسم کب سے ہوئی؟

عذرا:۔

اوہ تم تو مذاق سمجھ رہی ہو ـــــــــ ارے بھئی ہمارے ابا جان میں اور تمہارے ابا جان میں دوستی ہے کہ نہیں؟

اسماء:۔

ہاں ہے۔

عذرا:۔

تو وہی دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے ہم نے بھی سن لیا، ضبط نہ ہو سکا آکر تمہیں سب کچھ بتا دیا، اور اب اپنے جھوٹے ہونے کا انعام پا رہے ہیں ـــــــــ شاباش ہے بھئی!

اسماء:۔

(سنجیدگی کے ساتھ) اچھا، میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں!

عذرا:۔

(چھیڑتے ہوئے) شکریہ،

اسماء:۔

لیکن پوری تفصیل بتاؤ، کیا کیا باتیں ہوئیں؟

عذرا:۔

زیادہ باتیں نہیں ہوئیں، تمہارے ابا جان اور ہمارے چچا میاں یزید نے کہا اسماء کی شادی ہونے والی ہے۔

اباجان نے پوچھا:۔

کس سے شادی ہو رہی ہے اسماء کی؟

وہ کہنے لگے:۔

مروان نے پیام دیا ہے اس سے ہوگی!

ابّاجان نے کہا :۔
رشتہ تو معقول ہے ، خدا مبارک کرے !
بس بات چیت ختم ہو گئی ــــــــــ !
اسماء :۔
(اضطراب کے ساتھ) یہ نہیں ہو سکتا !
عذرا :۔
کیا تم مروان کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتیں ؟
اسماء :۔
ہرگز نہیں ــــــــــ میں مروان سے نفرت کرتی ہوں ، اسے قابلِ نفرت آدمی سمجھتی ہوں !
عذرا :۔
یہ تو بڑی بڑی بات ہوئی ، اب کیا ہوگا ؟
اسماء :۔
ہوگا کیا ، شادی نہیں ہوگی ، بس ۔ !
عذرا :۔
بھلا چچاجان ، اپنی اس توہین کو گوارا کرلیں گے ؟
اسماء :۔
جو جیسا کرتا ہے ویسا اُسے بھگتنا پڑتا ہے ؟ انہیں کیا حق تھا کہ میری مرضی لیے بغیر ، ایک شخص سے میری شادی طے کر دیں ! میں تو نہیں منظور کرتی ۔
عذرا :۔
آخر وہ تمہارے باپ ہیں ، باپ کے فیصلے کا احترام لڑکی کو کرنا ہی چاہیے ۔

اسماء :-

میں انہیں اپنا باپ نہیں مانتی ـــــــ اور اگر وہ میرے باپ ہوتے تو بھی شرعاً انہیں اس کا حق نہیں تھا کہ جس سے چاہیں، میری شادی کر دیں، میں اگر انکار کرتی ہوں تو اسی حق کے ماتحت جو اسلامی شرع نے مجھے دیا ہے۔

عذرا :-

(دانتوں تلے انگلی دبا کر) یہ بہت بُرا ہوا، خدا خیر کرے، مجھے تو آثار بھلے نہیں دکھائی دیتے۔

اسماء :-

(فیصلہ کن انداز میں) کچھ ہی ہو، یہ شادی نہیں ہو گی، نہیں ہو سکتی۔!

یہاں تو یہ باتیں ہو رہی تھیں اور وہاں، دوسرے کمرے میں یزید اصرار کر رہا تھا کہ اسماء کی شادی مروان کے ساتھ کر دی جائے، اور مریم صاف الفاظ میں انکار کر رہی تھی:

یزید :-

میں پھر کہتا ہوں، ضد اور ہٹ سے کام نہ لو، اس رشتہ سے بہتر رشتہ اسماء کو نہیں مل سکتا۔

مریم :-

آپ کی اس مہربانی اور نوازش کا شکریہ، لیکن میں مروان کو بالکل پسند نہیں کرتی، اور جہاں تک میں نے اپنی بچّی، اسماء کے تاثرات اور میلانات کا اندازہ لگایا ہے وہ بھی اسے سخت ناپسند کرتی ہے۔ یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی، میری ایک ہی بچّی ہے، میں اُسے سکھی دیکھنے کے لیے اپنی جان قربان کر سکتی ہوں لیکن اپنے اور تمہارے آرام کے لیے اس کی زندگی تلخ نہیں بنا سکتی ـــــــ!

یزید:۔
(بگڑ کر) تم میری نیت پر حملہ کرتی ہو، کیا میں اپنے آرام کے لیے یہ کر رہا ہوں؟

مریم:
ہاں صرف اس لیے، ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ تم اس رشتہ کے لیے مروان سے زیادہ بیتاب ہوتے، وہ دولت مند نوجوان ہے۔ تم اس کی دولت ہتھیانا چاہتے ہو، اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو، اور میری لڑکی کو تباہ کرنا چاہتے ہو، جب تک میں زندہ ہوں، یہ نہیں ہو سکتا!

یزید:۔
خدا کی بندی، عقل سے کام لو، کیوں بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو، میں نے کافی دنیا دیکھ لی، بوڑھا ہونے کو آیا، آج مرا کل دوسرا دن، بھلا میں مروان سے کس کے لیے روپیہ بٹوروں گا؟ اور فرض کرو ایسا کروں بھی، تو اسماء کے سوا میرا اور ہے کون!

مریم:۔
جی بخشئے اس احسان سے غریب اسماء کو، اسے نہ آپ کی دولت چاہیئے، نہ مروان کی ———!

یزید:۔
تو میں سمجھ لوں، تم اس رشتہ کو نامنظور کرتی ہو؟

مریم:۔
جس قدر جلد آپ یہ بات سمجھ لیں اتنا ہی اچھا ہے، آپ کے اور میرے لیے ——!

یزید:۔

لیکن اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا ۔

مریم :-

(بہ چشمِ پُرنم) تم نے ہمیشہ مجھ پر ظلم کیا، اور میں نے تمہارا ہر ظلم سہا، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسماء کو تم پر اور تمہاری حُبِ جاہ ومال پر بھینٹ چڑھا دوں ــــــ!

یزید :-

لیکن میں مروان سے وعدہ جو کر چکا ہوں ــــ!

مریم :-

غلطی کی تم نے، ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا تمہیں!

یزید :-

مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی، واقعی مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، لیکن اب تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا ۔ اب میری لاج تمہارے اور اسماء کے ہاتھ ہے، میری اس سفید ڈاڑھی میں خدا کے لیے سیاہی نہ لگاؤ!

مریم :-

کہہ تو رہی ہوں، تمہاری خوشنودی کے لیے میں سب کچھ کر سکتی ہوں، لیکن اسماء کی بھینٹ چڑھا دوں، یہ نہیں ہو سکتا!

یزید :-

تو کیا مروان سے کہہ دوں جا کر میں نے جھک مارا تھا، غلطی کی تھی، جھوٹ بولا تھا، دھوکا دیا تھا ۔ اسماء سے تمہاری شادی نہیں ہو سکتی، اسماء تم سے نفرت کرتی ہے ۔ اسماء کی ماں مریم بھی تمہیں سخت ناپسند کرتی ہے ۔!

مریم :-

اگر یوں صاف صاف باتیں مروان سے کر سکو تو بڑا اچھا ہو،

یزید :-
یعنی تم نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ مجھے ذلیل کرکے رہو گی !

مریم :-
خدا نہ کرے کہ میں ایسا چاہوں !

یزید :-
اور کس طرح چاہو گی ! میں تم سے التجا کرتا ہوں، میری بات رکھ لو !

مریم :-
یہ نہیں ہو سکتا، کسی قیمت پر بھی نہیں ۔

یزید :-
تم نہیں جانتیں اس انکار کا نتیجہ کیا ہوگا !

مریم :-
تم تو جانتے ہو !

یزید :-
ہاں، اور جو نتیجہ ہوگا اُسے سوچ کر کانپ جاتا ہوں، تم مروان سے، اس کے مزاج سے، اس کے غصّہ اور برہمی سے ۔ خوئے انتقام سے، اس کی ضد اور ہٹ سے قطعًا ناواقف ہو، اس کے دشمن تک اُس سے ڈرتے ہیں !

مریم :-
لہٰذا مجھے بھی ڈرنا چاہیے !

یزید :-
صرف تمہیں کو نہیں، اسماء کو بھی، سچ کہتا ہوں وہ بڑا خوفناک آدمی ہے ۔!

مریم :-

تم چاہتے ہو، میں خوفناک آدمی سے اسماء کو بیاہ دوں؟ کیا کوئی ماں یہ کر سکتی ہے؟

یزید :-

اوہ، تم میرا مطلب غلط سمجھیں، وہ بُرا آدمی نہیں ہے، بہت بھلا آدمی ہے!

مریم :-

کیا بھلا آدمی بھی خوفناک ہوتا ہے، کیا اس کا انتقام بھی خطرناک ہوتا ہے؟

-یزید :-

ہاں ہوتا ہے لیکن تمہیں اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، تم کو شاید معلوم نہیں، مروان تمہارا کس درجہ احترام کرتا ہے، اور اسماء پر تو وہ ہزار جان سے فریفتہ ہے۔؟

مریم :-

لیکن اسماء اس سے محبت نہیں کرتی، محبت گھول کر نہیں پلائی جاسکتی، نہ مارے باندھے اختیار کی جاسکتی ہے، میں مسلمان ہوں، اور اپنے مسلمان ہونے پر مجھے فخر ہے، میں اس حق سے جو شرعِ اسلامی نے ایک عورت کو دیا ہے، اپنی لڑکی کو کس طرح محروم کردوں، نکاح کے لیے رضامندی شرط ہے، اور اسماء کسی طرح اس پر رضامند نہیں ہو سکتی، میں اس کے مزاج اور طبیعت سے واقف ہوں!

یزید :

میں یہ کب کہتا ہوں کہ زبردستی اس کا نکاح کردیا جائے؟

مریم :-

پھر تمہارا مطلب اور کیا ہے؟

یزید :-

میری خواہش صرف اتنی ہے کہ اسماء کو سمجھا بجھا کر کسی طرح راضی کر لو۔

مریم :-

وہ نہیں راضی ہوگی، وہ بارہا مجھ سے مروان کی برائیاں کر چکی ہے! بھلا جس عورت کے دل میں کسی مرد کی برائی بیٹھ جائے وہ اس سے شادی کر سکتی ہے! تم تو بڑے تجربہ کار اور جہاں دیدہ آدمی ہو، حیرت ہے کیسی بچوں سی باتیں کر رہے ہو!

یزید :-

تم ماں بیٹی کی ضد، مجھے غارت کر کے رکھ دے گی ... آہ!

مریم :-

کئی دن سے میری طبیعت خراب ہے ہلکا ہلکا سا بخار ہے، آج تو صبح ہی سے طبیعت نڈھال ہو رہی تھی، تم نے یہ باتیں کر کے میرا بخار بڑھا دیا، مجھے کچھ دیر تک سکون سے لیٹا رہنے دو، ورنہ بخار بڑھ جائے گا!

یزید :-

اچھا میں جاتا ہوں، لیکن اس التجا کے ساتھ، کہ اس درخواست پر غور کر لو۔

مریم نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ اسماء آگئی، اُسے آتا دیکھ کر یزید واپس چلا گیا، اسماء ماں کے سینہ پر منہ رکھ کر رونے لگی، مریم اس کی یہ حالت نہ دیکھ سکی، وہ بھی رونے لگی، اُس نے کہا!

"میری بچی تو کیوں رو رہی ہے، کیا ہوا؟"

اسماء نے آہستہ آہستہ رُک رُک کر وہ ساری داستان سنا دی جو عذرا

سے سُنی تھی، اور پھر گردن جھکا کر، شرمائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"میں مروان سے نفرت کرتی ہوں!"

مریم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"میں جانتی ہوں ــــــــــ تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہے، میں نے یزید سے صاف الفاظ میں یہ رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تو بالکل فکر نہ کر!

یہ سنتے ہی اسماء کی آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے، اور اس کے افسردہ ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔

باب (۳)

عزمِ سفر

دن اسی طرح سے گذرتے رہے، مریم اور یزید کی کشمکش جاری رہی، یزید اپنے اصرار پر قائم تھا کہ اسماء کی شادی مروان سے ہو، اور جلد از جلد ہو، مریم اپنے فیصلے پر قائم تھی کہ اسماء کی شادی ہرگز مروان سے نہیں ہو سکتی، مریم کی علالت کے باوجود یزید کی جلی کٹی باتوں اور طعن و تشنیع کا سلسلہ جاری رہا، مریم بہت صابر و ضابط عورت تھی، وہ ان ناخوش گوار باتوں کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتی رہی، اور اس کی صحت کو گھن لگتا رہا، یہاں تک کہ وہ باقاعدہ بیمار ہو گئی، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ پلنگ سے لگ گئی۔

ادھر مروان، بار بار یزید سے تقاضا کرتا تھا کہ اپنا وعدہ پورا کرے، وہ مریم کے انکار کو اور اسماء کی نفرت کو، اس کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے ڈرتا تھا، لہٰذا ہر تقاضا کے موقع پر، وہ ایک نئی بات بنا کر ٹال دیا کرتا تھا۔

آخر مروان نے سمجھ لیا کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ اتنے زور وشور سے وعدہ کرنے کے بعد یزید یوں ٹال مٹول سے کام لیتا، آخر ایک دن اس نے سوچا کہ یہ گو مگو کا دور ختم ہونا چاہیے، اور بات صاف کر لینی چاہیے، چنانچہ وہ یزید کے پاس اس کے گھر پر پہنچا یزید اسے دیکھ کر گھبرایا تو بہت، لیکن بظاہر بہت پرتپاک طریقہ پر اس کا خیر مقدم کیا۔

یزید:۔

آئیے مروان صاحب، غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر، آپ نے مجھے زیر بار احسان کر لیا! ـــــــ کہیے کیسے تشریف لائے اس وقت؟

مروان:۔

آپ کو معلوم ہے میں کیوں آیا ہوں! اور کیوں بار بار آتا رہتا ہوں۔؟

یزید:۔

(سر کھجاتے ہوئے شرمندگی کے ساتھ) آپ کا مطلب شاید اسماء ـــــــ!

مروان:۔

جی ہاں میرا مطلب صرف یہی ہے، میں چاہتا ہوں یہ ٹال مٹول کا سلسلہ ختم ہو۔

یزید:۔

ٹال مٹول؟ ـــــــ آپ مجھ پر ٹال مٹول کا الزام لگاتے ہیں۔؟

مروان:۔

ہاں، کیا آپ انکار کر سکتے ہیں اس سے؟

یزید:۔

میں کسی طرح بھی اس جرم کا اقرار نہیں کر سکتا!

مروان:۔

توآپ جھوٹے اور فریبی اور دغاباز ہیں۔

یزید:-

یہ کیوں ہے یہ کس لیے؟

مروان:-

اس لیے کہ اسماء سے آپ میری شادی نہیں کرا سکے، اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے کرا بھی نہیں سکتے!

یزید:-

(پریشان ہوکر) آپ کے معلومات؟... کیا مطلب؟

مروان:-

میں نے اپنے خاص ذرائع سے معلوم کرلیا ہے کہ اسماء کی ماں مریم اس رشتہ کو پسند نہیں کرتی۔

یزید:-

عورتیں ضدی ہوتی ہی ہیں، راضی ہوجائے گی؟

مروان:-

لیکن انتظار کی ایک حد ہونی چاہیے، میں کب تک انتظار کروں۔؟

یزید:-

تھوڑا صبر اور کیجیے۔

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

مروان:-

جی معاف کیجیے، آج میں یہاں سے فیصلہ کرکے اٹھوں گا!

یزید:-

یعنی ...... یعنی

مروان :-

یعنی یہ کہ یا تو اسماء کے ساتھ میرا نکاح آج ہوگا، ورنہ پھر کبھی نہیں ہوگا!

یزید :-

(بہت زیادہ مضطرب اور بدحواس ہوکر) آج ؟

مروان :-

جی ہاں جناب!

یزید :-

یہ تو ناممکن ہے!

مروان :-

(اٹھتے ہوئے) شکریہ، میں یہی جواب سننا چاہتا تھا!

یزید :-

لیکن آپ غلط سمجھے، میرا مطلب یہ تھا کہ

مروان :-

آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں، میں صاف گو آدمی ہوں، لگی لپٹی نہیں رکھتا نہ اسے پسند کرتا ہوں کہ دوسرے لگی پٹی رکھیں، آپ ایک کام نہیں کر سکے، مان لیجیے جھگڑا ختم!!

یزید :-

میں کیسے مان لوں کہ یہ کام نہیں کر سکتا؟ ..... میرے ذہن میں ایک بڑی اچھی ترکیب ہے۔

مروان :-

ترکیب؛ ــــــــــ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟

یزید :۔

واقعہ یہی ہے کہ مریم اس رشتہ کو پسند نہیں کرتی،

مروان :۔

یعنی میری اطلاع درست تھی؟

یزید :۔

سو فیصد درست، لیکن سنیے تو!

مروان :۔

فرمائیے، سن رہا ہوں، دیکھوں اب کون سی دور کی کوڑی لاتے ہیں آپ؟

یزید :۔

لیکن مریم کو راضی کیا جا سکتا ہے؟

مروان :۔

کس طــرح یہ بھی تو معلوم ہو؟

یزید :۔

اسے کسی بہانہ سے مدینہ منورہ لے چلتے ہیں، وہاں سارا کام بڑی آسانی سے بن جائے گا۔

مروان :۔

آپ کی ہر بات نرالی ہوتی ہے، وہاں کام کس طرح بن جائے گا، میری سمجھ میں تو نہیں آتا،

یزید :۔

آپ ابھی بچے ہیں، نوعمر ہیں، ناتجربہ کار ہیں، میں بہرحال آپ کے مقابلے

میں جہاں دیدہ اور سرد وگرم چشیدہ ہوں

مروان :۔

وہ تو ٹھیک ہے، لیکن بات، جہاں تھی وہیں رہی، یہ بتائیے مدینہ منورہ میں آپ مریم کو کس طرح راضی کریں گے. جب یہاں نہیں راضی کر سکے ؟

یزید :۔

وہاں، امیر المومنین عثمان بن عفان کے واسطہ سے، یہ پیغام مریم تک پہنچائیں گے، پھر وہ کسی طرح انکار نہیں کر سکے گی۔ بھلا ان کی عظمت و تقدیس کے آگے کوئی سرکشی کا مظاہرہ کر سکتا ہے !

مروان :۔

(مسکرا کر) ترکیب تو معقول ہے !

یزید :۔

معقول! اجی جناب یہی ایک ترکیب ہے کامیابی کی ــــــــــ ــــــــ امیر المومنین آپ جیسے ہونہار، اور شریف و نجیب نوجوان کی سفارش کرنے میں یقیناً تامل نہیں کریں گے !

مروان :۔

(اطمینان کے ساتھ) امید تو مجھے بھی یہی ہے۔

یزید :۔

آخر آپ قائل ہوئے اس خاکسار کی حکمت اور دانشمندی کے !

مروان :۔

وہ تو ہو گیا، لیکن سوال یہ ہے کہ مریم کو اس بیماری اور علالت کی حالت میں سفر پر آمادہ کیسے کیا جائے گا !

یزید:۔
خدا ہم پر مہربان ہے، خود بخود وہ راضی ہو گئی،

مروان :۔
(متحیر ہو کر) کیونکر! یہ تو بڑی عجیب بات بتائی آپ نے!

یزید :۔
آج جب میں حسبِ معمول، اس کی مزاج پرسی کو اس کے کمرے میں گیا، تو اس نے خود ہی کہا، میں مدینہ جانا چاہتی ہوں، وہاں مجھے کچھ کام ہے۔

مروان:۔
اچھا یہ بات ہوئی!

یزید :۔
ہاں ——— جیسے ہی میں نے یہ سنا تو فوراً بجلی کی سی تیزی سے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اب کام بن گیا۔

مروان :۔
بات واقعی معقول ہے، تو پھر اب جلد از جلد سامانِ سفر کرنا چاہیے۔

یزید :۔
بے شک، کل، ورنہ پرسوں ہم روانہ ہو جائیں گے، یہی میں نے مریم سے کہا ہے۔

مروان :۔
تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ میں انتظام کروں!

یزید :۔
ہاں صاحب، انتظام کیجیے، اور فوراً کیجیے، ایک بات اور واضح رہنی چاہیے۔

مروان :-
اب کون سی بات یاد آئی آپ کو؟ وہ بھی کہہ دیجیے۔

یزید :-
ہم طویل مسافت اختیار کرکے چکر کے راستے سے مدینے جائیں گے۔

مروان :-
یہ ہو تو سکتا ہے، لیکن اس میں کیا مصلحت ہے؟

یزید :-
بہت بڑی مصلحت ہے ——— ہو سکتا ہے سفر کے شدائد کی تاب نہ لاکر مریم راستہ ہی میں موت کے گھاٹ اُتر جائے، اگر ایسا ہوا تو بغیر کسی جھنجھٹ کے ہم منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ تنہا اور بے یار و مددگار اسماء نہ ہماری مخالفت کر سکے گی، نہ ہمارے فیصلہ سے سرتابی کرنے کی اس میں سکت ہوگی، نہ ہمارے ارادوں میں وہ مزاحم ہو سکے گی۔

مروان :-
لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ مر ہی جائے۔

یزید :-
ٹھیک ہے، اگر نہ مری تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، مدینے پہنچنے کے بعد وہ ہماری مٹھی میں ہوگی۔

جس وقت مروان اور یزید میں یہ باتیں ہو رہی تھیں، اس وقت مریم اور اسماء بھی اپنے حال و مستقبل کے متعلق کچھ فیصلے کر رہی تھیں، مریم کی طبیعت بدستور خراب تھی، کمزوری اور نقاہت دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی، اسماء اس کے پاس بیٹھی، اس کا دل بہلانے کی کوشش کر رہی تھی، اس نے ماں کے ہاتھ

اور گال پر ہاتھ رکھ کر کہا،

اسماءؓ :-

آج تو آپ کو بخار کم معلوم ہوتا ہے!

مریمؓ :-

ہاں بیٹی آج طبیعت ذرا ہلکی ہے۔

اسماءؓ :-

انشاء اللہ آپ بہت جلد تندرست ہو جائیں گی۔

مریمؓ :-

اب تو مجھے صرف ایک لو لگی ہے، اور چاہتی ہوں کہ مرنے سے پہلے وہ آرزو پوری ہو جائے۔

اسماءؓ :-

وہ کیا ہے اماں جان؟ آج تک تو آپ نے اپنی کسی آرزو کا ذکر نہیں کیا تھا!

مریمؓ :-

میری آرزو یہ ہے کہ جلد از جلد مدینہ منورہ پہنچ جاؤں۔

اسماءؓ :-

یہ آرزو تو ہر مسلمان کی ہے، خدا آپ کی یہ تمنا پوری کرے، اور آپ کو بھی خدا وہاں پہنچائے۔ لیکن ابھی آپ بیمار ہیں، سفر کا ارادہ تندرست ہونے کے بعد کیجیے گا!

مریمؓ :-

نہیں بیٹی، وہ ارادہ تو میں کر چکی، سامانِ سفر بھی تیار ہونے لگا، کل، ورنہ

پرسوں انشاء اللہ ہم مدینہ کی سمت روانہ ہو جائیں گے۔

اسماء :-

کیا اباجان آپ کو جانے دیں گے؟

مریم :-

ہاں، میں نے یزید سے ذکر کر دیا ہے، وہ میری اس رائے سے متفق ہیں، وہ بھی ہمارے ساتھ جائیں گے!

اسماء :-

خیر یہ تو اچھا ہوا، لیکن سمجھ میں نہیں آتا آپ اس قدر جلدی کیوں کر رہی ہیں!

مریم :-

بات یہ ہے کہ بیماری بڑھتی جا رہی ہے نہ جانے کب موت میری زندگی کا خاتمہ کر دے، میں مرنے سے نہیں ڈرتی، یزید کی خود غرضی سے اور مروان کی شرارت پسندی سے ڈرتی ہوں، میرے مرنے کے بعد ضرور یہ لوگ زبردستی کریں گے۔ اور تجھے ان کی مرضی کے آگے سر جھکانا پڑے گا۔

اسماء :-

(آنکھوں میں آنسو بھر کر) ایسی باتیں نہ کیجیے۔ خدا آپ کو تندرست کر دے گا، رہی زبردستی، تو مریم کی بیٹی پر کسی کی زبردستی نہیں چل سکتی، یہ بتائے دیتی ہوں!

مریم :-

یہ تو میں جانتی ہوں میری بچی، لیکن تجھے امتحان میں کیوں ڈالوں۔ کیوں نہ تجھے ایسی جگہ پہنچا دوں جہاں تو ہر طرح محفوظ و مامون ہو گی؟

اسماء :-

وہ کون سی جگہ ہو سکتی ہے میری سمجھ میں نہیں آتا؟

مریم :-
کیا تو نے حضرت علیؓ کا نام نہیں سُنا ہے؟ میں تجھے اُن ہی کی سپرد گی میں دوں گی!

اسماء :-
کیا آپ کو یقین ہے وہ ضرور آپ کی مدد کریں گے؟

مریم :-
ہاں بیٹی ضرور وہ ہماری مدد کریں گے، وہ مشکل کُشا ہیں، ہم جیسے بے سہارا لوگوں کی مشکل وہ آسان نہ کریں تو کون کرے گا؟ انشاءاللہ وہاں پہنچتے ہی ہماری ساری دشواریاں حل ہو جائیں گی۔

اسماء :-
اگر یزید اور مروان نے وہاں کوئی گل کھلایا تو کیا ہوگا؟

مریم :-
ان کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوگی، وہ کچھ نہیں کر سکیں گے، وہ وہاں اتنے ہی بے بس ہوں گے، جتنے یہاں ہم ہیں ——— بیٹی میرے سر میں درد ہو رہا ہے ذرا داب دئے ہوئے ہوئے۔
اسماء خاموش اور فکرمندی کے ساتھ اس کا سر دابنے لگی۔

کیسے کیسے منصوبے بنارہے ہوں گے!
اے خدا، اے میرے مولا،
مجھے ان لوگوں کے چنگل سے بچا، میں انہیں اور ان کے طرزِ زندگی کو ذرا بھی پسند نہیں کرتی، یہ مجھ سے دور رہیں - میں ان سے دور رہنا چاہتی ہوں!
اس خیال آرائی اور فکر و پریشانی میں رات نصف سے زیادہ گذر گئی، لیکن اسماء کی پلک نہ جھپکی، وہ ماں کے سرہانے پیکرِ غم بنی بیٹھی رہی، یکایک مریم نے کروٹ لی، آنکھیں کھولیں اور حسرت و آرزو کے ساتھ اسماء کی طرف دیکھنے لگی!
اسماء مریم کی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئی، اُس نے کہا:
"اماں اب کیسی طبیعت ہے!
لیکن مریم نے کچھ جواب نہ دیا ——— !
اسماء اور زیادہ گھبرا گئی،
اُس نے پوچھا:-
"کیا پیاس لگی ہے؟"
مریم نے اشارہ سے اپنے پیاسے ہونے کا اقرار کیا۔
اسماء جلدی سے ایک گلاس میں پانی بھر کر لائی، اور ماں کے منہ سے لگادیا، اس نے آہستہ آہستہ گھونٹ گھونٹ کر کے پانی حلق سے اُتارا، تو قدرِ سکت آئی، پھر، بہت کمزور اور نحیف آواز میں کہا۔
مریم:-
بیٹی میرے چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے۔ میں اس دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں، تجھے خدا کو سونپا،

باب (۴)

بسترِ مرگ

یہ تھی مریم' اور اسماء کی کہانی ——!

یزید اور مروان خیمہ کے باہر بیٹھے سرگوشیوں میں مصروف تھے، اسماء غمزدہ اور رنجیدہ' فکرمند اور پریشان' مغموم اور مضمحل، ماں کے سرہانے بیٹھی، عالمِ خیال میں نہ جانے کیا کیا سوچ رہی تھی، ماں کا نڈھال اور بیمار چہرہ دیکھ کر اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو جاتی، سوچنے لگتی اگر خُدانخواستہ راستہ ہی میں اماں جان کا انتقال ہو گیا تو میرا کیا حشر ہوگا، یہ ظالم اور خود پسند لوگ میری کیا گت بنائیں گے! میں ان کے رحم وکرم پر ہوں گی' ان کے اختیار میں ہوں گی یہ جو چاہیں گے کریں گے، میں کچھ نہیں کر سکوں گی، مجھے وہی کرنا پڑے گا' جو یہ چاہیں گے ——!

پھر وہ سوچنے لگتی۔

مروان اور یزید باہر بیٹھے ضرور میرے متعلق باتیں کر رہے ہوں گے نہ جانے

میری تمنّا ہے کہ کسی طرح برادرِ رسولؐ علیؑ مرتضیٰ سے ملاقات ہو جائے۔

اسماء :-

یہ کون سی ایسی مشکل تمنّا ہے ؟ کل انشاءاللہ ہم مدینہ منوّرہ پہنچ جائیں گے، پھر اُن سے ضرور ملاقات ہو جائے گی :-

مریم :-

(حسرت اور مایوسی کے ساتھ) کل ۔۔۔۔ ! کل تک میں زندہ نہیں رہ سکوں گی بیٹی، اپنی ماں کے بارے میں تو زندہ امید کیوں قائم کر رہی ہے ؟

اسماء :-

تو پھر کیا کروں ؟ کیا اس سہارے سے بھی ہاتھ دھولوں ۔ ؟ مایوس ہو جاؤں ؟

مریم :-

بیٹی ، جو بات ہونے والی ہے اس سے انکار نہ کر ، میں مر رہی ہوں ۔ تو مجھے اور اپنے آپ کو جھوٹی تسلیاں دے رہی ہے ، کوئی ایسی تدبیر سوچ کہ میں حضرت علی کا دیدار کر سکوں !

اسماء :-

وہ تو مدینہ پہنچ کر ہی ممکن ہے !

مریم :-

آہ ـــــــــــــ پھر کیا ہوگا !

اسماء :-

آخر تم ان سے ملنے کے لیے اتنی بیتاب کیوں ہو ؟

مریم :-

ہے کچھ ایسی ہی بات !

اسماء رونے لگی، پھر اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا!

اسماء :-

خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو، اگر خدا نخواستہ تم نہ رہیں تو میرا کیا حال ہوگا! میں کس کے سہارے زندہ رہوں گی، تمہیں اپنے لیے نہیں میری خاطر، میرے لیے زندہ رہنے کی ضرورت ہے۔

مریم :-

سچ کہتی ہے بیٹی، لیکن مشیّتِ الٰہی میں کون دخل دے سکتا ہے! میرا وقت پورا ہوگیا۔

اسماء :-

اماں تم اچھی ہو، خدا نے چاہا تو بہت جلد بالکل تندرست ہو جاؤ گی۔

مریم :-

نہیں بیٹی، اپنی حالت کا مجھے بہت ٹھیک اندازہ ہے، میں اب تھوڑی دیر کی مہمان ہوں، پھر قصّہ ماضی بن جاؤں گی۔

اسماء :-

(سہم کر) خدا نہ کرے، خدا مجھ پر رحم کرے گا میرے لیے تمہیں زندہ رکھے گا۔

مریم :-

بیٹی تو غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع کر رہی ہے، میں چاہتی ہوں قبل اس کے کہ میری آنکھیں بند ہوں، وہ اپنا ارادہ پورا کر لوں، جسے کر نکلی تھی۔

اسماء :-

کیسا ارادہ اماں؟ میں بالکل نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتی ہو!

مریم :-

اسماء:۔
کیا میرے بارے میں ان سے کچھ کہنا چاہتی ہو!

مریم:۔
ہاں ———— اور ایک راز بھی ہے جس کے منکشف کرنے کا وقت آگیا ہے، اور یہ کام صرف ان ہی کے سامنے ہو سکتا ہے ۔

اسماء:۔
راز ———— ؟ کس قسم کا راز ہے وہ؟

مریم:۔
اس کا انکشاف حضرت علی کے سامنے ہی ہو سکتا ہے ۔

اسماء:۔
لیکن اس وقت نہ وہ یہاں آ سکتے ہیں، نہ تم وہاں پہنچائی جاسکتی ہو۔

مریم:۔
بظاہر تو ایسا ہی ہے ——— لیکن ——— !

اسماء:۔
لیکن کیا؟ کیا کوئی تدبیر ان سے ملنے کی تمہارے ذہن میں ہے ———؟

مریم:۔
ہاں ———— مجھے یقین ہے اگر ان کی خدمت میں یہ عرض کیا جائے کہ ایک عورت بسترِ مرگ پر دراز ہے، اس کی زندگی کا آفتاب لبِ بام آ چکا ہے لیکن مرنے سے پہلے وہ ایک راز سے آپ کو باخبر کرنا چاہتی ہے تو وہ ضرور تشریف لے آئیں گے!

اسماء:۔

لیکن اس وقت کون ان کے پاس جاسکتا ہے؟ میں تو راستے سے بھی ناواقف ہوں؛ ہاں ایک صورت ہے ان لوگوں سے جاکر کہتی ہوں، شاید خدا ان کے دل میں رحم ڈال دے اور ان میں سے کوئی چلا جائے۔

مریم :۔

ہاں بیٹی صرف یہی ایک صورت ہے، جاکوشش کر، دیکھ خدا کو کیا منظور ہے!

اسماء نے کوئی جواب نہیں دیا، اور خیمہ سے باہر نکل گئی، اور سیدھی اس جگہ پہنچی جہاں یزید اور مروان بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اتنی رات گذر جانے کے باوجود نیند کی کوئی علامت ان پر طاری نہیں تھی، اور وہ بڑے انہماک کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھے۔

اسماء کو دیکھ کر دونوں نے گفتگو بند کردی، اور اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے، لیکن وہ چپ چاپ کھڑی رہی، آخر یزید نے دریافت کیا۔

یزید :۔

کیا بات ہے بیٹی خیریت تو ہے؟

اسماء :۔

اماں کی طبیعت آج بہت خراب ہے۔!

یزید :۔

وہ تو میں جانتا ہوں، گھبراؤ نہیں خدا رحم کرے گا۔

اسماء :۔

اماں چاہتی ہیں کہ کسی طرح جناب علی مرتضیٰ سے ملاقات کا انتظام ہوجائے۔

مروان :۔

(حیرت سے) اس وقت ــــــــــ؟

اسماء :-

ہاں امی، وہ اس پر بضد ہیں کسی طرح بھی ہو یہ کام انجام پایا جائے۔

یزید :-

وہ تو ٹھیک ہے بیٹی، لیکن عقل کے ناخن لو، ذرا سوچو تو اُن سے کیوں کر ملاقات ہو سکتی ہے؟ وہ مدینہ منورہ میں ہیں، اور ہم مدینہ سے کافی فاصلہ پر ہیں، کیا زمین کی طنابیں کھینچ کر ملاقات کا انتظام کیا جائے؟

اسماء :-

اماں کی خواہش ہے کہ حضرت علی کو یہاں بلالیا جائے۔

یزید :-

یہ لو، یک نہ شُد دو شُد، بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے؟ ——— بیماری میں اس طرح کے خیالات آیا کرتے ہیں۔ ان سے کہو سو جائیں۔

اسماء :-

انہیں نیند نہیں آتی، وہ بہت ابتر حالت میں ہیں، رحم کیجیے اور کسی طرح بھی حضرت علیؓ کو بلا لائیے جاکر۔

یزید :-

بیٹی یہ بالکل ناممکن ہے، ورنہ تمہاری بات میں نہ ٹالتا۔

مروان :-

بھلا کون ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ اس وقت ان کے پاس جائے؟

اسماء :-

مجھے کامل یقین ہے، اگر حضرت علی سے عرض کیا جائے کہ ایک لب گور عورت آپ سے ملاقات کی تمنا رکھتی ہے، تو وہ سو کام چھوڑ کر تشریف لے آئیں گے، اور

اس مرنے والی کی حسرت پوری کر دیں گے۔

مروان :-

یقیناً ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ آج کل مسلمانوں کی خانہ جنگی، اور اختلافات باہمی سے اس درجہ پریشان، اور اس قدر زیادہ مصروف و مشغول ہیں کہ نہیں آ سکتے، ان سے کچھ کہنا، خواہ مخواہ بات کا کھونا ہے۔

اسماء :-

یہ تو میں بالکل نئی بات سن رہی ہوں، کیا مسلمانوں میں آپس کے اختلافات اور نزاعات بھی ہیں!

یزید :-

ہاں بہت زیادہ ہیں، تو گھر میں بیٹھنے والی لڑکی ان باتوں کو کیا جانے!

مروان :-

بات یہ ہے کہ ایک بڑی جماعت خلیفۂ وقت امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان سے بہت برہم ہے۔ وہ بار بار شورش پر آمادہ ہوتی ہے

اسماء :-

آخر کیوں! کیا خلیفۂ وقت کے خلاف شورش کرنا جائز اور مناسب ہے!

یزید :-

بالکل نہیں، حرام ہے!

اسماء :-

پھر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں! کیا خدا سے نہیں ڈرتے!

یزید :-

بالکل نہیں، خدا سے ڈرتے ہوتے تو اس طرح کی حرکتیں کیوں کرتے! کہیں

خدا ترس لوگ بھی ایسی باتیں کر سکتے ہیں!

اسماء:۔

یہی تو مجھے بھی حیرت ہے کہ یہ معاملہ کیا ہے!

مروان:۔

بات یہ ہے کہ حضرت عثمان نرم دل کے آدمی ہیں، مروّت بھی بہت ہے ان کے مزاج میں، ان کی نرم دلی اور مروّت سے بعض لوگ نا جائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ عوام کا ایک طبقہ ان باتوں کو کنبہ پروری اور خویش نوازی قرار دیتا ہے، کوفے اور بصرے کے لوگ خاص طور پر ان شکایات میں پیش پیش ہیں، اس لیے ہنگامہ آرائی ہوتی رہتی ہے۔ اور حضرت علیؓ کا چونکہ ہر فریق احترام کرتا ہے۔ اس لیے ان کے وقت کا بڑا حصہ ان اختلافات و نزاعات کے طے کرنے اور سلجھانے میں صرف ہوتا ہے، ان حالات میں نہ انہیں تکلیف دینا مناسب ہے اور نہ وہ آسکتے ہیں:۔

یزید:۔

جاؤ یہی باتیں اپنی ماں سے کہہ دو۔

اسماء:۔

کچھ بھی ہو، میری ماں کی آرزو پوری ہونی چاہیے۔

یزید:۔

(تلخی کے ساتھ) یعنی کس طرح پوری ہونی چاہیے! تم سمجھ دار ہو کر ناسمجھوں کی سی باتیں کرتی ہو! بھلا بتاؤ تو کیا کریں ہم! کس طرح یہ حسرت پوری کر دیں!

اسماء:۔

کسی کو حضرت علی کے پاس بھیج دیجیے، کہ وہ جا کر ان سے عرض کرے، مجھے

یقین ہے، وہ اس حسرت کے پورا کرنے میں تجاہل سے کام نہیں لیں گے۔

یزید:۔

یہاں کون سے میرے نوکر چاکر بیٹھے ہیں، کسے بھیج دوں آخر!

مروان:۔

آپ فکر نہ کیجیے، میں اپنے آدمی کو بھیجے دیتا ہوں!

اسماء:۔

شکریہ، میں آپ کی بہت ممنون ہوں!

مروان:۔

اگر اس آدمی سے کام نہ چلا تو میں خود چلا جاؤں گا، مدینہ یہاں سے کچھ بہت دور نہیں ہے، آدمی بھی آسانی سے جا سکتا ہے اور میں بھی۔

اسماء:۔

بس تو پھر جلدی کیجیے۔

مروان:۔

ابھی لیجیے۔

اسماء مروان کا شکریہ ادا کر کے پھر خیمہ میں چلی گئی، مروان نے ایک آدمی ضروری ہدایات کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا، اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ خود بھی اسپ باد پا پر بیٹھا، اور مدینہ کی طرف چل پڑا، یزید اطمینان سے گہری نیند سو رہا تھا، نہ اسے مریم کی فکر تھی، نہ اسماء کا خیال!

اسماء جب خیمہ میں پہنچی تو مریم پر غفلت طاری تھی، وہ خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ گئی، اور پھر اپنے ماضی اور حال پر غور کرنے لگی!

وہ ایک عرصہ سے یہ محسوس کر رہی تھی کہ یزید اس کے ساتھ ضرورت سے

زیادہ بیگانگی کا برتاؤ کرتا ہے۔ اور یہ بات اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے!

کئی بار اس نے مریم سے اس عقدہ کو حل کرنا چاہا، اور اپنے باپ کا نام معلوم کرنا چاہا، لیکن زبان تک آئی ہوئی بات منہ سے باہر نہ نکل سکی، اس وقت بھی وہ اس سناٹے میں اس مسئلہ پر غور کر رہی تھی۔

صبح جب ہونے لگی، تو مریم نے پھر ایک مرتبہ کروٹ لی، آنکھیں کھولیں تو اسمار کو اپنے پاس بیٹھا ہوا پایا، اس نے آہستہ آہستہ اسمار سے پوچھا۔

مریم:۔
کیوں بیٹی کیا ہوا! کیا حضرت علی تک میری استدعا پہنچا دی گئی۔!

اسمار:۔
ہاں اماں، تمہاری آواز ان تک پہنچا دی گئی!

مریم:۔
پھر کیا ہوا! ——— کیا وہ تشریف لائے!

اسمار:۔
نہیں، وہ اب تک تشریف نہیں لا سکے۔

مریم:۔
کیا انہوں نے تشریف لانے سے انکار کر دیا!

اسمار:۔
نہیں اماں یہ بات بھی نہیں ہے۔

مریم:۔
(مایوسی کے ساتھ) پھر کیا بات ہے بیٹی!

اسماء :-

آدمی مدینہ منورہ بھیجا گیا ہے۔ لیکن اب تک واپس نہیں آیا، ابھی تھوڑی دیر ہوئی میں اس کی پرسش کے لیے گئی تھی، معلوم ہوا کہ مروان بھی اس کے پیچھے پیچھے گیا ہے۔ مگر وہ بھی ابھی تک نہیں آیا،

مریم :-

اور یزید ________ ؟ وہ کیا کر رہا ہے کیا وہ نہیں گیا ؟

اسماء :-

نہیں ________ وہ اس طرح غافل سو رہے ہیں جیسے کوئی گھوڑے بیچ کر سوتا ہے۔

مریم :-

تیرا یزید سے کیا واسطہ تو اس کی ان حرکتوں پر کیوں کڑھتی ہے۔ ؟

اسماء :-

میں نہیں کڑھتی اماں جان، صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں میرا باپ کون تھا؟ اسکا نام کیا تھا؟

مریم :-

یہ بھی معلوم ہو جائے گا، جہاں اتنا صبر کیا ہے، تھوڑا اور کر لے !

اسماء :-

کب تک صبر کروں ؟ جب پوچھتی ہوں آپ یہی کہہ دیتی ہیں !

مریم :-

آج بہر حال اس راز پر سے پردہ اٹھ جائیگا" اور جو کچھ تو معلوم کرنا چاہتی ہے وہ تیرے علم میں آجائیگا۔ آج کے بعد میں زندہ نہیں رہوں گی اور میرے مرنے سے پہلے تیرے سوال کا جواب مل جائیگا۔ میری بچی، تو اپنے آپ کو خواہ مخواہ کی فکروں میں مبتلا نہ کر"

باب (۵)

حضرت عثمانؓ کا خطبہ

جب صبح کا نور اچھی طرح پھیل گیا، تو مریم کی حالت پھر ابتر ہونے لگی، وہ بار بار دروازے کی طرف دیکھتی تھی، لیکن اس کی نظریں ناکام و نامراد واپس آجاتی تھیں۔!

اسماء اپنی ماں کی یہ کیفیت دیکھ کر بیتاب ہو گئی، اور باہر جانے کے لیے اٹھی۔

مریم نے پوچھا :۔

بیٹی مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو؟

اسماء نے کہا :۔

اب تک نہ وہ آدمی واپس آیا، نہ مروان!

مریم :۔

وہ دونوں کیوں آنے لگے، انہیں ہم سے یا ہماری آرزوؤں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے،؛ پھر بھی ہم ان کے شکرگذار ہیں۔

اسماء:۔

اماں اب رات کی تاریکی ختم ہو چکی ہے۔ دن کی روشنی نمودار ہو رہی ہے اب بے کھٹکے میں جا سکتی ہوں!

مریم:۔

توجائے گی؟ ــــــ اکیلی؟ تنہا ــ؟

اسماء:۔

تو کیا ہوا؟ جلد ہی واپس آجاؤں گی ــ!

یہ کہہ کر اسماء باہر نکلی، سیدھی عامر کے گھر پہنچی، وہاں سے ایک خادمہ کو ساتھ لائی، اُسے تاکید کر دی کہ وہ مریم کی تیمارداری اور دل جوئی کرتی رہے۔ یزید کو بھی اس نے باہر سے اندر بھیج دیا کہ مریم کے پاس بیٹھا رہے، خود مردانہ لباس پہن کر، عبا زیب بدن کر کے ایک گھوڑے پر سوار ہوئی، اور اس کی باگ مدینہ کی طرف موڑ دی۔

مدینہ میں داخل ہو کر اسما کو اندازہ ہوا کہ مروان نے اس شہر کے اندرونی حالات کی جو تصویر الفاظ کے ذریعے کھینچی تھی تو وہ غلط نہ تھی، گلیوں اور کوچوں میں غیر معمولی ہجوم اسے نظر آیا۔ اس نے ان لوگوں کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار دیکھے۔ وہ ایک گلی سے دوسری گلی کی طرف مڑ رہی تھی، اس لیے سنبھل نہ سکی گر پڑی۔ لیکن چوٹ کچھ زیادہ نہ آئی۔ فوراً اٹھ بیٹھی، ایک نوجوان تیزی سے مدد پہنچانے کے خیال سے اس کے قریب آیا، اس نے بڑی شائستگی کے ساتھ پوچھا:۔

کہیں چوٹ تو نہیں آئی ؟

اسماء نے اپنی کیفیت پر غالب آتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں ۔!"

وہ نوجوان گویا ہوا

میرے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیے۔

اسماء نے اس شخص کی طرف التفات اور تفکر کی نگاہوں سے دیکھا اور کہا:۔

"کیا آپ حضرت علیؓ کا مکان جانتے ہیں؟"

وہ بولا:۔

"ہاں جانتا ہوں، لیکن اس سوال کا مطلب!

اسماء نے جواب دیا

"مجھے وہاں جانا ہے!"

ایک سادہ وضع کے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُسی نوجوان نے کہا:۔

یہ ہے حضرت علیؓ کا مکان ______ یہی بالکل سامنے، آپ کے ٹھیک داہنی جانب ہے!

اسماء :۔

کیا اس وقت حضرت علیؓ گھر پر تشریف فرما ہوں گے؟

اجنبی نوجوان :۔

اس وقت تو گھر پر موجود نہیں ہیں ۔!

اسماء :۔

افسوس میری محنت رائیگاں گئی!

اجنبی نوجوان:۔

کیا آپ کو ان سے کوئی بہت ضروری کام ہے!

اسماء:۔

جی ہاں بہت ضروری کام!

اجنبی نوجوان:۔

اگر حرج نہ ہو تو مجھ سے بیان کر دیجیے، میں آپ کی بات ان تک پہنچادوں گا!

اسماء:۔

مجھے آپ پر بے اعتمادی نہیں ہے لیکن معاف کیجیے وہ بات کسی اور کے ذریعہ نہیں کہلوائی جاسکتی، مجھے خود ہی اُن سے کہنا ہے ۔

اجنبی نوجوان:۔

غالباً وہ مسجد میں ہیں ۔

اسماء:۔

آپ کو تکلیف تو ہوگی، میری رہنمائی کیجیے اور مجھے وہاں تک پہنچا دیجیے۔

اجنبی نوجوان:۔

بہتر ——— آیئے میرے ساتھ تشریف لائیے۔

یہ کہہ کر وہ اجنبی نوجوان آگے بڑھا، اور اسماء اس کے عقب میں روانہ ہوئی، مسجد کچھ زیادہ فاصلہ پر نہ تھی، چند لمحوں میں یہ لوگ وہاں پہنچ گئے، مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، اسماء نے اپنے گھوڑے کو ایک کھجور کے درخت سے باندھ دیا، پھر مسجد کے دروازے پر کھڑی ہو گئی، وہ

اجنبی نوجوان بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا ایک متوسط اندام شخص، جس کی ڈاڑھی گھنی تھی، اور سینہ چوڑا چکلا تھا اٹھا، اور منبر پر چڑھ گیا، اس نے خطبہ دینا شروع کیا۔ اور لوگ خاموشی اور سکون کے ساتھ اس کا خطبہ سننے لگے۔

اسماء نے آہستہ سے اس اجنبی نوجوان سے دریافت کیا۔

"یہ کون صاحب ہیں؟"

وہ بولا:۔

"خلیفہ ثالث، حضرت عثمانؓ یہی ہیں"!

اسماء:۔

(حیرت، اشتیاق اور جوش کے ساتھ) یہی!

اجنبی نوجوان:۔

ہاں ________ کیا تم نے آج تک ان کی زیارت نہیں کی تھی!

اسماء:۔

نہیں ________ اور یہ لوگ جو خطبہ سن رہے ہیں، شاید مدینہ کے باشندے ہوں گے۔؟

اجنبی نوجوان:۔

نہیں، یہ لوگ کوفہ اور مصر سے آئے ہیں!

اسماء:۔

میں نے تو سنا ہے یہ لوگ خلیفہ کے مخالف ہیں!

اجنبی نوجوان:۔

تم نے صحیح سُنا ہے، یہ لوگ واقعی امیرالمومنین کی پالیسی سے خفا ہیں۔

اسماء :-

کیوں؟ کس لیے؟ وجہ کیا ہے اس خفگی کی؟

اجنبی نوجوان :-

انہیں شکایت ہے کہ تمام اعلیٰ مناصب پر اُموی قابض ہیں۔ اُمویوں کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے۔ چونکہ حضرت عثمان خود بھی اُموی ہیں اس لیے یہ لوگ ان کے طرزِ عمل کو جانب داری، خویش پروری اور اقربا نوازی پر محمول کرتے ہیں۔

اسماء :-

شاید حضرت عثمان ان ہی اعتراضات کا جواب دینے کو یہ خطبہ دے رہے ہیں؟

اجنبی نوجوان :-

جی ہاں، آپ کا خیال صحیح ہے!

اسماء نے غور سے حاضرین پر ایک نظر ڈالی، پھر اس کی نظر جا کر منبر پر ٹھٹک گئی۔ اس نے دیکھا، حضرت عثمان کے قریب منبر کے بالکل بائیں مروان بیٹھا ہے۔
مروان کو دیکھ کر وہ جل ہی تو گئی۔

وہ دل ہی دل میں مروان کو بُرا بھلا کہنے لگی۔

"اگر اسے کام نہیں کرنا تھا، تو انکار کر دیتا، جھوٹ بولنے اور فریب دینے کی کیا ضرورت تھی؟ مجھ سے تو یہ کہا کہ حضرت علی کو بلواتا ہوں، اور خود یہاں آکر بیٹھ گیا۔ میں شروع ہی سے سمجھ گئی تھی، یہ فریبی اور دغاباز شخص ہے، آج یقین ہو گیا۔
پھر اُس نے اِس اجنبی نوجوان سے دریافت کیا۔

اسماء :-

کیا حضرت علی اس مجمع میں تشریف نہیں رکھتے؟

اجنبی نوجوان :-

وہ کیں، منبر کے داہنی طرف تشریف فرما ہیں!
اسمارنے یہ سن کر حضرت علی کے چہرۂ انور پر ایک نظر ڈالی! اور آپ کے سراپا نور چہرے کو دیکھ کر اس کے دل میں مسرت و انبساط کی کیفیت پیدا ہوئی۔
پھر بہت جلد اس کی توجہ حضرت عثمان کے باوقار، اور خوبصورت چہرے پر مرکوز ہو گئی۔ حضرت عثمان کا خطبہ جاری تھا۔ اور وہ اثر انگیز لہجہ میں فرما رہے تھے!

لوگو ــــــ!

تم دور دراز مقامات سے یہاں آئے ہو، اور مجھے ایک ایسے امر کا جواب دہ قرار دے رہے ہو جس میں، میں تنہا اور منفرد نہیں ہوں، مجھ سے پہلے میرے جو پیشرو گذرے ہیں، یعنی میرے دونوں ساتھی مقتدا، یہ کام انہوں نے بھی کیا ہے، اور جو کچھ میں نے اور ابوبکر و عمر نے کیا ہے، وہ سنتِ رسول اللہ کے عین مطابق ہے۔

مجھے بتاؤ کہ، کیا رسول اللہ کے عہد میں ان لوگوں کو ملازمتیں نہیں ملیں جو عزیز اور رشتہ دار تھے؟ اگر تم اس پالیسی کو ناپسند کرتے ہو تو جو چاہو کرو، اگر تم نے یہ طے کر لیا ہے کہ فتنہ و فساد کا بازار گرم کرو گے، تو میں کہتا ہوں تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو، میں تم سے کھلم کھلا، اور نہایت واضح الفاظ میں کہتا ہوں کہ جب میں نہ رہوں گا تو تم محسوس کرو گے کہ میرا ایک دن کا رہنا ایک سال سے زیادہ قیمتی تھا اس لیے کہ جب میں نہ رہوں گا تو تم دیکھ لینا کہ خانہ جنگی، اور خونریزی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، خدا کی نافرمانی کی جائے گی، اور سنتِ رسول اللہ نظر انداز کر دی جائے گی۔ حالات یکسر بدل جائیں گے۔ جن کا اس وقت تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے!

حضرت عثمان کی تقریر جب ختم ہو گئی تو حضرت علیؓ اٹھے انہوں نے اپنی سراپا اعجاز تقریر میں حضرت عثمان کے خیالات کی تائید کی، اور ان کے ارشاد کی توثیق کی۔

اسماء بے خودی، اور محویت کے عالم میں چپ چاپ اپنی جگہ پر کھڑی تھی، اس کے چہرے بشرے سے کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس نے حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کی تقریر سنی یا نہیں؛ اور اگر سنی تو کیا اثر قبول کیا؛

اجنبی نوجوان نے اسماء کے بازو کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔
"کیا تمہیں نیند آ رہی ہے یا غفلت طاری ہے تم پر!

اسماء:۔

(جھپٹ کر) نہیں، یہ بات تو نہیں، کچھ دوسرے خیالات تھے جنہوں نے مجھے گھیر لیا تھا"

اجنبی نوجوان:۔
تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے حضرت عثمانؓ کی تقریر نہیں سنی۔

اسماء:۔
(مسکرا کر) ایسا ہی کچھ سمجھیے۔

اجنبی نوجوان:۔
بات یہ ہے کہ آج کل کوفہ اور مصر کے لوگ حضرت عثمان سے بہت خفا ہیں۔

اسماء:۔
پھر آخر وہ چاہتے کیا ہیں؟

اجنبی نوجوان:۔
وہ چاہتے ہیں کہ حضرت عثمان خلافت سے دست بردار ہو جائیں،

اسماء:۔

پھر وہ کسے خلیفہ بنانا چاہتے ہیں؟

اجنبی نوجوان :۔

اس میں اختلاف ہے۔

اسماءؓ۔

لاکھ اختلاف ہو، آخر کوئی نہ کوئی تو خلیفہ بنے گا۔

اجنبی نوجوان :۔

ہاں بنے گا، لیکن کون! یہ بات طے نہیں ہو سکی ہے!

اسماء :۔

لوگوں کا عام رجحان کس طرف ہے۔ کیا اس کا اندازہ بھی آپ کو نہیں ہے؟

اجنبی نوجوان :۔

مصر کے لوگ، حضرت علی کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، کوفہ کے لوگ اس منصب کے لیے حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے ہیں، بصرہ کے اصحاب حضرت طلحہؓ کو سب سے زیادہ اہل اور موزوں قرار دیتے ہیں، شام پر حضرت عثمان کا اثر ہے۔ وہاں ان کے عزیز معاویہ گورنر بھی ہیں وہاں کے لوگ ان ہی کو پسند کرتے ہیں۔ یہ ہے کشمکش کی صورتحال دیکھیے کیا ہوتا ہے؟

اسماء :۔

میرے خیال میں حضرت علی پر عام اتفاقِ آرا ہو سکتا ہے۔

اجنبی نوجوان :۔

ہاں ضرور ہو سکتا ہے، لیکن خود حضرت علی کا یہ حال ہے کہ وہ خلافت کا منصب حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ ان کوششوں سے بیزار ہیں۔

اسماء :۔

یہ کیوں؟ ان سے بڑھ کر اہل کون ہوگا؟

اجنبی نوجوان:-

وہ کسی حالت میں باہمی کشت و خون، اور فتنہ و فساد پسند نہیں کرتے، وہ نہیں چاہتے کہ منصب کے حصول کے لیے مسلمانوں میں جنگ و پیکار کا سلسلہ شروع ہوجائے ورنہ اگر وہ ذرا اشارہ کردیں تو تلواریں نیام سے باہر آجائیں، اور مسند خلافت بہ آسانی انہیں حاصل ہوجائے۔

اسماء:-

اور حضرت عثمان مطالبۂ دست برداری کے جواب میں کیا فرماتے ہیں!... کیا وہ دست بردار ہونے کے لیے تیار ہیں -؟

اجنبی نوجوان:-

نہیں، وہ اس پر آمادہ نہیں ہیں، وہ مطالبہ کرنے والوں کے مطالبے غلط اور ناواجب سمجھتے ہیں -!

یہ باتیں ہورہی تھیں کہ خطبہ عثمان کے ختم ہونے کے باعث مسجد سے لوگ باہر نکلنے شروع ہوئے، اسماء اور وہ اجنبی نوجوان ہٹ کر ایک طرف کھڑے ہوگئے کہ مجمع چھٹ جائے تو مسجد کے اندر جائیں، اور حضرت علی سے ملاقات کرکے عرض مدعا کریں، مجمع کے نکلنے اور گذرنے میں کافی وقت صرف ہوگیا، جب مجمع نکل گیا، تو یہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے کہ حضرت علیؓ کی خدمت میں اپنا معروضہ پیش کریں۔ لیکن یہ دیکھ کر دونوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ مسجد میں کہیں حضرت علیؓ کا پتہ نہیں تھا، اسماء نے کہا -

"اب کیا کیا جائے؟"

اجنبی نوجوان نے کہا:-

باب (۶)

محمد بن ابی بکر

اسماءؓ اور وہ اجنبی نوجوان، دونوں حیران و پریشان حجرۂ فاطمہؓ کے قریب کھڑے تھے، اور سوچ رہے تھے کہ حضرت علی کہاں تشریف لے گئے؟ دفعتہً ان کے کانوں میں ایک آواز آئی۔ اور یہ آواز سن کر وہ چونک پڑے، یہ آواز صاف طور پر مرقدِ رسولِ اکرمؐ سے آ رہی تھی، دونوں ہمہ تن گوش ہو کر یہ آواز سننے لگے، یہ حضرت علیؓ کی آواز تھی، اور وہ سرورِ کائناتؐ کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے، !

رسولِ اکرمؐ

اٹھیے اور دیکھیے، آپ کی اُمت کس حال میں مبتلا ہے؟ خدائے تعالیٰ نے آپ کو ہادی اور رہبر اور امین بنا کر بھیجا تھا، آپؐ اس وقت مبعوث ہوئے تھے، جب عرب، انسانی اخلاق سے معرّیٰ ہو چکے تھے، وہ بت پرستی اور شرک کو اپنا شعار بنا چکے تھے، وہ جوا کھیلتے تھے، خون ریزی اور قتل و غارت

"ممکن ہے وہ مزارِ فاطمہ پر ہوں، کیونکہ وہ اکثر وہاں جایا کرتے ہیں۔!"
یہ کہہ کر وہ نوجوان حجرۂ فاطمہ کی طرف بڑھا، اسماء اُس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی۔ وہاں پہنچ کر دیکھا، تو حضرت علی وہاں بھی نہ تھے۔

اب تو وہ نوجوان بھی پریشان ہو گیا، کہ کہاں ڈھونڈے! اُس نے اسماء سے کہا:۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ماجرا ہے!

ان کی عادت بن چکی تھی، حقوقِ انسانی پامال کرنا ان کا وطیرہ بن چکا تھا، لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی وہ ہلاک کر دیتے تھے، وہ جوا کھیلتے تھے، فواحش میں اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ نیکی کو بھول چکے تھے۔ اور برائیوں کے خوگر ہو گئے تھے، آپ نے اپنا پیغام ان تک پہنچایا اور اس پیام کو سنتے ہی ان کی کایا پلٹ گئی۔ ان کے عادات و خصائل میں تبدیلی ہو گئی، وہ بہت اچھے انسان بن گئے، ان کا کردار بلند ہو گیا، ان کے اخلاق میں اُلفت پیدا ہو گئی، وہ کھرے اور سچے انسان بن گئے، وہ اسلام کا پیام لے کر جہاں پہنچے کامیاب ہوئے انہوں نے صدق و صفا کی زندگی بسر کی، اور اس زندگی سے متاثر ہو کر جوق در جوق لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے، ان کی زندگی کا راہبر قرآن تھا یا آپؐ کی سنت ——— ! نہ وہ دنیا کے طالب تھے، نہ موت سے خائف، ان کا دل خدا کے ڈر سے کانپتا رہتا تھا ان کی آنکھیں خوف و خشیتِ الٰہی سے ہر وقت پرنم رہتی تھیں، وہ دنیا سے بیزار تھے، اور آخرت کے جویا۔

آپؐ کی زندگی صدق و صفا کی زندگی تھی، آپ کی خاکساری کا یہ عالم تھا کہ زمین پر بیٹھ کر نانِ جویں تناول فرما لیتے تھے۔ غلام آپؐ کے دسترخوان پر آپ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، نہ اونچ نیچ کا کوئی سوال تھا۔ نہ حسب نسب کا، جنگ و پیکار، اور قتال و جہاد اور معرکہ اگر در پیش ہوتا اور لوگوں پر دہشت اور سراسیمگی کی کیفیت طاری ہوتی تو آپؐ ان کا حوصلہ بڑھاتے، ان میں ولولہ پیدا کرتے، آپؐ اپنے عزیزوں، اور رشتہ داروں کو لڑنے اور صف میں سب سے آگے

رکھتے، غزوۂ بدر میں ایسا ہی ہوا تھا، اور عبیدہ بن حارث نے جامِ شہادت نوش کیا تھا، غزوۂ اُحد میں بھی یہی ہوا تھا، اور حضرت حمزہ نے شرفِ شہادت حاصل کیا تھا!

یارسول اللہؐ!

جب آپؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو ابوبکر کے ہاتھ پر لوگوں نے خلافت کی بیعت کرلی، اُن کے زمانہ میں ارتداد کا فتنہ اٹھا، اور انھوں نے نہایت تدبر اور جرأت سے کام لے کر اس فتنہ کا سر کچل دیا، یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ تھا، ابوبکر کے بعد عمر مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ عمر کے دَور میں اسلام کا قافلہ آگے بڑھا، اور بڑھتا ہی چلا گیا، وہ عرب سے نکلا، اور بہت جلد اس کا پرچم عراق، شام مصر اور فارس پر لہرانے لگا، اب خلافت کے منصب پر عثمان بن عفانؓ فائز ہیں، وہ نیک، سچے اور اچھے مسلمان ہیں وہ راضی بھی ہیں، لیکن عوام کی ایک بڑی جماعت ان کی خلافت سے نالاں ہے، وہ ان پر اقربا پروری اور خویش نوازی کا الزام عائد کرتی ہے۔ اس اختلاف نے خلافت اور خلیفہ کے رعب کو ختم کردیا ہے۔ لوگ خدمتوں اور عہدوں سے دست برداری کا مظاہرہ کررہے ہیں، فساد بڑھتا جا رہا ہے۔ فتنہ سر اٹھا رہا ہے، اور میں ڈر رہا ہوں کہیں آپؐ کی پیش گوئی پوری ہونے کا وقت نہ آگیا ہو! وقت بڑا نازک اور کٹھن ہے عثمان نے اپنی باگ، ایک بے تدبیر، جاہ طلب اور خود غرض شخص مروان کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ جو ہمیشہ فتنہ وفساد، اور ہنگامہ آرائی کا متلاشی رہتا ہے۔

وہ قبا میں ہے، اور اس کی حالت بہت نازک ہے۔

حضرت علیؓ:۔

چلو میں چلتا ہوں (محمد بن ابی بکر سے مخاطب ہو کر) تم بھی ہمارے ساتھ آؤ۔!

محمد بن ابی بکر:۔

مجھے تعمیلِ ارشاد میں کوئی عذر نہیں، لیکن حالات کے لحاظ سے آپ کا یہاں رہنا بہت ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اگر حکم ہو تو صرف میں چلا جاؤں، آپ یہیں تشریف رکھیں؟!

حضرت علیؓ:۔

بات تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن ایک عورت بسترِ مرگ پر دراز ہے، کوئی خاص بات کہنے کے لیے ہمیں بلا رہی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم کسی اور کو بھیج دیں، خود نہ جائیں، یہ کام وہ تو جاری ہیں اور اپنے وقت پر ہوتے رہیں گے۔!

یہ کہہ کر حضرت علیؓ باہر نکلے، ان کے پیچھے محمد بن ابی بکرؓ اور ان کے عقب میں اسمام؛!

ابھی ان لوگوں نے قبا کی طرف قدم نہیں بڑھایا تھا۔ کہ ایک آدمی دوڑتا ہوا ہانپتا ہوا آیا، اور اُس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا:۔

"مصر کے لوگ پھر واپس آگئے ہیں، اور آپ کے دروازے پر جمع ہیں۔!"

حضرت علیؓ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

یہ لوگ پھر آگئے! بڑے تعجب کی بات ہے، یہ تو مطمئن اور راضی ہو کر واپس چلے گئے تھے، پھر کیا بات ہوئی کہ پلٹ آئے! معلوم ہوتا ہے، یہ فتنہ و فساد پر تُل گئے ہیں، دیکھیے کیا ہوتا ہے! ــــــــــ خدا ہم سب پر رحم کرے!

محمد بن ابی بکر نے مصریوں کے رویہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا۔

یہ کہتے کہتے حضرت علیؓ پر رقّت طاری ہوگئی، اور وہ رونے لگے۔

اسماء اور وہ اجنبی نوجوان بہت متاثر ہوئے، یہ الفاظ سن کر اور انکی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے۔

ذرا دیر کے بعد، حضرت علی مرقدِ نبویؐ سے باہر نکلے، وہ اجنبی نوجوان آگے بڑھا، اس نے ادب سے سلام کیا، اور سر جھکا کر خاموش کھڑا ہوگیا، حضرت علیؓ نے اسے دیکھا، تو شفقت کے ساتھ سلام کا جواب دیا، اور محبّت بھرے لہجہ میں فرمایا۔

حضرت علیؓ:۔

ارے محمد تم ــــــــ؟ خیر تو ہے؟

محمد کا نام سن کر اسماء سمجھ گئی، یہ محمد بن ابی بکر ہیں؛ یعنی حضرت ابوبکر کے فرزند ارجمند، !

محمد بن ابی بکر نے اسماء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا،

"یہ نوجوان آپ سے ملنا چاہتا ہے!"

حضرت علی نے ایک نظر اسماء پر ڈالی، اتنے میں وہ بڑھ کر قریب آگئی، اور اس نے کہا۔

اسماء:۔

"یا حضرت، میری ماں پر عالمِ نزع طاری ہے، لیکن وہ مرنے سے پہلے آپ کا دیدار اور کچھ خاص باتیں آپ سے کرنا چاہتی ہے۔!"

حضرت علیؓ:۔

تمہاری ماں کہاں ہے؟

اسماء:۔

واقعی یہ لوگ سراپا فتنہ و فساد ہیں، مجھے بھی ان کی طرف سے سخت اندیشہ ہے۔ نہ جانے اب کیا گل کھلانے والے ہیں!

حضرت نے کوئی جواب نہ دیا، اور اپنے مکان کی طرف بڑھے، محمد اور اسماء بھی ساتھ چل رہے تھے۔ یہاں مصریوں کا بہت بڑا مجمع موجود تھا، حضرت کو آتا دیکھ کر ایک شخص اس مجمع میں سے آگے بڑھا، اور اس نے بگڑے ہوئے تیور کے ساتھ کہا۔

یا حضرت وہی ہوا جس کا ہمیں اندیشہ تھا۔

حضرت علی:۔

مجھے نہیں معلوم تمہیں کس بات کا اندیشہ تھا۔

نوجوان:۔

ہمارے ساتھ فریب کیا گیا، دھوکا دیا گیا ہمیں!

حضرت علی:۔

کیا بات ہوئی؟ صاف صاف کیوں نہیں کہتے!

نوجوان:۔

آپ صاف صاف سننا چاہتے ہیں، اور ہم مع ثبوت کے عرض کیے دیتے ہیں۔ لیجیے ملاحظہ کیجیے یہ خط!

یہ کہہ کر اس شخص نے ایک مکتوب حضرت علی کی طرف بڑھا دیا۔ آپ نے وہ خط ہاتھ میں لیا، کھول کر دیکھا، تو اس پر حضرت عثمان کی مہر ہے اور اس میں حاکم مصر کو خلیفہ (حضرت عثمان) کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ

"مصر کے جو لوگ، خلافت سے ناراض ہیں، اور اظہار ناراضمندی کے لیے مدینہ آئے ہیں، یہ جب مصر پہنچیں تو ان سب کو قرار واقعی سزا دی

جائے اور جنہیں ان فتنہ انگیز کا سرگردہ محسوس کرو، انہیں قتل کر دو"!
یہ خط پڑھ کر حضرت علی کو بڑی حیرت ہوئی، اس نوجوان نے کہا:۔

نوجوان:۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے! ہم سے صلح کی گئی، وعدے کیے گئے اصلاحِ احوال کا اقرار کیا گیا، امن کا پیام دے کر ہمیں مصر واپس جانے کی ہدایت کی گئی، اور ساتھ ہی ساتھ حاکمِ مصر کو کہہ دیا گیا کہ وہ گردن اڑا دے، کیا یہی انصاف ہے!

حضرت علیؓ:۔

بات کو زیادہ طول نہ دو، یہ بتاؤ، یہ خط تمہیں ملا کہاں سے۔؟ تمہارے ہاتھ کیسے آیا!

نوجوان:۔

ہم خلیفہ کے وعدے پر مطمئن ہو کر واپس جا رہے تھے راستہ میں ہمیں ایک سانڈنی سوار ملا، جو ہمیں دیکھ کر گھبرایا" اور اس نے سانڈنی کی رفتار تیز کر دی، ہمیں شک ہوا، تعاقب کر کے ہم نے اُسے پکڑ لیا، تلاشی لی، تو یہ محضر قتل برآمد ہوا

حضرت علی:۔

تعجب ہے، حیرت ہے، کیا ماجرا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

نوجوان:۔

دیکھ لیجیے، مہر حضرت عثمان کی ہے:۔

حضرت علیؓ:۔

ہاں بظاہر تو ان ہی کی معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ حکم انہوں نے دیا ہو، میں مان نہیں سکتا۔

محمد بن ابی بکر:۔

مریم:۔

محمد تم! ــــــــــ حضرت نے تمہیں بھیجا ہے!

محمد کو بڑی حیرت ہوئی کہ میں تو اس عورت کے نام و نشان تک سے ناواقف ہوں، اور یہ میرا نام تک جانتی ہے، لیکن یہ موقعہ پوچھ گچھ کا نہیں تھا، انہوں نے کہا۔

محمد بن ابی بکر:۔

جی ہاں میں ہوں، آپ مطمئن رہیے۔ وہ انشاء اللہ کل ضرور آئیں گے۔

مریم:۔

ہاں آئیں گے، لیکن جب تک میں مرچکی ہوں گی!

محمد:۔

اچھا ٹھہرئیے، میں واپس جاتا ہوں، اگر ذرا بھی ممکن ہوا، تو انہیں اپنے ساتھ لے کر آتا ہوں!

اسماء نے شکر گزار اور ممنون نگاہوں سے محمد کو دیکھا، اور وہ تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

٭٭٭٭٭٭٭

ضرورت سے مجبور ہو کر یہ لڑکی، مردانہ لباس پہن کر مدینہ گئی تھی، اس واقعہ سے اس کے دل میں اور زیادہ ہمدردی اس خاندان سے پیدا ہو گئی ... !

محمد بھی مریضہ کے قریب بیٹھ گیا۔
تھوڑی دیر میں مریم نے آنکھیں کھولیں، اور اسماء سے کہا:۔

مریم:۔
بیٹی اسماء

اسماء:۔
جی اماں

مریم:۔
مدینہ منورہ سے کوئی خبر آئی؟

اسماء:۔
جی ہاں، حضرت علی کو اطلاع کر دی گئی ہے، وہ آنے والے تھے، لیکن مدینہ کے بدلتے ہوئے اور خطرناک حالات کے باعث اس وقت نہ آسکے۔ انشاءاللہ کل آئیں گے۔!

مریم:۔
(مایوسی کے عالم میں) لیکن کل تک میں زندہ کب رہوں گی؟

اسماء:۔
یہ نہ کہیے، انشاءاللہ آپ ضرور زندہ رہیں گی، دیکھیے حضرت خود تشریف نہ لا سکے، لیکن انہیں آپ کے بلاوے سے اتنی ہمدردی ہو گئی تھی کہ انہوں نے اس نوجوان کو بھیجا ہے کہ نامناسب نہ ہو تو اس سے کہہ دیجیے۔ جو کچھ کہنا ہے
مریم نے نظریں اٹھا کر لڑکے کو دیکھا، اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

باب (۷)

نیا گھر نئی مصیبت

یزید گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا، اسے نہ اس کی خبر ہوئی کہ اسماء مدینہ ہو آئی، نہ اس کا پتہ چلا کہ محمد بن ابی بکر آئے اور چلے گئے، وہ بدستور خوابِ خرگوش میں مست تھا، عامر کے ہاں سے جو بڑی بی مریم کی تیمارداری کے لیے آئی تھیں۔ وہ البتہ اب تک بیٹھی ہوئی تھیں، لیکن اب کہ اسماء مدینہ سے واپس آ چکی تھی، وہ کیوں بیٹھتیں؟ چنانچہ دیر تک اخلاق اور نصیحت کی باتیں کر کے وہ بھی رخصت ہو گئیں۔ اب صرف اسماء تھی، جو مریم کی پیٹھ سے لگی بیٹھی تھی، مریم پر پھر غفلت کا عالم طاری ہو گیا تھا، اس کی حالت یہی تھی، کبھی ہوش آ جاتا، کبھی غفلت طاری ہو جاتی۔ اسماء ٹکٹکی باندھے، دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی کہ شاید محمد آ رہا ہو۔ شاید اس کے ساتھ علی مرتضٰی تشریف لا رہے ہوں، لیکن ہر مرتبہ اس کی نگاہ مایوس ہو کر لوٹ آتی تھی۔"

تھوڑی دیر کے بعد، مریم کی حالت اور زیادہ نازک ہوگئی، سانس تیز ہوگئی۔ دونوں نتھنے تیزی سے حرکت کرنے لگے، آنکھیں پتھرانے لگیں۔ بیچاری اسماء نے کاہے کو کبھی اس طرح کے مناظر دیکھے ہوں گے! وہ گھبرا گئی۔ اس پر خوف اور دہشت کی کیفیت طاری ہوگئی، اسے یقین ہوگیا کہ یہ سفرِ آخرت کی تیاریاں ہیں۔ مریم اب اس دنیا سے رخصت ہورہی ہے۔ ہمیشہ کے لیے۔

چند لمحات کے بعد، مریم کی آنکھیں پلٹ گئیں۔ اس کے چہرے کا رُخ بدل گیا، سانس کی آمد و رفت بند ہوگئی، اسماء نے نبض پر ہاتھ رکھا، تو اس کا کہیں پتہ نہ تھا ـــــــــ مریم کی روح پرواز کر چکی تھی، وہ مر چکی تھی ـــ!

اسماء پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا! وہ اس دنیا میں بے سہارا اور بے یار و مددگار رہ گئی، اس کا سب سے بڑا سہارا چھن گیا، وہ بہت بڑی نعمت سے محروم ہوگئی۔ دنیا اس کی آنکھوں میں تیرہ و تار ہوگئی، وہ پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز سن کر عامر کے گھرانے کی اور آس پاس کی عورتیں جمع ہوگئیں، انہوں نے اسماء کو تسلی تشفی دینی شروع کی۔

رونے دھونے کی آواز سُن کر یزید کی آنکھ کھل گئی، وہ آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ بیٹھا، وہ سمجھ گیا۔ مریم اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئی، دل میں تو بہت خوش ہوا، جیسے بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا، لیکن ظاہرداری کے طور پر دوڑا دوڑا آیا۔ اور بجائے اسماء کو دلاسا دینے کے خود بھی چیخ چیخ کر رونے لگا۔ خیمہ پر سوگواری کیفیت طاری تھی، اور اسماء پر بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔

یکایک شور بلند ہوا کہ علی مرتضیٰ تشریف لا رہے ہیں، آپ خیمہ میں تشریف لائے۔ اسماء کے سر پر دستِ شفقت رکھا، اور اُسے دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا،

"بیٹی صبر کر، دنیا میں جو آیا ہے، اُسے ایک نہ ایک دن ضرور یہاں سے رخصت

ہوتا ہے، رونے دھونے سے کیا حاصل! ہمت اور حوصلہ سے کام لو؛ اور میرے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو بتا دو، میں اُسے انجام دینے کے لیے آمادہ ہوں!

پھر علیؓ مرتضیٰ خیمہ سے باہر تشریف لائے، انہوں نے محمد سے کہا۔

"تم میت کی تکفین اور تدفین کا انتظام کرو، جس چیز کی ضرورت ہو وہ فوراً مہیا کر دو، میت کے دفن کرنے کے بعد ان لوگوں سے پوچھو، اگر میرے مہمان بننا چاہیں، تو میں بڑی خوشی سے انہیں اپنا مہمان بنانے پر آمادہ ہوں، میرے گھر پر لے آؤ"!

پھر آپ یزید کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

اس حادثۂ المیہ پر میری دلی تعزیت قبول کرو، خدا کی مرضی ایسی ہی تھی، اور انسان مشیت کے سامنے مجبورِ محض ہے ——— میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں۔ تم مع اپنی بیٹی کے شوق سے وہاں آ جاؤ۔ انشاء اللہ کسی طرح کی تکلیف نہیں ہونے پائے گی؟

یزید نے علی مرتضیٰ سے آنکھیں نہیں چار کیں، زمین کی طرف دیکھتا رہا۔ اور کہا:۔

آپ کی اس بندہ نوازی کا بہت ممنون ہوں!

یزید کے طرزِ عمل سے علی مرتضیٰ نے اندازہ لگایا کہ یہ شخص خطرناک قسم کا معلوم ہوتا ہے، پھر آپ تشریف لے گئے۔

حضرت علیؓ کے چلے جانے کے بعد محمد نے خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ، مریم کے کفن دفن کا انتظام کیا، اس کی آنکھوں نے کئی مرتبہ یزید کو تلاش کیا، لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا، جب تدفین کے مراسم انجام پا گئے تو وہ محمد کو دکھائی دیا؛ محمد نے کہا:۔

"جو کچھ ہونا تھا ہو چکا! ہم آپ کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔!"

یزید:۔
آپ نے اور علی مرتضیٰ نے جس طرح ہم لوگوں کی پذیرائی کی ہے اس کا نقش جیتے جی نہیں مٹ سکتا۔

محمد بن ابی بکر:۔
یہ ہمارا فرض تھا، اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں، آپ یہ بتایئے کہ آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟

یزید:۔
کس قسم کا فیصلہ؟ آپ کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں؟"

محمد بن ابی بکر:۔
ظاہر ہے یہاں تو آپ قیام کریں گے نہیں!

یزید:۔
جی ہاں اس کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا،

محمد بن ابی بکر:۔
تو پھر چلیے ہمارے ہاں ٹھہریے چل کر!

یزید:۔
اس عزت افزائی اور گرم گستری کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں؟ بات یہ ہے کہ مدینہ میں میرے بہت سے قریبی عزیز اور رشتہ دار ہیں، اگر وہاں قیام نہ کیا، تو جائز طور پر انہیں شکایت ہوگی۔ لہٰذا قیام کے سلسلہ میں آپ کو یا علی مرتضیٰ کو کوئی زحمت دینا نہیں چاہتا!

محمد نے یزید کی اس گفتگو کے بعد، وہاں ٹھہرنا نامناسب سمجھا، چنانچہ

یہ کہہ کر مروان دوسری طرف ہٹ گیا، یزید بڑھ کر سامنے آیا، اور اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا:۔

آؤ بیٹی آؤ، اندر چلو یہاں کب تک کھڑی رہو گی .... ؟

اسماءؒ یزید کے ساتھ ساتھ کھڑکی کی طرف چلی، راستہ میں اس نے پوچھا۔

اسماء:۔

آپ مجھے کہاں لائے ہیں!

یزید:۔

یہ کوئی غیر لوگ نہیں ہیں، اپنے ہی آدمی ہیں یوں سمجھو اپنے گھر میں!

اسماء:۔

لیکن یہ کون لوگ ہیں میرے لیے تو ان میں سے ہر شخص نیا اور اجنبی ہے، میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتی۔

یزید:۔

ہاں یہاں تم پہلے پہل آئی ہو، ورنہ یہ سب اپنے لوگ ہیں، آلِ محترم، ہمارے خاص آدمی ہیں، یہ گھر ان ہی کا ہے، ہم ان ہی کے ہاں ٹھہرے ہیں۔

اسماء نے مزید گفتگو مناسب نہ سمجھی، وہ چپ چاپ اندر چلی گئی،

اندر پہنچی، تو کئی عورتیں اس کے استقبال کے لیے چشم براہ ملیں، اُسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف لپکیں، پہلے اسے گھیرے میں لے لیا پھر اس سے لپٹ کر چیخ چیخ کر بین اور بکا کرنے لگیں۔ ان عورتوں کی اس روش سے اسماء گھبرا گئی، لیکن کیا کر سکتی تھی، ان کا رونا دیکھ کر اس کا غم پھر تازہ ہو گیا۔ آنکھوں کے سامنے ماں کی تصویر پھرنے لگی اور وہ بھی اشک فشانی پر مجبور ہو گئی، اسے اپنی مرحومہ ماں کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی، اور ہر بات جو یاد آ رہی تھی، تیر و نشتر کا کام کر رہی تھی .... !

وہاں سے رخصت ہو کر مدینہ کی طرف چل دیا۔ اور راستہ بھر یہ سوچتا رہا کہ یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟ وہ عورت کون تھی، جس نے صورت دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا۔ لیکن میں اس سے بالکل ناواقف رہا، یہ لڑکی کون ہے؟ ۔ ضرور ان لوگوں کی آمد میں کوئی راز ہے؟ اور ہاں، وہ عورت جو مر گئی، کسی راز کا بھی تو جناب علی پر افشا کرنا چاہتی تھی، لیکن قبل اس کے کہ حضرت تشریف لائیں، اس کا انتقال ہو گیا، اور اس کے ساتھ اس کا راز بھی قبر میں دفن ہو گیا، لیکن وہ راز کیا تھا؟ کس راز کا انکشاف کرنا چاہتی تھی وہ؟

محمد کے جانے کے بعد، یزید، اسماء کو لے کر مدینہ پہنچا، یہاں آ کر اس نے دیکھا کہ مدینہ منورہ کی گلیاں، اور کوچے، مصریوں سے، اہلِ کوفہ وبصرہ سے پٹے پڑے ہیں۔ لیکن اس کے آثار وعلائم فضا میں موجود ہیں، یہ لوگ اس وقت خاموش ہیں، لیکن ان کے چہروں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ کوئی غیر متوقع بات ان سے صادر ہونے والی ہے؟

یہ مناظر دیکھتا ہوا، وہ آلِ محترم کے مکانات کے قریب پہنچا، یہاں ایک مکان کے سامنے اس نے سواری روک دی، اور اسماء کو اُتارا، اور اس سے کہا، "اندر جاؤ" اسماء جب سواری سے اُتری تو اُس نے دیکھا کہ دروازے پر مروان کھڑا ہے اسے دیکھ کر وہ جل ہی تو گئی، لیکن کچھ نہ بولی، مروان آگے بڑھا، اور اس نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا۔

مروان :۔

مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ کو ماں کی جدائی کا غم برداشت کرنا پڑا، لیکن خدا کی مشیّت میں کیا چارہ ہے، آپ اندر تشریف لے جائیے۔ انشاء اللہ آپ کی راحت اور آسائش کا یہاں پورا پورا لحاظ کیا جائے گا،

دل گیر تھیں، لیکن مروان کو دیکھ کر وہ تپاک و اخلاق سے پیش آئیں، اور تھوڑی دیر کے لیے انہوں نے اپنے غم اور فکر کو فراموش کر دیا، اور وہ اس سے باتیں کرنے لگیں!

نائلہ :-

مدینہ کی حالت تو روز بروز ابتر اور خطرناک ہوتی جا رہی ہے۔

مروان :-

جی ہاں، حالات تو واقعی تکلیف دہ ہیں۔

نائلہ :-

میں کہتی ہوں، ان حالات کا انجام کیا ہوگا؟

مروان :-

انجام کیا ہوگا؟

نائلہ :-

ہاں میں یہی پوچھ رہی ہوں،

مروان :-

کیا آپ انجام سے خائف اور پریشان ہیں؟

نائلہ :-

یقیناً میں اپنے خوف اور پریشان سے انکار نہیں کر سکتی؛

مروان :-

(مسکرا کر) ذرا بھی خوف نہ کیجیے، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔

نائلہ :-

صرف تمہارے کہہ دینے سے میں مطمئن ہو جاؤں!

باب (۸)

نائلہ

اسماء سے رخصت ہو کر مروان سیدھا حضرت عثمانؓ کے درِ اقدس پر پہنچا اور حضرت کی اہلیہ نائلہ بنت الفراصہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس نے نائلہ کا اعتماد اپنی خدمت اور خوشامد سے حاصل کر لیا تھا، اس کا خیال تھا، اسماء اگر کسی طرح قابو میں آ سکتی ہے تو صرف اس طرح کہ کوئی ایسی شخصیت بیچ میں پڑے، جس کی بات وہ رد نہ کر سکے۔ خوب اچھی طرح غور کرنے کے بعد، وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر نائلہ اس کی سفارش اسماء سے کر دیں گی، تو کام بن جائے گا۔ اور اسماء پھر مخالفت اور نفرت پر قائم نہ رہ سکے گی، یہی سوچ کر، وہ حریم خلافت میں پہنچا، اور سیدھا نائلہ کی جناب میں پہنچ گیا:

نائلہ، اس وقت خود بہت پریشان تھیں، مدینہ میں جو ہنگامے ہو رہے تھے اور جو ایک مستقل شورش کا سبب بنتے جا رہے تھے، ان سے وہ بہت مغموم اور

مروان :-

آپ کو میری بات کا اعتبار کرنا چاہیئے، میں آپ کا، امیرالمومنین کا، اور ان کے خاندان کا صرف خادم ہی نہیں ہوں، جاں نثار بھی ہوں،

نائلہ :-

لیکن اس فتنہ کو رفع کرنے، اور ہنگامہ کو ٹالنے کے لیے تم کیا کر رہے ہو؟ ———— کچھ نہیں۔!

مروان :-

جی نہیں، یہ نہ فرمایئے، میں بہت کچھ کر رہا ہوں، اور بہت جلد آپ اس کے خوشگوار نتائج دیکھ لیں گی؛

نائلہ

لیکن تم جو کچھ کر رہے ہو اس کی نوعیت اور تفصیل بھی تو ہمیں معلوم ہونی چاہیئے۔

مروان :-

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے یہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے، ان کی شورش، ان کی ہنگامہ آرائی، ان کی شرارتیں بالکل بے نتیجہ رہیں گی، ہم ان کا سر کچل دیں گے۔!

نائلہ :-

کاش ایسا ہو،

مروان :-

انشاء اللہ ضرور ایسا ہی ہوگا"!

نائلہ :-

سچ کہتی ہوں، ان آئے دن کے فسادات اور ہنگاموں نے میرا سکون چھین لیا ہے ———!

مروان :-

پھر وہی، میں کہہ رہا ہوں آپ فکر نہ کیجیے، میں نے پورا، اور مکمل بندوبست کر لیا ہے، بہت جلد ان شورش پسندوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا جائے گا!

نائلہ :-

آخر کس طـــرح ؟

مروان :-

امیر معاویہ، ابنِ عامر، اور دوسرے تمام سرداروں کے نام احکام صادر کر دیے گئے ہیں کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لے کر فوراً واردِ مدینہ ہوں، ان کے آتے ہی یہ شورش پسند، سر پر پاؤں رکھ کر بھاگیں گے، یہ اس طرح بھاگیں گے کہ انہیں کہیں پناہ نہ ملے گی، زمین سخت ہو جائے گی، اور آسمان دور رہا

نائلہ :-

یہ بھی اچھی کہی !

مروان :-

کیوں کیا آپ کو شبہ ہے کچھ !

نائلہ :-

میں کہتی ہوں، جب تک تمہاری بلوائی ہوئی فوجیں یہاں آئیں گی، اس وقت تک نہ جانے کیا کچھ ہو چکا ہوگا!

مروان :-

کچھ نہیں ہوگا، آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں :

نائلہ :-

بہرحال تمہیں اس ہنگامہ کو روکنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ اس لئے

کہ یہ آگ دراصل تمہاری لگائی ہوئی ہے ۔

مروان :۔

(گھبرا کر) یعنی آپ مجھے بھی شورش پسند سمجھتی ہیں! یہ صلہ ہے میری خدمات کا!

نائلہ :۔

تمہاری خدمات تو ہمارے سامنے نہیں ہیں، ہاں تمہاری بھڑکائی ہوئی آگ ہمارے سامنے ہے ۔ جس نے نہ صرف مدینہ کے امن کو، نہ صرف عالمِ اسلام کے اطمینان کو، بلکہ امیرالمومنین کے سکونِ خاطر کو بھی درہم برہم کر رکھا ہے!

مروان :۔

میرے متعلق آپ کا یہ خیال ہے ؟

نائلہ :۔

ہاں ______ اور غلط نہیں، صحیح خیال ہے ۔!

مروان :۔

میں آپ کو جھٹلا نہیں سکتا، لیکن مجھے اس کا افسوس ضرور ہے کہ آپ میرے بارے میں یہ رائے رکھتی ہیں ۔

نائلہ :۔

اگر تم امیرالمومنین کو نہایت دل سوزی کے ساتھ غلط مشورے نہ دیتے، تو حالات اتنے ابتر نہ ہوتے، جتنے آج نظر آرہے ہیں ،!

مروان :۔

فرض کیجیے، یہ سب کچھ میری ہی حرکتوں کا نتیجہ ہے تو . . ." میں اس زہر کا تریاق بھی رکھتا ہوں "

نائلہ :-

یعنی وہی فوجیں!

مروان :-

جی ــــــــ آپ دیکھ لیں گی، امروز فردا میں ہماری فوجی کمک آتی ہوگی اور پھر ان میں سے ایک ایک کو وہ مزا چکھاؤں گا کہ زندگی بھر یاد رہے گا!

نائلہ :-

تم بہت پرامید نظر آ رہے ہو!

مروان :-

جی ہاں ــــــــ بہت ٹھوس بنیادوں پر میں نے امید قائم کی ہے۔

نائلہ :-

خدا تمہاری امید پوری کرے ــــــــ!

مروان :-

اس وقت میں ایک ذاتی غرض سے حاضرِ خدمت ہوا ہوں!

نائلہ :-

تمہاری کوئی غرض مجھ سے بھی پوری ہو سکتی ہے؟

مروان :-

وہ صرف آپ ہی سے پوری ہو سکتی ہے!

نائلہ :-

تو کہو ــــــــ اگر تمہارا کوئی کام بنا سکتی ہوں، تو یقین رکھو، مجھے اس کے انجام دینے میں کوئی تامل نہ ہوگا!

مروان :-

وعدہ کیجیے۔ آپ میرا کام کردیں گی!

نائلہ :۔

وقت نہ ضائع کرو، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو۔

مروان :۔

میں ایک عرب دوشیزہ سے محبت کرتا ہوں، جائز، پاک، اور صالح محبت!

نائلہ :۔

تو ________ ؟ پھر میں کیا کروں؟ میں کیا کرسکتی ہوں؟

مروان :۔

لیکن وہ مجھے پسند نہیں کرتی!

نائلہ :۔

پھر تم اس سے محبت کیوں کرتے ہو؟

مروان :۔

اس لیے کہ مجبور ہوں، محبت کی نہیں جاتی، ہوجاتی ہے، سو وہ ہوگئی۔

نائلہ :۔

کون ہے وہ لڑکی؟ اس کا نام ونشان بھی تو بتاؤ،

مروان :۔

اس کا نام اسماء ہے۔

نائلہ :۔

وہ کس کی بیٹی ہے؟

مروان :۔

یزید کی۔!

نائلہ :-

یزید کو تم نے پیام دیا ؛

مروان :-

ہاں ! میں نے دمشق میں پیام دیا تھا، اور یزید نے منظور بھی کر لیا تھا ؛

نائلہ :-

پھر ——————— ؟

مروان :-

مگر اسماء نے اس رشتہ کو پسند نہیں کیا ؛

نائلہ :-

اس کی وجہ ؟

مروان :-

بات یہ ہے کہ اسماء کی ماں مریم نہایت خراب عورت تھی، وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی، اس نے ، اسماء کے معصوم دل میں میرے خلاف جذبہ پیدا کیا۔

نائلہ :-

کیا مریم بھی یزید کے ساتھ یہاں آئی ہے ؛

مروان :-

جی نہیں ! ——— وہ آ رہی تھی، لیکن راستہ ہی میں اس کا انتقال ہو گیا اس طرح راستے کا سب سے بڑا پتھر قدرت نے خود ہٹا دیا ہے، اب اگر آپ جیسی با اثر اور باعظمت شخصیت میرے بارے میں کلماتِ خیر اسماء سے کہہ دے تو اس کا دل صاف ہو جائے گا۔ اور وہ اس رشتہ پر خوشی سے رضامند ہو جائے گی۔

نائلہ :۔

یہ لوگ کہاں ٹھہرے ہیں ——— ؟

مروان :۔

آلِ محترم کے ہاں !

نائلہ :۔

لیکن میں اپنی پریشانیوں میں ایسی الجھی ہوئی ہوں کہ وہاں نہیں جاسکتی !

مروان :۔

آپ خدا کے لیے اپنی پریشانیوں کا ذکر نہ کیجیے۔ جب تک مروان زندہ ہے آپ کو یا امیرالمومنین کو ذرا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کا ہر دکھ میں جھیل لوں گا، دشمنوں کا مقابلہ میں کروں گا! اور انہیں ناکوں چنے چبوا دوں گا، فتنہ انگیزوں اور فسادیوں کا میرے پاس علاج ہے، میں ان کا سر کچل دوں گا'!

نائلہ :۔

صرف الفاظ کی حد تک ——— ؟

مروان :۔

انشاء اللہ عمل کا وقت بھی جلد آئے گا، اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گی، آپ کا یہ غلام کیا کرتا ہے ——— لیکن میرا یہ معمولی سا کام آپ کو ضرور کرنا پڑے گا! دیکھیے آپ وعدہ کر چکی ہیں، ایسا نہ ہو میرا دل ٹوٹ جائے! میں صرف آپ کا اور امیرالمومنین کا خادم، جاں نثار، اور فدائی ہی نہیں ہوں' عزیز قریب بھی ہوں، رشتہ دار بھی ہوں، میرا آپ پر حق ہے، اور میں اپنا یہ حق آپ سے لے کر رہوں گا'!

نائلہ :۔

تو کیا اسماء یہاں آئے گی۔؟

مروان :۔

جی ہاں ضرور آئے گی، میں نے یزید سے تاکید کر دی ہے کہ وہ اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو، وہ ضرور آئے گا۔

نائلہ :۔

میری طرف سے اطمینان رکھو، میں انشاءاللہ اسماء کو ٹٹولتے اور اس کے دل میں تمہاری جگہ پیدا کرنے کی کوشش کروں گی:

مروان :۔

مجھے یقین ہے۔ آپ کے چند الفاظ میرا مقدر بدل دیں گے!

نائلہ سے گفتگو کر کے مروان سیدھا یزید کے پاس پہنچا، اور اس سے کہا، میں نے نائلہ سے گفتگو کر لی ہے، تم اسماء کو لے کر وہاں پہنچو، اور یاد رکھو، تمہاری سربلندی بھی میری اس کامرانی سے وابستہ ہے۔!

باب (۹)

نائلہ کا گھر

یزیدؔ مروان سے، اپنی سربلندی اور مستقبل کے لیئے بہت سی امیدیں لگائے بیٹھا تھا، اور اب تو مروان نے صاف اور واضح الفاظ میں اسے بتا دیا تھا کہ اسماء کی شادی ہی پر دونوں کی کامیابیاں منحصر ہیں؛

یزید نے اس دن تو اسماء سے کچھ بات چیت نہیں کی۔ دوسرے دن وہ صبح صبح، اسماء کے پاس پہنچا، وہ ماں کے غم میں ملول و مغموم مضمحل اور فسردہ بیٹھی تھی، یزید نے خلافِ معمول بہت زیادہ شفقت اور محبت کا اظہار کیا، اس کے پاس بیٹھ گیا، اور سراپا مہر و محبت بن کر اس سے کہنے لگا۔

یزید:۔
بیٹی کب تک تم یوں پیکرِ غم والم بنی رہو گی؟ آدمی بنو، خوش رہو، خوشی کی زندگی بسر کرو،

اسماء:-
اباجان بہت کوشش کرتی ہوں دل بہلانے کی، غم بھولنے کی، لیکن ہر وقت اماں کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی ہے۔

یزید:-
ضرور ایسا ہوتا ہوگا، یوں تو ہر ماں اپنی اولاد سے بے حد محبت کرتی ہے۔ لیکن مریم کا حال سب سے الگ تھا، اسے تم سے غیر معمولی محبت تھی، وہ دنیا میں سب سے زیادہ تمہیں چاہتی تھی، لیکن بیٹی کسی کے ماں باپ ہمیشہ بیٹھے نہیں رہتے۔

آج تم مریم کا ماتم کر رہی ہو، اس کا سوگ منا رہی ہو کل ہمارے لیے تمہیں یہ سب کرنا پڑے گا۔

اسماء:-
خدا نہ کرے، آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں، آپ کی صحت تو بہت اچھی ہے۔

یزید:-
نہیں بیٹا، مریم کا غم اس صحت کو گھن کی طرح چاٹ لے گا۔ اس کے بعد زندگی زندگی نہیں رہی۔

اسماء:-
وہ ایسی ہی تھیں، جس نے انہیں ایک دفعہ دیکھ لیا، جو ان سے ایک دفعہ مل لیا، وہ ان کا ہو گیا، وہ ان کا کلمہ پڑھنے لگا۔

یزید:-
ہاں وہ بڑی نیک بی بی تھیں، خدا اُن کی مغفرت کرے ــــــ لیکن

"تم کیسے آئے؟"

وہ بولا:۔

ہماری مالکہ نے کہلایا ہے کہ اسماء کو ہمارے پاس بھیج دیجیے، ان سے ہمارا ملنے کو جی چاہتا ہے۔

یزید:۔

سنا بیٹی! دیکھا تم نے نائلہ کے حسن اخلاق کو، ان کا خود جی چاہ رہا ہے تم سے ملنے کو، دیکھو تمہیں لینے کے لیے اپنے غلام ابوالجراح کو بھیج دیا، اب نہ جانا بداخلاقی ہے۔ تمہیں فوراً جانا چاہیے۔

اسماء:۔

بہت بہتر ______ ابھی چلی جاتی ہوں، واقعی اگر اس وقت نہ گئی، تو وہ بُرا مان جائیں گی ______!

یزید:۔

ہاں اور کیا ______ بس تو جاؤ بیٹی، شاباش!

اسماءؔ ابوالجراح کے ساتھ نائلہ کے ہاں پہنچی، وہ بڑے تپاک اور اخلاق کے ساتھ پیش آئیں، بڑی دیر تک دل دہی اور دلجوئی کی باتیں کرتی رہیں، پھر انہوں نے فرمایا۔

نائلہ:۔

بیٹی، میں تمہارے دکھ اور رنج میں برابر کی شریک ہوں، تمہاری ماں کی ناوقت وفات کا مجھے بڑا صدمہ ہے، لیکن خدا کی مرضی، بہرحال پوری ہی ہو کر رہتی ہے سوا صبر اور شکر کے کوئی چارہ نہیں، صبر کرو، ضبط سے کام لو، میں دیکھتی ہوں اس غم نے تم پر بہت گہرا اثر کیا ہے۔

تم بھی یہ سوچ لو کہ خدا کی مشیّت میں بندہ دخل نہیں دے سکتا۔

خدا کی مرضی یہ تھی کہ وہ جنت میں پہنچ جائے، وہ پہنچ گئی، تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ اس کے اعمال صالح اس کے شفیع بنیں گے، وہ جنتی ہو گئی تھی جنت میں گئی ــــــ! اور ہاں بیٹی، یہاں تنہا بیٹھے بیٹھے تمہاری طبیعت تو بہت گھبراتی ہوگی؟

اسماء:۔

بہت زیادہ، کسی طرح جی نہیں لگتا، کیا کروں؟

یزید:۔

میں بتاؤں، تم جاکر نائلہ سے مل آؤ، وہاں تمہارا جی بہل جائے گا۔

اسماء:۔

نہیں، میرا جی کہیں نہیں بہل سکتا، میں نہیں جاؤں گی، مجھے میرے حال پر رہنے دیں۔

یزید:۔

بیٹی ضد نہیں کرتے نا سمجھی کی باتیں مت کرو، یہاں بیٹھے بیٹھے تمہارا جی اور زیادہ گھبرائے گا؟

اسماء:۔

اچھا ہوآؤں گی کسی دن، آج تو مجھے معاف کیجیے۔

یزید:۔

اچھا جیسی تمہاری مرضی، کل چلی جانا، کسی وقت!

اتنے میں نائلہ کا غلام ابوالجراح آگیا۔ یزید نے اُس سے پوچھا۔

اسماء :-

(بچشم پرنم) آپ صحیح فرماتی ہیں، واقعی یہ غم میری جان کا گاہک بن گیا ہے لیکن کیا کروں مجبور ہوں، آپ نے میری ماں کو نہیں دیکھا، وہ ہر اعتبار سے بڑی اچھی خاتون تھیں، اور ماں کی حیثیت سے ان کا جو مقام تھا، اس کا تو جواب ہی نہیں تھا !

نائلہ :-

سچ کہتی ہو لیکن بیٹی اس غم میں اگر رو رو کر اپنی جان ہلکان کروگی اس سے فائدہ کیا ہوگا ؟

اسماء :-

کچھ نہیں صبر کرنا چاہتی ہوں پھر بھی صبر نہیں کرپاتی، ان کا ذکر سنتے ہی کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، جی چاہتا ہے پھوٹ پھوٹ کر روؤں، اور روتی ہی رہوں

نائلہ :-

(بات کا پہلو بدلتے ہوئے) بیٹی ایک بات پوچھوں بُرا تو نہ مانوگی ....؟

اسما :-

آپ کی بات کا بھلا بُرا مانا جاسکتا ہے ؟

نائلہ :-

تم یزید کی بیٹی ہو ؟

اسما :-

جی ہاں، وہ میرے اباجان ہیں ۔

نائلہ :-

مگر تمہاری صورت نہیں ملتی اس سے ! تم میں اور یزید میں زمین آسمان کا

فرق ہے، وہ ایک ذرۂ ناچیز ہے، تم مہرِ عالمتاب ہو!

اسماء:-

آپ کا اندازہ صحیح ہے، وہ میرے سگے باپ نہیں ہیں۔

نائلہ:-

وہی تو میں کہتی تھی ـــــــ اچھا یہ بات ہے!

اسماء:-

جی ـــــــ

اتنے میں ایک ملازمہ آئی اور اس نے کہا:-

"کھانا تیار ہے!"

نائلہ نے حکم دیا:-

"دسترخوان بچھایا جائے!"

فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی اور دسترخوان بچھا دیا گیا، اسماء کا اگرچہ اس وقت جی نہیں چاہ رہا تھا، لیکن نائلہ کے اصرار سے مجبور ہو کر دسترخوان پر جا بیٹھی، اور چند لقمے اُسے کھانے ہی پڑے۔

کھانے کے بعد پھر دونوں میں بات چیت شروع ہو گئی، جب شام ہونے لگی، تو اسماء نے اجازت چاہی، اور پھر کسی دن آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گئی، اس کے جانے کے بعد، مروان آیا، اس نے نائلہ سے پوچھا:-

مروان:-

کہیے، آپ نے اسماء کو ہموار کر لیا شادی کے لیے!

نائلہ:-

کیسی ناسمجھی کی باتیں کرتے ہو!

مروان :-

کیوں کیا غلطی سرزد ہوئی مجھ سے ؟

نائلہ :-

بھلا ایک غمزدہ لڑکی کو اس طرح شادی کا پیام دیا جاسکتا ہے۔ اس کی حالت تو یہ ہے کہ ماں کے غم میں گھلی جارہی ہے، بات پیچھے کرتی ہے روتی پہلے ہے اس حالت میں اس طرح کی بات چیت کرنا اس کے لیے زخم پر تیزاب چھڑکنا ہے

مروان :-

(مایوسی کے ساتھ) تو آپ بھی بے بس ہیں؟ آپ بھی کچھ نہیں کر سکتیں؟

نائلہ :-

خدا کے بندے سب کچھ ہو جائے گا۔ لیکن ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمائی جاتی وہ ضرور راہ پر آجائے گی، لیکن تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔

مروان :-

آپ کو اگر میری حالت کا اندازہ ہوتا تو آپ مجھے یہ مشورہ نہ دیتیں۔ میری وکیل بن کر اسے ہموار کرنے کی کوشش کرتیں!

نائلہ :-

کروں گی یہ کوشش، لیکن اُس وقت جب اس کی حالت ذرا سنبھل جائے گی، میں تمہاری ہمدرد ہوں، لیکن اس معصوم لڑکی پر ظلم نہیں کر سکتی! ________ تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ زیادہ نہیں تھوڑا سا۔

مروان :-

آخر کب تک؟ کب ختم ہوگا یہ انتظار؟

نائکہ :-

کہہ تو دیا، تھوڑے دن صبر کرو ______________ آج وہ آئی تھی، کل میں جاؤنگی۔ اس کے پاس، اس طرح ذرا اس سے رابطہ پیدا کروں پھر حرفِ مطلب زبان پر لاؤں گی، اگر فوراً یہ بات چھیڑ دی تو نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

باب (۱۰)

اسماءاور نائلہ

اس گفتگو کے دوسرے دن نائلہ، صبح صبح اسماکی قیام گاہ پر پہنچیں وہ ابھی سو رہی تھی، اس کا گریبان کھلا ہوا تھا، پیشانی پر پسینے کے قطرے موتی کی طرح چمک رہے تھے۔ نائلہ نے اسے غور سے دیکھا، اور محسوس کیا، واقعی یہ عورت دستِ قدرت کی بنائی ہوئی ہے، تچھب، وضع قطع، متناسب اعضا، جامہ زیبی، ہر چیز ختم ہے اس نوعمر، اور نوجوان لڑکی پر۔

نائلہ، اسماء کے جمالِ بے مثال کا نظارہ کر رہی تھیں کہ یکایک ان کی نظر اسماء کی کلائیوں پر پڑی، سوتے میں آستین اُوپر چڑھ گئی تھیں اور کلائیاں صاف نظر آ رہی تھیں، ان کلائیوں پر صلیب کا نشان دیکھ کر نائلہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ گلے پر نظر گئی، تو وہاں ایک تعویذ دکھائی دیا۔ ایسا تعویذ جو عیسائیوں کے لیے مخصوص ہے، نائلہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے، یہ لڑکی مسلمان ہے، اس کی ماں مسلمان، باپ مسلمان

خاندان مسلمان، لیکن علامتیں اور نشانیاں ساری عیسائیوں کی، ضرور کوئی راز وابستہ ہے۔ اس لڑکی کے ساتھ۔

نائلہ یہی سوچ رہی تھیں کہ اسماء کی آنکھ کھل گئی، اور وہ جلدی سے کھڑ بھڑا کر اٹھ بیٹھی، اور پوچھا:۔

اسماء:۔

ارے ——— آپ کب تشریف لائیں؟

نائلہ:۔

تھوڑی دیر ہوئی ہے، بس یوں سمجھو میں آئی، اور تم خواب راحت سے بیدار ہو گئیں۔

اسماء:۔

تو آپ نے مجھے بیدار کیوں نہیں کر لیا!

نائلہ:۔

کیا ضرورت تھی؟

اسماء:۔

واہ، خواہ مخواہ زحمت گوار کی آپ نے اگر میری آنکھ بڑی دیر تک نہ کھلتی تو آپ واپس چلی جاتیں؟!

نائلہ:۔

ہاں بیٹی، چلی ہی جاتی، ——— لیکن پھر آتی، تم میں اتنی کشش اور جاذبیت محسوس کرتی ہوں کہ بن آئے نہ بنتا، آنا پڑتا، مجھے تمہارے پاس!

اسماء:۔

(مسکرا کر) جتنی اچھی اور خوبصورت آپ ہیں، ایسی ہی اچھی اور خوبصورت

آپ کی باتیں ہوتی ہیں!

نائلہ :-

یہ لو، مجھے بنانے لگیں۔

اسماء :-

آپ نہ صرف میری بلکہ ہم میں سے بہنوں کی بڑی اور بزرگ ہیں۔ ایسا خیال بھی نہ دل میں لائیے، کس کی مجال ہے کہ آپ کے ساتھ ایسی ناروا جرأت کا مظاہرہ کرے

نائلہ :-

اچھا ان باتوں کو چھوڑو، یہ بتاؤ، تم مسلمان ہو نہ؟

اسماء :-

(حیرت سے) تو کیا آپ کو میرے اسلام میں شک ہے کچھ؟-

نائلہ :-

نہیں تو یوں ہی ایک بات پوچھ لی!

اسماء :-

الحمد للہ کہ میں مسلمان ہوں، اور مجھے اپنے اسلام پر فخر ہے۔

نائلہ :-

لیکن پھر یہ تمہاری کلائیوں پر نشان کیسا ہے؟ یہ گلے میں تعویذ کس طرح کا ہے؟ یہ دونوں چیزیں تو صرف عیسائیوں ہی کے لیے مخصوص ہیں!

اسماء :-

آپ درست فرماتی ہیں لیکن افسوس کہ میں یہ نہیں بتا سکتی ایسا کیوں ہے؟

نائلہ :-

کیوں؟ ________ بتانے میں تامل کیوں ہے؟

اسماء :-

تامل تو ذرا بھی نہیں ہے، بات یہ ہے کہ جس بات سے میں خود ناواقف ہوں، اس کے بارے میں کسی دوسرے کو کیا بتا سکتی ہوں؟"

نائلہ :-

یہ تعویذ، اور یہ صلیب کا نشان، تو صرف عیسائیوں کے لیے مخصوص ہے

اسماء :-

بے شک ہوگا، لیکن یہ تعویذ میری ماں نے میرے گلے میں ڈالا تھا۔ وہی جان سکتی کہ ایسا کیوں کیا!

نائلہ :-

اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکیں، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ راز ان کے ساتھ گیا؟

اسماء :-

جی ہاں اور کیا؟ یہی سمجھ لیجئے۔

نائلہ :-

اگر یہ کوئی راز ہے، تو مجھ پر اعتماد کرو، اور یقین کرو، یہ کسی پر منکشف نہیں ہوگا، پوری دیانت اور امانت کے ساتھ میں اس کی حفاظت کروں گی!

اسماء :-

اس کا مجھے یقین ہے۔ لیکن سچ کہتی ہوں، اس راز کی حقیقت اور ماہیت سے میں بالکل ناواقف ہوں،

نائلہ :-

تعجب ہے، سخت تعجب، بہت سخت تعجب!"

اسماء:۔
میرے تعجب کی بھی یہی کیفیت ہے! ———— میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ بچپن سے ان دونوں چیزوں کو دیکھ رہی ہوں!

نائلہ:۔
بس اس سے زیادہ کچھ نہیں؟

اسماء:۔
جی ہاں بس صرف اسی قدر ———— یہ ضرور ہے کہ اماں جان کسی راز کو محسوس کرتی تھیں، اسے بتانا بھی چاہتی تھیں، لیکن قبل اس کے کہ کھل کر گفتگو کر سکیں، ان کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا، اور وہ بات نہ معلوم ہو سکی

نائلہ:۔
یہ بھی نہیں معلوم، اس راز کی نوعیت کیا تھی؟

اسماء:۔
بالکل نہیں معلوم،

نائلہ:۔
تم نے اپنی ماں سے اس سلسلہ میں کچھ دریافت بھی نہیں کیا؟

اسماء:۔
کئی بار کیا، پہلے تو وہ ٹالتی رہیں، پھر وعدہ کیا کہ بتائیں گی۔ لیکن موت کا پیام آگیا۔ ہاں ایک بات ضرور ہے؟

نائلہ
وہ بھی کہہ ڈالو شاید اسی سے کچھ پتہ چلے۔

اسماء:۔

وہ کہتی تھیں، یزید تیرا باپ نہیں ہے!

نائلہ:۔

یہ تو معلوم ہے، اور اس کے علاوہ کچھ!

اسماء:۔

اور کچھ مجھے نہیں معلوم ورنہ ضرور بتا دیتی!

نائلہ:۔

مریم اور یزید کی شادی کب ہوئی!

اسماء:۔

میں یہ بھی نہیں جانتی، اماں سے جو کچھ معلوم ہوسکا وہ صرف یہ ہے کہ فتح مصر کے بعد وہ قیدی کی حیثیت سے یزید کے ہاتھ آئیں، اس نے ان سے باقاعدہ نکاح کر لیا ——————!

نائلہ:۔

تم اس وقت کتنی بڑی تھیں؟

اسماء:۔

بالکل بچہ،

نائلہ:۔

اپنے باپ کے بارے میں بھی تم نے کچھ نہیں پوچھا؟

اسماء:۔

بہت پوچھا، لیکن ہمیشہ وہ اس سوال کو ٹال دیتی تھیں، کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ اصل بات کیا ہے؟ اصل راز کیا ہے؟ اور اب کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے ظاہر ہے یہ راز بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے ساتھ قبر میں دفن ہوگیا!!

اسماء اور نائلہ میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ یزید گھبرایا ہوا ہانپتا کانپتا نظر آیا نائلہ اور اسماء اس ہئیت کذائی میں اسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

نائلہ :۔

خدا خیر کرے، آثار کچھ بے ڈھب نظر آتے ہیں۔

اتنے میں یزید بالکل قریب آ گیا۔

نائلہ :۔

کیا بات ہے یزید تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟

یزید :۔

غضب ہو گیا، اب خدا ہی کے ہاتھ ہے ہم سب کی جان ومال آبرو۔

نائلہ :۔

آخر کچھ کہو گے بھی کیا ہوا کچھ بتاؤ بھی تو!

یزید :۔

بہت سے لوگوں نے امیر المومنین کے مکان کا محاصرہ کر لیا ہے، غیر معمولی ہجوم دروازے پر جمع ہے۔ اور طرح طرح کے نعرے لگا رہا ہے۔ شور وغل اتنا زیادہ ہے کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔

نائلہ :۔

(پریشان ہو کر) آخر یہ لوگ چاہتے کیا ہیں!

یزید :۔

میں نہیں جانتا، صرف اتنا جانتا ہوں کہ آثار اچھے نظر نہیں آتے، ان کی نیت خراب اور فاسد نظر آتی ہے، ضرور یہ لوگ کچھ کر گذریں گے۔!

ان باتوں کے بعد نائلہ میں اسماء کے پاس بیٹھنے کی تاب نہ رہی، وہ جلدی

سے اُٹھ کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئیں، اسماء بھی ان کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئی، یہ حالات سن کر وہ اپنا غم اور پریشانی بھول گئی تھی، نائلہ کے ساتھ ساتھ جب وہ ان کے گھر کے دروازے پر پہنچی، تو غیر معمولی ہجوم دیکھ کر وہ خاصی پریشان ہوئی، وہ نائلہ کے ساتھ جلدی جلدی گھر کے اندر پہنچی، پھر بالاخانہ پر چڑھ کر جب اس ہجومِ عام پر نظر ڈالی تو مسلح آدمیوں کا جمِ غفیر نظر آیا، جس کے چشم و ابرو سے فساد انگیزی، اور ہنگامہ آرائی کے آثار نمایاں تھے،

اسماء :-

یہ لوگ کیوں اس قدر شور و شر کر رہے ہیں!

نائلہ :-

خدا ہی بہتر جانتا ہے، مجھے تو حالات بہت زیادہ بگڑتے نظر آرہے ہیں۔

اسماء :-

جی ہاں یہی خیال میرا بھی ہے ...!

نائلہ :-

کہیں یہ لوگ ازراہِ فساد انگیزی گھر میں نہ گھس آئیں؟

اسماء :-

اوّل تو وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتے، اور اگر کی تو مزا بھی چکھیں گے، منہ کی کھائیں گے۔

نائلہ :-

نہ جانے کیا ہونے والا ہے، مجھے تو خونریزی کے آثار نظر آرہے ہیں۔

اسماء :-

خدا نہ کرے کہ ایسا ہو، لیکن اگر ایسا ہوا تو پھر ہم بھی مزا چکھا دیں گے۔ ایسی تیروں کی بوچھاڑ کریں گے کہ ان کے منہ پھر جائیں گے۔ بھلا گھر میں داخل

باب (۱۱)

حضرت عثمان

اسماء اور نائلہ، باتوں میں مصروف تھیں کہ کچھ لوگ مکان کے اندر داخل ہوتے نظر آئے۔ اسماء نے ان کے بارے میں پوچھا!

یہ کون لوگ ہیں ؟ اور کیوں آرہے ہیں ؟"

نائلہ :۔

ان آنے والوں میں اکثر وہ لوگ ہیں جو صحابۂ رسولؐ میں شمار ہوتے ہیں !

اسماء

لیکن اس وقت آنے کا کوئی خاص سبب ہوگا ؟

نائلہ :۔

جب خلیفہ کو کسی اہم معاملہ میں مشورہ دینا ہوتا ہے یا کسی اقدام سے اسے روکنا ہوتا ہے، تو یہ حضرات تشریف لاتے ہیں، ضرور کوئی خاص بات ہے ۔

ہونا کچھ ہنسی کھیل ہے! ہم لاکھ کمزور سہی، لیکن اگر وقت پڑ جائے تو پھر کمزور بھی زور آور سے بھڑ جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔

کَسنّوِر مغدوب یصول علی الکلب!

بلّی جب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں دیکھتی تو کتے پر حملہ کر دیتی ہے۔

آؤ نیچے چلیں، ان لوگوں کی باتیں سنیں تاکہ معلوم ہو، حالات کس رُخ پر جا رہے ہیں۔
آؤ!

نائلہ، اور اسماء ساتھ ساتھ بالاخانہ سے نیچے اتریں اور ایک کمرہ میں جو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی کی نشست گاہ سے بالکل ملحق تھا۔ جا بیٹھیں، اسماء نے دروازے کے سوراخ سے اندر دوسرے کمرے میں جہاں حضرت عثمانؓ رونق افروز تھے۔ ایک نظر ڈالی، اس نے دیکھا، حضرت عثمان اطمینان اور استقامت کی تصویر بنے اپنی مسند پر رونق افروز ہیں۔ عمامہ سامنے رکھا ہوا ہے۔ اور سیدھے ہاتھ کی طرف ایک شمشیرِ آب دار رکھی ہوئی ہے۔

صحابۂ کرام کا گروہ جب اندر داخل ہوا تو حضرت عثمان تعظیم کے لیے سروقد کھڑے ہو گئے، عمامۂ مبارک سر پر رکھ لیا۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے تب خود بیٹھے، اسماء نے نائلہ سے ان لوگوں کے نام دریافت کئے۔ پھر پوچھا:۔

شاید یہ حضرات کسی معاملہ میں مشورہ دینے آئے ہیں۔

نائلہ :۔

ہاں معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے ——————— یہ حضرات خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے مخلص دوست اور مشیر ہیں، اور اصلاحِ مملکت کی سعی و کوشش میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔

اسماء :۔

لیکن یہ ہنگامہ آرائی ہو کیوں رہی ہے!

نائلہ :۔

تم کچھ نہیں جانتی، لو میں بتائے دیتی ہوں، غور سے سنو،

اسماء :۔

جی سن رہی ہوں، آپ ارشاد فرمائیے،

نائلہ :۔

بات یہ ہے کہ اس تمام فتنہ و فساد کا بانی ایک شخص ہے جس کا نام عبداللہ بن سبا ہے"

اسماء :۔

عبداللہ اور اس کے ساتھی کیا چاہتے ہیں؟

نائلہ :۔

وہ کہتے ہیں مروان کو ان کے حوالے کر دیا جائے، کیونکہ وہ مملکت کی تمام کمزوریوں کا بانی مبانی اسے سمجھتے ہیں۔ اور یہ مطالبہ نہ مانا جائے تو پھر ان کا مطالبہ یہ ہے کہ خود حضرت عثمانؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔

اسماء :۔

لیکن مروان سے یہ لوگ کیوں خفا ہیں؟

نائلہ :۔

کہہ تو چکی ہوں، ہر معاملہ کی ذمہ داری مروان پر رکھتے ہیں۔

اسماء :۔

"تو امیرالمومنین مروان کو کیوں نہیں حوالہ کر دیتے؟

نائلہ :۔

وہ ایسا نہیں کر سکتے،

اسماءؓ :۔

میں نے تو ایک بات اور بھی سنی ہے یہ کہ حضرت عثمانؓ اپنے رحم و مروت کے باعث، اُمویوں کو مناصب اعلیٰ پر فائز کرتے ہیں۔ دوسرے جو عوام رہ جاتے

ہیں، انہیں شکایت پیدا ہوتی ہے، یہ ہنگامہ آرائی دراصل اسی لیے ہو رہی ہے کہ لوگ ان باتوں سے تنگ آ گئے ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟

نائلہ :-

بالکل غلط بھی نہیں ہے۔ لیکن عبداللہ ابن سبا کے بہکاوے میں آ کر یہ لوگ ایک مقدس شخص کے خلاف ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں۔ عثمانؓ وہ شخص ہیں جو رحم دل ہے، غریب پرور ہے۔ مسکین نواز ہے، دوسروں کو اچھے اچھے کھانے کھلاتا ہے۔ اچھے اچھے کپڑے پہناتا ہے۔ اور خود صرف سرکہ اور زیتون کا تیل استعمال کرتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی سادگی اور ایثار کی مثال مل سکتی ہے۔؟

باب (۱۲)

حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی گفتگو

اسماءؓ اور نائلہ باتوں میں مصروف تھیں، اس دوسری ملاقات نے اسماء کے دل میں بھی نائلہ کی ہمدردی اور شفقت کی گنجائش پیدا کر دی تھی۔ یکایک حضرت علی کی آواز گونجتی ہوئی سنائی دی، اسماء ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگی، آپ حضرت عثمانؓ سے مخاطب تھے، اور فرما رہے تھے!

حضرت علیؓ:۔

آپ کو معلوم ہو گا، ہم لوگ اس وقت کیوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں"!

حضرت عثمانؓ:۔

میں نہیں جانتا، لیکن یقیناً کوئی نیک اور اہم مقصد ہو گا، جس کے لیے آپ حضرات نے یہاں تشریف لانے کی زحمت کی ہے۔

حضرت علیؓ :-

یہی بات ہے ؛

حضرت عثمانؓ :-

تو فرمایئے، میں غور سے سنوں گا، اور دیانت کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا "

حضرت علیؓ :-

آپ جانتے ہیں ان ہنگامہ آرائیوں نے کیسی ابتر اور نازک صورتِ حال پیدا کر دی ہے ؟"

حضرت عثمانؓ :-

خوب جانتا ہوں، اور کڑھتا رہتا ہوں ؛

حضرت علیؓ :-

یقیناً آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ان حالات کا نتیجہ کیا ہوگا ؟

حضرت عثمانؓ :-

بظاہر بدتر اور تلخ ہی نظر آتا ہے ______ مگر آپ اس کا کیا کوئی حل لے کر تشریف لائے ہیں ؟

حضرت علیؓ :-

ہاں، ہم ایک حل لے کر آئے ہیں، اگر اس پر عمل کیا جائے، تو یہ ہنگامہ آرائیاں فساد انگیزیاں اور باہمی تلخیاں ختم ہو سکتی ہیں۔

حضرت عثمانؓ :-

اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے، ضرور فرمایئے، مجھ سے بڑھ کر کسے اس بات کی خوشی ہوگی۔ اگر یہ فتنہ و شر دب جائے ۔

حضرت علیؓ :-

میری اور دوسرے اصحاب کی یہی کوشش ہے، اور ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کوششوں کو مشکور فرمائے۔

حضرت عثمانؓ :-

(تاثر کے ساتھ) آمین، ثم آمین!

حضرت علیؓ :-

آپ کے فضائل و محامد سے انکار نہیں کیا جاسکتا، آپ رسولِ اکرمؐ کے ابنِ عم ہیں آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ بجا طور پر " ذوالنورین" کے خطاب جلیل سے مخاطب کیے جائیں، آپ کی ذات پر رسالت مآب کو بہت زیادہ اعتماد تھا۔ آں حضرتؐ کو آپ کے ساتھ جو تعلق خاطر تھا۔ اس کا ثبوت شجرۂ رضوان کی بیعت ہے، جب آپ مکہ میں گھر گئے تھے اور افواہ اڑ گئی تھی کہ کفار نے خدانخواستہ آپ کو شہید کر دیا ہے، تو سرکارِ دو عالم نے آپ کے لیے حاضرین سے جہاد کی بیعت لی، اور یہ وہ بیعت تھی جس پر خدائے عزوجل نے خوشنودی کا اظہار فرمایا، آپ نے دو مرتبہ ہجرت کے شدائد اور مصائب برداشت کیے اس اعزاز و امتیاز میں بھی بہت کم لوگ آپ سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں آپ وہ ہیں جس نے قبلہ کے دونوں رُخ پر نماز ادا کی، آپ جامع القرآن ہیں. رسول اللہ نے جب اس دنیا سے سفرِ آخرت اختیار فرمایا، تو وہ آپ سے خوش اور راضی تھے۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے جو آپ کو حاصل ہے۔

حضرت علیؓ تقریر فرما رہے تھے، حاضرین دم بخود بیٹھے تھے، اور حضرت عثمانؓ کا یہ عالم تھا کہ وفورِ تاثر سے وہ خاموش تھے ان کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

امیرالمومنین آپ کی ان عظمتوں کے کچھ لوگ منکر ہیں، وہ جاہل ہیں، بدخو ہیں۔ یہ آپ سے اور آپ کی حکومت سے ناراض ہیں، اس کے خلاف مسلسل فتنہ طرازیوں میں مصروف ہیں۔

حضرت عثمان :۔

میں جانتا ہوں، لیکن نہیں جانتا ایسا کیوں ہے؟ ۔

حضرت علی :۔

انہیں کچھ شکایات ہیں، اور ان میں بعض شکایتیں ایسی ہیں جو قابلِ غور ہیں۔ اور بہت اچھا ہو اگر ان کا ازالہ کر دیا جائے تاکہ پھر یہ کچھ نہ کہہ سکیں۔

حضرت عثمان :۔

ہر معقول اور جائز شکایت کا ازالہ کرنے کو میں تیار ہوں، ابھی اور اسی وقت

حضرت علیؓ :۔

جزاکم اللہ :

حضرت عثمان :۔

سمجھ میں نہیں آتا، یہ لوگ کیوں میرے درپئے آزار ہیں، میں نے انہیں کسی طرح کا گزند نہ پہنچایا ہے، نہ ایسا ارادہ رکھتا ہوں۔

حضرت علیؓ :۔

آپ کی ذاتِ گرامی ایسی متجمع الصفات ہے، صلہ، رحم، غریبوں کی دستگیری یتیموں کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ، آپ کی سرشت ہے۔

حضرت عثمان :۔

پھر یہ لوگ کیوں میرے خلاف ہیں؟ کیوں میری مخالفت کرتے رہتے ہیں کیوں میری جان لینا چاہتے ہیں؟ کیا کسی مسلمان کا خون بہانا کسی مسلمان کیلئے جائز ہے؟

حضرت علیؓ :-

ہرگز نہیں، نہ صرف یہ کہ جائز نہیں، بلکہ بہت بڑا گناہ ہے۔

حضرت عثمانؓ :-

پھر بھی مسلمان ہونے کے باوجود، یہ میرا خون بہانا چاہتے ہیں۔ آخر کیوں!
مجھے بتائیے ان کے جواب میں، میں کیا کروں؟

حضرت علیؓ :-

ان لوگوں کو مطمئن کر دیجئے، ان کی شکایتیں رفع کر دیجئے، ان کی معقول باتیں مان لیجئے۔ یہ خاموش ہو جائیں گے۔ ان میں ایک بڑا گروہ مفسدین کا ہے پھر وہ بھی خاموش ہونے پر مجبور ہو جائے گا۔

حضرت عثمان :-

میں کب اس سے انکار کرتا ہوں، ابھی کچھ عرصہ ہوا، میں انہیں مطمئن کر چکا ہوں۔ ان کی باتیں مان چکا ہوں، اصلاحِ مملکت کے سلسلہ میں ان کے مطالبات تسلیم کر چکا ہوں، لیکن دیکھ لیجئے، پھر یہ موجود ہیں، اور ہنگامہ آرائی پر مستعد، ایسے لوگوں کو آخر کس طرح مطمئن کیا جا سکتا ہے۔؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ مطمئن ہونا ہی نہیں چاہتے۔!

حضرت علی :-

آپ کے وعدے سے مطمئن ہو کر یہ چلے گئے تھے۔

حضرت عثمان :-

ہاں، لیکن پھر کیوں واپس آ گئے؟

حضرت علی :-

راہ میں انہیں آپ کا قاصد ملا، جو ایک خفیہ خط لے کر مصر جا رہا تھا۔

حضرت عثمانؓ :-

(تعجب سے) میرا قاصد؟ خفیہ خط؟ ــــــــــــ میری طرف سے!

حضرت علی :-

جی ہاں، واقعہ یہی ہے، اور برہمی کا سبب بھی یہی ہے۔

حضرت عثمان :-

(مسکرا کر) وہ خط جو میری طرف سے گیا تھا، میں نہیں جانتا اس میں کیا لکھا تھا؟

حضرت علی :-

اس میں حاکم مصر کے نام حکم درج تھا کہ وہ ان لوگوں کو جو مدینہ سے واپس آئے ہیں ہدفِ ستم بنائے، اُن کے سرکردہ لوگوں کو قتل کر دے اور باقی لوگوں کو عبرت انگیز سزا دے ــــــــ!

حضرت عثمان :-

غلط ــــــــ بالکل غلط ــــ!

حضرت علی :-

لیکن خط ان لوگوں کے پاس ہے۔

حضرت عثمان :-

کیا اس پر میری مُہر ہے؟

حضرت علی :-

جی ہاں آپ کی مہر بھی ہے۔ اس پر۔

حضرت عثمان :-

وہ خط بھی جعلی ہے، اور مہر بھی ــــــ میں نے ہرگز اس طرح کا خط نہیں لکھا۔ نہ کسی طرح یہ ممکن تھا کہ میں اس انداز میں لوگوں کو مبتلائے

قریب کرکے ہدفِ ستم بناؤں!

حضرت علی:-

بجا ارشاد ہوا!

حضرت عثمان:-

پھر ان لوگوں نے کیوں یقین کر لیا-؟

حضرت علی:-

آپ کی مہر کی وجہ سے!

حضرت عثمان:-

میں کہہ چکا ہوں، کہ وہ خط میرا ہے، نہ مہر میری ہے!

حضرت علی:-

آپ کا قول بالکل درست اور بجا ہے، میرا خیال ہے یہ حرکت مروان کی ہے، وہ بہت زیادہ آپ پر حاوی ہو گیا ہے۔ مہر اس کے پاس رہتی ہے اس نے آپ کے اعتماد سے غلط فائدہ اٹھایا، اور ایسی خطرناک حرکت کر گذرا، جس کے تلخ اثرات و نتائج سے آپ دوچار ہو رہے ہیں۔

حضرت عثمان:-

ہاں یہ ہو سکتا ہے، یہ ممکن ہے!

حضرت علی:-

بس تو مروان کی گوشمالی کر دیجئے، اور ان لوگوں کو صحیح صورتحال بتا دیجئے اور ان کو اطمینان دلا دیجئے۔ کہ اب اس طرح کی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ اس طرح بڑی آسانی سے اور سہولت کے ساتھ، یہ فتنہ و فساد فرو ہو جائے گا۔

حضرت عثمان:-

کیا میرے سمجھانے کا ان پر اثر ہوگا؟

حضرت علی:۔

ضرور ہوگا۔

حضرت عثمان:۔

میں ہر طرح انہیں سمجھانے اور مطمئن کرنے کو تیار ہوں، لیکن یہ لوگ کچھ مفسدوں، خاص کر عبداللہ بن سبا کے بھڑکائے ہوئے ہیں۔ مشکل ہی ہے کہ اپنی روش سے باز آئیں؛

حضرت علیؓ:۔

نہ آئیں ——— اتمام حجت تو ہو جائے گا؛

حضرت عثمان:۔

ہاں یہ صحیح ہے، میں انہیں مطمئن کر دوں گا، بلکہ اگر مجھ سے کوئی غلطی واقعی سرزد ہوئی ہے، تو نہ صرف اس کی تلافی کروں گا بلکہ اس کی سزا کے لیے بھی تیار ہوں۔

حضرت علیؓ:۔

(بہت زیادہ متاثر ہوکر) جزاکم اللہ، بے شک یہی آپ کے شایان شان ہے۔

حضرت عثمان:۔

نہیں یہ میرا فرض ہے اور بہ حیثیت امیر کے مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے۔

حضرت علیؓ:۔

تو بسم اللہ تشریف لے چلئے۔

حضرت عثمان:۔

مسجد کی طرف؟

حضرت علیؓ:-

ہاں ——————— وہاں لوگوں کو جمع کر کے صورتِ حال سے آگاہ کر دیجیے، ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوفہ اور مصر سے کہیں لوگوں کے کچھ اور جتھے نہ آ جائیں، اگر خدانخواستہ ایسا ہوا، تو آگ کا بجھانا ناممکن ہو جائے گا۔

باب (۱۳)

حضرت عثمانؓ کی اثر انگیز تقریر

حضرت عثمان، اور حضرت علی کی اس گفتگو میں جو اصحاب شریک تھے، ان میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس بات چیت کے بعد، حضرت عثمان، اور یہ حضرات باہر نکلے، ان کے جانے کے بعد نائلہ نے کہا،

"خدا کا شکر ہے، معاملہ رو براہ ہوتا نظر آتا ہے۔

اسماء :-

اللہ نے چاہا، تو ضرور ہو جائے گا، میں تو یہ ہنگامہ آرائیاں دیکھ کر بہت زیادہ گھبرا گئی تھی۔

نائلہ :-

اسی سے میری پریشانی کا اندازہ کر لو!

اسماء :۔
خدا حضرت علیؓ پر اپنی برکتیں نازل کرے، آپ نے دیکھا، انہوں نے کیسی سلجھی ہوئی، معقول اور مدلّل باتیں کی ہیں۔ اس وقت !

نائلہ :۔
ہاں، وہ شروع ہی سے اس کی کوشش کر رہے ہیں کہ بات زیادہ آگے نہ بڑھے،

اسماء :۔
خدا کو منظور رہے تو ان کی کوششیں ضرور کامیاب ہوں گی !

نائلہ :۔
لیکن مشکل یہ ہے کہ علی اور عثمان کی کوششوں پر کچھ لوگ پانی پھیر دیتے ہیں ——— ؟

اسماء :۔
یہ کیوں ! اس میں انہیں کیا فائدہ ہے ؟

نائلہ :۔
(کراہت کے ساتھ) ان کا چراغ اسی طرح جل سکتا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ امن و امان کی صورت میں ان کی قیمت دو کوڑی کے برابر بھی نہ ہو گی، اور فتنہ و فساد کے زمانہ میں، وہ اپنی منہ مانگی قیمت وصول کر سکتے ہیں۔

اسماء :۔
ایسے لوگ تو اس کے مستحق ہیں کہ انہیں عبرت انگیز اور سبق آموز سزا دی جائے۔

نائلہ :۔
لیکن عثمان بہت رحم دل ہیں، سراپا مروّت، وہ حتی الامکان کسی کو سزا نہیں

دیتے، کسی کے ساتھ سختی کا برتاؤ کر ہی نہیں سکتے۔

اسماءؓ:-

بس تو میں سمجھ گئی، اس صورتِ حالات کی اصل وجہ یہی ہے۔

نائلہ:-

اور کیا، لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بے بس ہیں:

اسماءؓ:-

آیئے، ذرا اس طرف چلیں۔

نائلہ:-

وہاں چل کر کیا کرو گی ....؟

اسماءؓ:-

دیکھیں حضرت عثمانؓ کیا فرماتے ہیں!

نائلہ:-

آؤ ——— انہوں نے تقریر شروع کر دی!

اسماء اشتیاق کے جذبات لے کر، نائلہ کے ساتھ اٹھی، اور اس مقام پر گئی، جہاں سے مجمع اچھی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کی آواز صا[ف] سنائی دیتی تھی:

یہ دونوں گھر کی کھڑکی سے ملی بیٹھی تھیں، ہجوم دم بدم بڑھتا جا رہا [تھا] حضرت عثمان ایک نسبتاً بلند مقام پر کھڑے تھے۔ اور مجمع کو مخاطب کر[تے] ہوئے فرما رہے تھے۔

المومنین!

سب سے پہلے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان کوتاہیوں پر معذرت

کروں، جو شرع و اصول کے خلاف مجھ سے سرزد ہوئے ہوں!

اس کے بعد میں صاف اور واضح الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں کہ مجھ پر جو الزام لگا ہے وہ غلط ہے۔ میں اس سے انکار کرتا ہوں، میں خدائے بزرگ و برتر اور واحد و قیوم کی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہرگز کسی ایسے اقدام کا ارتکاب نہ کروں گا، نہ عمداً میں نے ایسا کیا ہے، جو اصولِ شرعِ اسلام کے خلاف ہو، میں کسی قیمت پر فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا۔ میں امن و امان کا داعی ہوں، اور اس کو پسند کرتا ہوں۔ اور اسی کی تم سب کو دعوت دیتا ہوں، اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو تو ٹوک دو، میں رُک جاؤں گا، ایک مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ غلطی پر اصرار نہ کرے، جب اُسے یاد دلایا جائے کہ وہ غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے، اس سے باز آجائے اور جتنی کچھ بھی غلطی اس سے سرزد ہو چکی ہے اس کی تلافی کرے۔ میں مسلمان ہوں، میرے اسلام پر تم سب شاہد ہو، میں نے اسلام کے لئے کبھی بھی اپنی جان کی بازی لگانے سے دریغ نہیں کیا، نہ کبھی ایسا کروں گا، میں ایک مرتبہ پھر کہتا ہوں کہ مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ استغفار کرتا ہوں، اس سے دور اور گریزاں رہنے کا عہد کرتا ہوں۔ لیکن تم بھی حزم و احتیاط سے کام لو، غلطی، غلط فہمی اور غلط کاری سے بچو، حالات کو سازگار بنانے کی جدوجہد میں میرا ساتھ دو، میرا ہاتھ بٹاؤ۔ یہ خلافت جو میں نے قبول کی ہے، یہ میرے لئے پھولوں کا بستر نہیں، کانٹوں کا تاج ہے۔ اسے میں نے ذاتی سربلندی کے لیے نہیں، خدمتِ اسلام و مسلمین کے لیے قبول کیا ہے، جس وقت

مجھے یہ احساس ہو گیا کہ میں خدمت کا فریضہ صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا، اسی وقت اس منصب سے میں دست بردار ہو جاؤں گا۔ لیکن جب تک میں اپنا فرض ذمہ داری کے ساتھ انجام دے رہا ہوں، اس وقت تک میں اس منصب پر فائز رہوں گا۔!

تمہیں ایک شکایت یہ ہے کہ میں نے بلند اور برتر مناصب پر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو فائز کیا ہے، میں نے اُن ہی عزیزوں اور رشتہ داروں کو اسامیاں دیں جنہیں میں نے اہل سمجھا، جن میں، میں نے صلاحیت دیکھی، اب اگر وہ اہل نہ ثابت ہوئے یا انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر استعمال نہ کیا، یا امانت میں خیانت کی، یا اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کی، تو وہ اس کے نتائج بھگتیں گے۔ دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی، اس سلسلہ میں آئندہ جو تقررات ہوں گے، اُن میں خاص طور پر احتیاط کی جائے گی۔

لوگو ـــــــ!

خدا سے ڈرو، جو خدا سے ڈرے اس کی باتیں غور اور توجہ سے سنو، فتنہ و فساد کو خدا ذرا بھی پسند نہیں کرتا، اس لیے کہ فتنہ، فساد کے دور میں انسانیت پامال ہو جاتی ہے، انسانی اقدار ختم ہو جاتے ہیں۔ پس جب خدا فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا، تم سمجھتے ہو، میں پسند کرتا ہوں، کیا خدا سے تم ہی ڈرتے ہو، میں نہیں ڈرتا؟ کیا میں اس کا بندہ نہیں ہوں؟ کیا میرا دل خوفِ خدا سے خالی ہے؟

یہ کہتے ہوئے حضرت عثمانؓ کی آواز بھرّا گئی، اور گریہ گلوگیر ہو گیا۔

حضرت عثمانؓ کی اس تقریر سے مجمع بہت زیادہ متاثر ہوا، جو لوگ

اس مقصد سے جمع ہوئے تھے، کہ ہنگامہ آرائی کریں، وہ اس سادہ اور اثرانگیز تقریر سے اتنے متاثر ہوئے کہ خود رونے لگے، ان کی گھگی بندھ گئی، یہ مجمع جو ایک بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہونے والا تھا، آن کی آن میں امن وسکون اور خاموشی کے ساتھ اس طرح چھٹ گیا جیسے تیرہ وتار بادل چھائے ہوں، اور تندوتیز ہوا کے جھکڑ دفعتاً انہیں اڑا لے جائیں، اور دیکھتے دیکھتے مطلع صاف ہوجائے۔

اس صورتحال سے نائلہ بہت خوش ہوئیں، انہوں نے کہا۔

نائلہ:۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مصیبت ٹل گئی، کوئی ناگوار صورت پیدا نہیں ہوئی۔

اسماء:۔

حضرت عثمان کی تقریر اتنی دل پذیر اور اثرانگیز تھی کہ کئی بار میری آنکھیں پُرنم ہوگئیں؛

نائلہ:۔

خود میری بھی یہی کیفیت تھی؛

اسماء:۔

بہرحال ایک خطرہ ٹل گیا، شکر کا مقام ہے؛

نائلہ:۔

جب تک یہ فسادی یہاں سے باہر نہ چلے جائیں، میرا دل مطمئن نہیں ہو سکتا، نہ جانے پھر کب کوئی ہنگامہ کھڑا ہوجائے۔

باب (۱۴)

مروان کی شرارت

بالاخانہ سے اُتر کر نائلہ اور اسماء پھر آکر دالان میں بیٹھ گئیں اتنے میں حضرت عثمان بھی، باہر سے تشریف لے آئے، انہوں نے پہلی مرتبہ اسماء کو دیکھا، نائلہ سے دریافت فرمایا،

"یہ کون لڑکی ہے؟ اور ماتمی لباس کیوں پہنے ہے؟"

نائلہ نے جواب دیا:۔

اس کا نام اسماء ہے، ماں کا نام مریم تھا، جس کا چند روز ہوئے قباء میں انتقال ہو گیا تھا، اس کا باپ یزید ہے جس سے آپ واقف ہوں گے، فی الحال یہ اپنے عزیزوں کے ہاں شام سے آنے کے بعد سے ٹھہری ہے!

حضرت عثمان:۔

اس کے عزیز کون لوگ ہیں؟

نائلہ :۔

آل کے خاندان کے لوگوں میں ٹھہری ہوئی ہے۔ وہیں قیام ہے۔ اس کا اور یزید کا'

حضرت عثمانؓ :۔

اچھا اچھا' ـــــــــ میں سمجھ گیا!

پھر آپ اسماءؔ سے مخاطب ہوئے' اور شفقت کے ساتھ فرمایا :۔

"بیٹی، تمہاری سوگواری بجا ہے، اس صدمۂ المیۃ میں مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے' ـــــــــ ؛ (نائلہ سے مخاطب ہوکر) اس لڑکی پر ماں کی وفات کا بہت گہرا اثر ہے!

نائلہ :۔

جی ہاں بہت زیادہ، بات بات پر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری ہو جاتی ہے۔

حضرت عثمان :۔

ماں چیز ہی ایسی ہوتی ہے ـــــــ ! (اسماءؔ سے مخاطب ہوکر) بیٹی صبر کرو، خدا کی مشیّت میں کون دخل دے سکتا ہے۔!

اسماءؔ :۔

امیرالمومنین کے زیرِسایہ زندگی بسر کرنے والوں کو نہ تلقینِ صبر کی حاجت ہے، نہ تعزیت کی، ان کی شفقت و مرحمت بجائے خود، تسکین و تسلی کا مرحم بن کر زخمِ دل کو مندمل کر دیتی ہے۔

اسماءؔ کے اس جواب سے حضرت عثمانؓ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے

اندازہ کر لیا کہ لڑکی جتنی زیادہ حسین وجمیل ہے، اُس سے کہیں زیادہ ذہین و طبّاع ہے، اس کی شائستگی، اور تہذیب سے وہ بہت متاثر ہوئے۔

اسماء بدستور بیٹھی تھی، نائلہ بھی موجود تھیں، اور حضرت عثمان بھی تشریف فرما تھے۔ کہ مروان گھبرایا ہوا، پریشان اور مضطرب، چند اموی نوجوانوں کے ساتھ آتا نظر آیا؛

یہ لوگ آئے، اور چپ چاپ آکر حضرت عثمانؓ کے قریب بیٹھ گئے!

حضرت عثمان نے مروان اور اس کے ساتھیوں کے اضطراب و اضطرار کا اندازہ لگاتے ہوئے دریافت کیا:۔

حضرت عثمان:۔

مروان کیا بات ہے تم لوگ، اس قدر ہراساں اور پریشان اور مضطرب کیوں نظر آرہے ہو؟ کوئی خاص بات ہے؟

مروان:۔

جی ہاں، ایک بہت اہم شکایت لے کر حاضر ہوا ہوں۔

حضرت عثمان:۔

شکایت؟ ــــــــــ کس سے شکایت ہے تمہیں!

مروان:۔

اگر گستاخی، اور بے ادبی پر محمول نہ کیا جائے، تو آپ سے!

حضرت عثمان:۔

تمہیں ہم سے شکایت ہے! ــــــــــ تعجب ہے۔ بہر حال کہو کیا بات ہے؟ حتی الامکان تو ہم کسی کو شکایت کا موقعہ نہیں دیتے!

مروان:۔

امیرالمومنین آپ کے رحم وکرم، ملاطفت اور شفقت، مروت اور نرمی نے ان باغیوں اور مفسدوں کے حوصلے بلند کر دیئے ہیں، یہ اب کسی کو خاطر میں نہیں لاتے، خاص طور پر امویوں کے ساتھ تو ان کا طرزِ عمل حد درجہ ناقابلِ برداشت ہے۔

حضرت عثمان :۔

کیوں؟ کیسے جانا تم نے؟

مروان :۔

یہ لوگ اپنے آپ کو فاتح سمجھ رہے ہیں اور ہمیں مفتوح!

حضرت عثمان :۔

کیسی باتیں کرتے ہو مروان'!

مروان :۔

امیرالمومنین میں غلط نہیں عرض کرتا:

حضرت عثمان :۔

نہیں یہ غلط ہے، ورنہ کم از کم یہ کہ تم غلط فہمی میں مبتلا ہو' ہم ایسی باتیں ایک لمحہ کے لیے بھی باور نہیں کر سکتے؛

مروان :۔

یہ میری بدقسمتی ہے ——————!

حضرت عثمان :۔

آخر تمہیں اس پر اصرار کیوں ہے کہ یہ بات جو قطعاً ناقابلِ یقین ہے۔ مان لی جائے۔

مروان :۔

ملاطفت، ملائمت، اور مروّت کا برتاؤ کرتے ہیں ــــــ!

حضرت عثمان :۔

ہاں ہم نے یہ سب کچھ کیا، لیکن اس پر تمہیں اعتراض ہے کچھ!

مروان :۔

جی بہت زیادہ، بہت زیادہ ۔!

حضرت عثمان :۔

کیوں؟ کس لئے؟ کس بنیاد پر!

مروان :۔

اس لیے کہ اس طرح ان مفسدوں اور باغیوں اور شر پسندوں نے یقین کرلیا کہ وہ غالب ہیں، اور آپ مغلوب، وہ فاتح ہیں اور آپ مفتوح، وہ جو چاہیں کرا سکتے ہیں، اور آپ مجبور ہیں کہ ان کے احکام کی تعمیل کریں، جو لوگ اس قابل تھے کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ انہیں آپ نے نوازا، ان کی حوصلہ افزائی کی، ان کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کیا، انہیں راضی اور مطمئن کرنے کے لیے آپ نے کوتاہی اور غلطی تسلیم کرلی، توبہ کی، اور استغفار تک کیا.......کیا یہ باتیں ان مفسدوں اور باغیوں کے حوصلے بلند کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔

حضرت عثمان، بہت غور سے مروان کی باتیں سن رہے تھے، جب وہ اپنی بات ختم کر چکا تو اسماء بیچ میں بول پڑی۔ اس نے حضرت عثمان سے مخاطب ہو کر عرض کیا۔

اسماء :۔

اگر اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں!

حضرت عثمان :۔

یہ میرا مشاہدہ ہے؛

حضرت عثمان :-

مشاہدہ بھی غلط ہو سکتا ہے۔

مروان :-

میں آپ کی تردید نہیں کر سکتا، خاموش ہو جاتا ہوں؛

حضرت عثمان :-

نہیں خاموش ہونے کی ضرورت نہیں جو کچھ کہنا چاہتے ہو، کہو، اگر معقول بات ہوگی مان لیں گے!

مروان :-

میں نے کوئی ایسی بات عرض نہیں کی جوکہ غیر معقول ہو، جس پر یقین نہ کیا جا سکے؛

حضرت عثمان :-

تم نے ابھی یہ کہا تھا کہ باغیوں کے حوصلے ہم نے بلند کیے ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے! اسے باور کیا جا سکتا ہے!______ ہم کیوں کر مان لیں اسے!

مروان :-

امیرالمومنین، میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جو لوگ علانیہ طور پر مفسد ہیں، بغاوت پر آمادہ ہیں، فتنہ و شرارت پر تلے ہیں، امن و امان درہم برہم کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں، جن کی خیرہ چشمی اور خودسری کا یہ عالم ہے کہ امیرالمومنین کے گھر پر چڑھ آتے ہیں۔ محاصرہ کی سی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں قتل اور خونریزی کی دھمکی دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ امیرالمومنین مفاہمت اور مصالحت کی گفت گو کرتے ہیں۔ انہیں خوش اور راضی کرنے کی سعی فرماتے ہیں، ان سے

ہاں ہاں ضرور کہو، کیا کہنا چاہتی ہو؟

اسماءؓ :-

میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ اگرچہ ، امیرالمومنین کے سامنے منہ کھولنا بدتمیزی ہے، اور انہیں مشورہ دینا چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق ہے، اور ان کی خدمت میں کوئی صلاح پیش کرنا - لقمان "کو ادب سکھانے کی قسم کی ستم ظریفی ہے، لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے میں اپنے آپ کو مجبور پاتی ہوں کہ جو کچھ دل میں اُمنڈ رہا ہے اُسے زبان تک لے آؤں "

حضرت عثمانؓ :-

بیٹی ہم تمہیں اجازت دے چکے ہیں ، جو کچھ کہنا چاہتی ہو ضرور کہو -

اسماءؓ :-

میں صرف ایک بات عرض کرنا چاہتی ہوں ، میں نے وہ گفت گو سنی ، جو اصحابِ رسول اللہ ، حضرت علیؓ ، اور آپ کے مابین ہوئی تھی ، میں نے مفسدین کی شکایات پر غور کیا - میں نے آپ کا جواب بھی سنا ، اور آپ کی تقریر بھی سنی ، اور اس کے دوران میں بار ہا میری آنکھیں آپ کی سادہ بیانی ، خلوص ، اور اثر انگیزی کے سبب پُرنم ہوئیں - میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ اس ہنگامہ آرائی ، فتنہ شر ، اور طوفانِ بدتمیزی کی ذمہ داری صرف ایک شخص پر عائد ہوتی ہے - لازم ہے کہ آپ اس سے مشورہ لینے کا حق چھین لیں ، اُسے اپنی بارگاہ میں کبھی نہ گھسنے دیں ، اُسے اس کی اجازت نہ ہو کہ آپ کے سامنے لب کشائی کر سکے - !

حضرت عثمانؓ :-

(مسکرا کر) بیٹی تم نے اتنی لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی ، لیکن اس شخص کا نام نہ بتایا ؟ ______ وہ شخص کون ہے ، جسے تم مفسد سمجھ رہی ہو "

اسماء :-
وہ شخص مروان ہے، یہی جو آپ کے سامنے بیٹھا بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہا ہے، سارے فساد اور فتنہ کی جڑ یہ اور صرف یہ ہے صرف یہی ——————!

باب ۱۵

مروان اور اسماء کی لڑائی

اسماء کی یہ باتیں سن کر، مروان کا خون کھولنے لگا، اس کا جی چاہا کہ میان سے تلوار نکالے اور اسماء کی گردن اُڑا دے، لیکن حضرت عثمان کی موجودگی میں نہ وہ غصہ کا اظہار کر سکتا، نہ کسی طرح کی سختی کر سکتا تھا، اس نے طنزیہ لہجہ میں کہا!

مروان :-

ہاں، اب امیرالمومنین، ناقص العقل عورتوں کے مشورے ہی تو سنیں گے۔!

پھر وہ اسماء سے مخاطب ہوا، اور ذرا تلخ لہجہ میں اُس نے کہا۔

"اسماء ———— مجھے حیرت ہے کہ تمہیں اتنی جرأت کیسے ہوئی کہ امیرالمومنین کے سامنے لب کشائی کرو، اور ایک ایسے اہم مسئلہ پر جس کے نتائج و اثرات بہت زیادہ دور رس ہوں گے، امیرالمومنین کو

مشورہ دو ——— ایاز قدرِ خود شناس" ——— اپنی حقیقت اور حیثیت سمجھو اور خاموش رہو۔ ایسے معاملات عورتوں کی صلاح و مشورت سے طے نہیں پا سکتے ۔

اسماء :-

آپ نے صحیح فرمایا، میں اپنی اس کمزوری کو محسوس کرتی ہوں، اسی لیے کچھ عرض کرنے سے پہلے میں نے امیرالمومنین سے اذنِ تکلّم حاصل کر لیا تھا۔

اسماء کی ان باتوں نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ مروان اب تک اپنے غصّے کو دبانے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا۔ اب وہ بے قابو ہو گیا۔ اس نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا، اور غصّے سے کانپتے ہوئے کہا،

"اسماء تو میرے مقابلے میں آتی ہے! یاد رکھ اب اگر تیرے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا، تو تیری لاش یہیں تڑپتی نظر آئے گی" میں تیری جان لے لوں گا ۔!

اسماء :-

(استقلال سے) بزدل ——— تلوار سے ڈراتا ہے، لیکن میں تیری طرح بزدل اور کم حوصلہ نہیں ہوں، نہ تجھ سے ڈرتی ہوں، نہ تیری تلوار سے، اگر واقعی تجھے اپنی تلوار پر ناز ہے تو نکال میان سے ذرا میں بھی دیکھوں تو کیا کرتا ہے؟ کیا کر سکتا ہے! ——— دیکھ میرے پاس بھی خنجر ہے اور میں اتنی ہمت رکھتی ہوں کہ اسے تیرے سینہ میں گھونپ دوں، امیرالمومنین کو درازیٔ عمر و اقبال کو دُعا دے۔ ان کی وجہ سے تیری جان بچ گئی۔ اس لیے کہ انکے سامنے میں کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتی جو بدتمیزی میں داخل ہو!

مروان :-

امیرالمومنین کی وجہ سے تُو بھی بچ گئی، میں بھی ان ہی کی وجہ سے خاموش ہوں ورنہ اب تک تو تیری لاش بے سر پھڑک رہی ہوتی!

اسماء:-

جھوٹا ـــــــــــ اگر واقعی تجھے امیرالمومنین کا پاس و لحاظ ہوتا تو بھلا، تلوار کے قبضہ تک تیرا ہاتھ جاتا!

اب مروان بالکل ضبط نہ کر سکا، اُس نے تلوار میان سے نکال لی، اور اسماء کو قتل کرنے کے لیے اٹھا، لیکن حضرت عثمان نے اُسے سختی کے ساتھ روکا!

"تم واقعی نہایت بے ادب اور بے تمیز ہو، تمہیں شرم نہیں آتی، ہماری موجودگی اور مواجہہ میں اس طرح کی باتیں کرتے ہو!

مروان:-

آپ نے اسماء کی باتیں نہیں سُنیں!

حضرت عثمان:-

سب سُنیں، اور ان میں کوئی بات ایسی نہیں تھی جس سے تم اتنے چراغ پا ہوتے۔ تمہیں ایک عورت سے گفتگو کرنے کا طریقہ بھی نہیں معلوم، تم نہیں جانتے اسلام نے عورت کو کس درجہ پر فائز کیا ہے؛ تمہیں معلوم ہوا ہے، وہ ایک یتیم لڑکی ہے۔ ابھی اس کی ماں کا انتقال ہوا ہے۔ اور تم اس طرح کی باتیں اس سے کر رہے ہو، جیسے اکھاڑے میں ایک پہلوان دوسرے پہلوان سے کرتا ہے۔ تمیز سیکھو، تہذیب سیکھو، آدمی بنو، یہ کیا لغویت ہے!

حضرت عثمان کی یہ باتیں سن کر مروان بہت محجوب ہوا، اور پھر واپس آکر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔!

نائلہ نے ہاتھ پکڑ کر اسماء کو اُٹھایا۔ اور لیے ہوئے دوسرے دالان میں

چلی گئیں، ان کے چہرے پر اس وقت مسرت کے آثار تھے، انہوں نے بڑے چاؤ سے کہا :-

نائلہ :-

اسماء میں تو تمہاری دلیری اور جرأت پر عش عش کر گئی، خوب ترکی بترکی جواب دیا تم نے اس چھوکرے کو!

اسماء :-

آپ نے دیکھا وہ کتنا زبان دراز اور بدتمیز ہے؟!

نائلہ :-

ہاں بہت زیادہ۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ شرفاء کی مجلس میں بیٹھ سکے لیکن مجھے اس کی خوشی ہے کہ اس وقت اسے بڑا معقول جواب مل گیا، اگر اس میں ذرا بھی غیرت ہے تو اب کبھی تمہارے منہ نہیں آئے گا!

اسماء :-

میں نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ میری دیانت دارانہ رائے تھی،

نائلہ :-

ٹھیک کہتی ہو، واقعی یہ بڑا ناداں چھوکرا ہے، سچ تو یہ ہے کہ اس ہنگامہ آرائی، اور فتنہ و فساد میں اس کا بہت زیادہ حصہ ہے! ـــــ لیکن تمہیں کیا ضرورت تھی کمین کے منہ لگنے کی!

اسماء :-

میں نہ بولتی، واقعی مجھے کسی کے معاملے میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن معاملہ تھا امیرالمومنین کا، میرے دل میں اُن کی عزت ہے، عقیدت ہے احترام ہے۔ کیونکر ممکن تھا کہ ان کا اصل دشمن سامنے بیٹھا تھا۔ اور میں خاموش

رہتی ! کیا میری عقیدت کا تقاضہ نہیں تھا کہ میں امیرالمومنین کو اس بہت بڑے خطرے سے آگاہ کر دیتی، جو خود ان کے گھر میں پروان چڑھ رہا ہے!۔

نائلہ :۔
ہاں ٹھیک کہتی ہو، مجھے تمہاری اس دلیری، صاف گوئی، اور بیباکی سے بڑی مسرت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عثمانؓ کو ہمیشہ غلط صلاح دی۔

اسماء :۔
اس وقت بھی اسی لیے آیا تھا، وہ تو میری وجہ سے بات کٹ گئی۔

نائلہ :۔
ہاں اب اپنی اُڑا رہا ہوگا!

اسماء :۔
تو چلئے سنیں، دیکھیں کیا کہہ رہا ہے!

نائلہ :۔
(مسکرا کر) پھر تم بیچ میں بول پڑو گی؟

اسماء :۔
نہیں بولوں گی، لیکن ذرا اس کی باتیں سن تو لیں چل کر۔

نائلہ :۔
اچھا آؤ، چلیں!

باب (۱۶)

مروان اور حضرت عثمان کی گفتگو

اسماء اور نائلہ، پھر والان کے دوسرے حصہ میں چلی گئیں ———— اور حضرت عثمان اور مروان کی باتیں سننے لگیں، مروان حضرت عثمان کے بالکل قریب بیٹھا تھا، اور انہیں مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

مروان :-

امیر المومنین، آپ کے اس طرزِ عمل سے، جو رحم و مروّت اور نرمی پر مبنی ہے، بنوامیّہ کی عزّت خاک میں مل گئی، اُن کی شوکت و حشمت پارہ پارہ ہو گئی ہم بنو اُمیّہ عرب کے وہ رُکن ہیں کہ، ہماری ذات سے عربوں کی شرکت و منزلت اور حشمت و جاہ قائم ہے، ہم اگر نہ ہوں تو عرب کچھ نہ رہ جائیں، یہ ذلیل، نکمے اور مفسد لوگ، جو مصر سے، کوفہ سے اور اِدھر اُدھر سے چڑھ آئے ہیں آفاقی لوگ ہیں، یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے،!

حضرت عثمان :۔
تمہاری تقریر بہت طویل ہوتی جاتی ہے۔

مروان :۔
بس مجھے صرف اتنا ہی عرض کرنا تھا۔

حضرت عثمان :۔
لیکن ہم بالکل نہیں سمجھے۔ ان باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے؟

مروان :۔
میرا مقصد صرف ایک ہے!

حضرت عثمان :۔
وہ کیا! وہی تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں:

مروان :۔
یہ کہ بنو امیہ کا وقار اور جلال قائم رہے ان کی شوکت و عزت میں کوئی فرق نہ آئے۔

حضرت عثمان :۔
تو کیا تم سمجھتے ہو ہماری خواہش یہ ہے کہ بنو امیہ ذلیل ہوں! ان کی قوت و شوکت ختم ہو جائے، وہ عزت اور وقار سے محروم ہو جائیں!

مروان :۔
——— خدا نہ کرے کہ میں ایسا سمجھوں .... !

حضرت عثمان :۔
پھر اس گفتگو کا کیا مطلب ہوا!

مروان :۔

میں نے تو ایک بات عرض کی تھی!

حضرت عثمان :۔

وہ تو ہم نے سن لی، اب یہ بتاؤ تم چاہتے کیا ہو؟

مروان :۔

صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آپ کے طرزِ عمل سے بنو امیّہ کو تقویت پہنچے۔ وہ کمزور نہ ہوں!

حضرت عثمان :۔

کس طرح! کیا کریں، ہم اس مقصد کے اس اصول کے لئے؟

مروان :۔

کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو ہمارے لیے مضر ہو، ضرر رساں ہو!۔

حضرت عثمان :۔

مثلاً ——————?

مروان :۔

ان مفسدین سے صاف صاف کہہ دیا جائے کہ تم باغی اور مفسد ہو، تم سے صلح نہیں ہو سکتی، تمہاری بات نہیں مانی جا سکتی۔ تمہیں اب کبھی کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی، تم اگر اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں ہو، تو غلطی پر ہو، جماعتوں کی قوت و طاقت، کثرت و قلت پر مبنی نہیں ہوتی، حوصلہ اور ہمّت پر ہوتی ہے۔ اور ہمارے پاس جتنا حوصلہ ہے، جیسی ہمت ہے تم اس سے محروم ہو۔

حضرت عثمان :۔

فرض کرو، ان سے یہ کہہ دیا جائے، تو کیا ہوگا؟ کیا نتیجہ نکلے گا؟

مروان :۔

یہ لوگ بھاگ کھڑے ہوں گے، ایک منٹ بھی مدینہ میں نہیں ٹِک سکیں گے۔

حضرت عثمان :-

اس سے کیا فائدہ ہو گا؟

مروان :-

ہماری جو ہوا اکھڑی ہو چکی ہے، وہ ختم ہو جائے گی، ہمارا وقار اور دبدبہ پھر بحال ہو جائے گا۔

حضرت عثمان :-

تم چاہتے ہو، میں وعدہ خلافی کروں؟

مروان :-

میرا مطلب ——!

حضرت عثمان :-

تم چاہتے ہو میں غلط بیانی سے کام لوں؟

مروان :-

جی نہیں، میں صرف اتنا ——!

حضرت عثمان :-

نہیں یہ نہیں ہو سکتا جو کچھ میں کہہ چکا ہوں، اس پر قائم رہوں گا۔ اور اس پے قائم رہوں گا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا۔ اور خلوص کے ساتھ کہا تھا۔

یہ کہہ کر حضرت عثمان برہمی کے عالم میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور گھر کے دوسرے حصّہ میں جہاں عام طور پر وہ تشریف رکھا کرتے تھے چلے گئے۔

باب (۱۷)

مروان باغیوں کو بھڑکاتا ہے

حضرت عثمان کے تشریف لے جانے کے بعد مروان کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا پھر نہ جانے یکایک اس کے جی میں کیا آئی کہ وہ اٹھا، اور گھر کے اس حصّے کی طرف گیا، جو پشت پر تھا، اور جہاں لوگ ایک ہجوم کی صورت میں اب تک جمع تھے۔ بہت کچھ منتشر ہو چکے تھے۔ لیکن جو رہ گئے تھے ان کی بڑی تعداد بھی تھی۔

مروان، اس جگہ پہنچا اور اس نے لوگوں کو مخاطب کر کے ایک زہریلی تقریر شروع کر دی، اس نے کہا:۔

لوگو ——— !

میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ فوراً جہاں جہاں سے آئے ہو، وہاں واپس چلے جاؤ۔ اس میں تمہاری خیریت ہے۔ اگر تم فوراً اپنے اپنے شہروں میں واپس نہ گئے، تو اس کا مطلب یہ لیا جائے گا۔ کہ تم سرکش ہو

باغی ہو، مفسد ہو، بداندیش ہو، اور پھر تمہارے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا، جو ایسے بدنہاد لوگوں کے ساتھ ایک مضبوط اور منظم حکومت کیا کرتی ہے۔

لوگو ــــــــ!

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ بنوامیّہ کمزور اور بزدل نہیں ہیں، نہ وہ تمہاری کثرتِ تعداد سے خائف ہیں، نہ تمہارے ہتھیاروں کی چمک دمک ان کی آنکھوں کو خیرہ کر سکتی ہے، نہ تمہارا شور و غوغا ان میں بزدلی اور کمزوری کے آثار پیدا کر سکتا ہے۔ وہ ایک بہت بڑی قوت ہیں۔ اور جو اس قوت سے ٹکرائے گا۔ اس کا سر کچل دیا جائے گا۔ وہ پامال کر دیا جائے گا۔

لوگو ــــــــ!

عقل مندی اور دور اندیشی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس مہلت سے جو تمہیں دی جا رہی ہے فائدہ اٹھاؤ، اور منتشر ہو جاؤ۔ آئندہ پھر کبھی یہاں آنے کی۔ اور سرکشی کا مظاہرہ کرنے کی جرأت نہ کرنا۔ ہم تم سے بالکل نہیں ڈرتے۔ نہ تمہاری پروا کرتے ہیں!"

باب (۱۸)

سِسکیاں

مروان کے الفاظ نے قیامت برپا کر دی!

وہی مجمع جو حضرت عثمان کی ملاطفت سے مطمئن ہو گیا تھا، اور ان کی اثر انگیز تقریر پر آنسو بہا رہا تھا۔ بپھر بپھر گیا، پھر غضبناک ہو گیا۔ پھر قابو سے باہر ہو گیا!

اسماء نے یہ تقریر سن کر نائلہ سے کہا:۔

"دیکھا آپ نے اس موذی کو؟"

نائلہ:۔

کیا کہوں؟ یہ کمبخت ہمیشہ اس طرح کام بگاڑا کرتا ہے۔ اب نہ جانے اس

کو دعوت دے رہا ہے!۔

یہ مسلمانوں کو کمزور کرنا چاہتا ہے، یہ چاہتا ہے ان کی ہوا اکھڑی ہو، وہ مٹ جائیں، تباہ ہو جائیں!

میں اپنا فرض ادا کروں گی!

میں اسے قتل کروں گی!

میں عورت ہوں، ضعیف ہوں، لیکن مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ اس کی جان لے سکوں"!

میرے پاس یہ خنجر ہے، اور اس میں اتنی آب ہے کہ چند لمحوں میں یہ اُس کا خاتمہ کر دے گا ———!

غصہ سے اس وقت اسماء کا بدن کانپ رہا تھا۔ اُس نے پیش قبض سے خنجر نکالا، اور یہ تہیہ کر کے بیٹھ گئی کہ اگر مروان ادھر سے گذرا تو وہ اپنی جان سلامت نہیں لے جا سکے گا۔ خنجر کی نوک اُس کے سینہ کے پار ہو گی، اور وہ یہاں خاک و خون میں تڑپتا ہوا نظر آئے گا!

بڑی دیر گذر گئی ———!

لیکن مروان اِدھر سے نہ گذرا، وہ خنجر بکف بیٹھی، مروان کا انتظار کر رہی تھی، لیکن وہ نظر نہ آیا!۔

جب کافی دیر گزر گئی، تو اس نے خنجر کو پیش قبض میں پھر رکھ لیا۔ اور چادر سے ڈھانپ لیا، اور نائلہ کا انتظار کرنے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد محمد بن ابی بکر اس طرف آتے ہوئے نظر آئے! انہوں نے جو اسماء کو اس طرح غضب ناک حالت میں دیکھا تو خاموش نہ رہ سکے!۔

محمد بن ابی بکر!۔

زہریلی تقریر کا کیا نتیجہ ہوگا؟۔

اسماء:۔

خدا خیر کرے، اس نے بارود میں چنگاری ڈال دی ہے۔

نائلہ:۔

جو لوگ مطمئن ہو کر واپس جا رہے تھے، وہ اب پھر غضبناک حالت میں مجتمع ہو رہے ہیں۔

اسماء:۔

واقعی مجمع دم بدم بڑھتا جا رہا ہے!

نائلہ:۔

خدا رحم کرے، میرا تو دل ہول رہا ہے!

اتنے میں ایک خادمہ آئی، اور اس نے نائلہ سے کہا:۔

"چلئے آپ کو امیر المومنین نے یاد فرمایا ہے!"

نائلہ امیر المومنین کی خدمت میں چلی گئیں،

اسماء اپنی جگہ تنہا بیٹھی رہ گئی، اس وقت اُس کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار تھے، مروان کی اس بے تکی اشتعال انگیز اور فتنہ پرور تقریر نے اسے سخت غضبناک کر دیا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی

مروان روز بروز ایک خوفناک اور خطرناک شخص بنتا جا رہا ہے۔ میرے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ میں اس کے وجود سے دنیا کو پاک کر دوں۔

اُسے قتل کر دوں، اس سے نجات دوں دنیا کو!

اس نے وہ سویا ہوا فتنہ پھر جگا دیا' یہ خون ریزی چاہتا ہے یہ خانہ جنگی

تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتیں، اس لئے اس راز کو چھپا رہی ہو۔ خیر میں تمہیں مجبور تو نہیں کر سکتا،!

اسماء کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور وہ ضبطِ گریہ کی ناکام کوشش کرنے لگی۔!

محمد بن ابی بکر نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ اور زیادہ بے قرار و پریشان ہو گئے۔ انہوں نے کہا،۔

یہ تمہاری کیا کیفیت ہے۔ اسماء خدا کے لیے کچھ تو بتاؤ!

اسماء نے کوئی جواب نہیں دیا، منہ ڈھانپ کر آہستہ آہستہ سسکیاں لے کر رونے لگی ——!

کیابات ہے اسماء تم اتنی برہم کیوں ہو! ——— چہرہ سُرخ ہے۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔ آخر کیوں! کیابات ہوئی؟

اسماء :۔
(اپنی کیفیت پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہوئے) نہیں کوئی بات نہیں۔

محمد بن ابی بکر :۔
تمہارے والد کہاں ہیں؟

اسماء :۔
(باآہ سرد) مجھے نہیں معلوم، میں نہیں جانتی بالکل نہیں جانتی۔

محمد بن ابی بکر :۔
تم نے یہ ٹھنڈی سانس کیوں لی!

اسماء :۔
(قدرے تبسم کے ساتھ) آپ تو میری نگرانی کر رہے ہیں!

محمد بن ابی بکر :۔
ہاں یہی سمجھ لو، لیکن تمہیں بتانا پڑے گا، کیابات ہے؟

اسماء :۔
کوئی بات ہو بھی تو بتاؤں؟ ویسے کیا بتاؤں؟

محمد بن ابی بکر :۔
ضرور کوئی بات ہے تم چھپا رہی ہو۔

اسماء :۔
کوئی بات نہیں، یقین کیجئے۔

محمد بن ابی بکر :۔

باب (۱۹)

اسماءؓ اور محمدؒ

اسماءؓ کو روتا دیکھ کر محمد کی حالت دگرگوں ہوگئی، اس لئے کہ وہ درحقیقت اسماءؓ سے اس وقت سے محبت کرنے لگا تھا۔ جب اُسے پہلی مرتبہ دیکھا، محبت کا تیر ہمیشہ پہلی ہی نظر میں ترازو ہوتا ہے اور خود اسماءؓ بھی ان دزدیدہ نظروں کا جواب محبت کی نگاہ سے دے چکی تھی، لیکن دونوں میں سے کسی کو بھی، حرفِ محبت زبان پر لانے کی جرأت نہیں ہوئی تھی، محبت جتنی خاموش ہوتی ہے۔ اتنی ہی گہری ہوتی ہے۔ یہ دونوں خاموش تھے۔ چُپ تھے، لیکن محبت کی جڑیں مضبوط ہو رہی تھیں، آج کئی دن کے بعد محمد نے اسماءؓ کو دیکھا، اور اس حال میں دیکھا تو تڑپ گیا۔ اس نے اسماءؓ سے کہا۔

محمد بن ابی بکرؓ:۔

خدا کے لیے مجھے پریشان نہ کرو، میں تمہارا رونا نہیں دیکھ سکتا مجھ پر رحم کرو!

اسماء:۔

میں زندگی سے عاجز آ گئی ہوں، یہ زندگی میرے لئے وبالِ روش بن گئی ہے۔

محمد بن ابی بکر:۔

آخر کیوں! زندگی سے اس قدر دل برداشتہ ہونے کی وجہ کیا ہے۔! کیا کسی نے تمہارا دل دکھایا؟

اسماء:۔

وہ تو ہر روز دکھایا جاتا ہے۔ اس کا کیا ذکر؟

محمد بن ابی بکر:۔

کون ہے وہ؟ مجھے اس کا نام بتاؤ ——— مجھے تمہارے حالات سے دلچسپی ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، کیا بات ہے جس نے تمہیں اس درجہ مضمحل، اور پریشان کر رکھا ہے۔

اسماء:۔

کیا کیجئے گا پوچھ کر؛

بڑی پُردرد ہے اپنی کہانی۔

نہ مجھے کہنے میں لطف آئے گا، نہ آپ کو سننے میں؛

محمد بن ابی بکر:۔

لیکن میں سن کر رہوں گا۔ تمہیں اس راز کے چہرے سے پردہ اٹھانا پڑے گا۔

اسماء:۔

مفت میں آپ کا وقتِ عزیز ضائع ہوگا۔!

محمد بن ابی بکر:۔

ہونے دو، تم اس کی پروا نہ کرو؛ اپنے وقت کی قدر و قیمت میں تم سے زیادہ جانتا ہوں!

آخر اسماء نے محمد کو اپنی ساری رام کہانی سنادی، مروان نے جس طرح زید کو قابو میں کیا تھا، جس طرح وہ مریم کی موت کا سبب بنا تھا، پھر امیر المومنین حضرت عثمان کے سامنے اس سے جو تیز و تند گفتگو ہوئی تھی اور معاملہ جس طرح شمشیر و خنجر تک پہنچا تھا، پھر اس نے حضرت عثمان سے جو گفتگو کی تھی، اور ان کے تشریف لے جانے کے بعد ہجوم سے جس طرح کی فساد انگیز باتیں کی تھیں، یہ ساری کتھا سنادی، پھر اپنے کپڑے کے نیچے سے خنجر نکالا۔ اور کہا :-

"بڑی دیر سے اس موذی کے انتظار میں بیٹھی ہوں، لیکن نہ جانے کیوں ادھر نہیں آیا۔ ورنہ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اُس کا کام تمام کر کے رہوں گی"!

محمد نے ابھی اسماء کی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ یکایک مروان اس کمرہ میں داخل ہوا، اور محمد کو یہاں دیکھ کر تلملا گیا۔ اس نے خشونت، اور برہمی کے ساتھ پوچھا:

"تم یہاں کیوں آئے! کس کی اجازت سے آئے!

محمد بن ابی بکر :-

یہ گھر میرا ابھی اتنا ہی ہے جتنا تمہارا ہے، یہاں آنے کا مجھے بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہیں ہے۔!

مروان :-

بہت خوب، چوری اور سینہ زوری اسی کو کہتے ہیں!

جناب یہ گھر، آپ کا، یا آپ کے والد محترم کا نہیں، امیر المومنین عثمان

بن عفان کا ہے، اور تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، عثمانؓ اور ابوبکرؓ کے تعلقات بھائیوں سے بھی زیادہ گہرے اور مستحکم تھے۔ اس گھر میں کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ یہ میرا گھر ہے۔ کم از کم میں تو یہی سمجھتا ہوں؛۔

اسماء :۔

آپ بھی کس کی باتوں کا جواب دے رہے ہیں، ایسے آدمیوں کو منہ نہیں لگانا چاہیے

مروان :۔

اسماء تیری یہ باتیں بہت نا واجب اور نامناسب ہیں، تو ہر معاملہ میں دخل دیتی ہے حالانکہ کیفیت یہ ہے کہ تو بھی جاہل ہے۔ اور تیرا باپ بھی جاہل ہے، اس کی تو یہ کیفیت ہے کہ وہ وضو کرنا تک نہیں جانتا۔

اسماء :۔

اب میں تم سے پوچھتی ہوں کہ تم اس گھر میں کیوں آئے؛ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں، اور ہرگز اسے پسند نہیں کرتی کہ تمہاری صورت دیکھوں؛

مروان :۔

(برہم ہوکر) تیری جرأت بہت بڑھ گئی ہے، امیرالمومنین کے سامنے تو نے گستاخانہ باتیں کیں، جس طرح دے گیا۔ لیکن ہر وقت یہ نہیں ہو سکتا۔

مروان کی یہ باتیں سن کر محمد بن ابی بکر کو غصہ آگیا۔ ایک تو وہ اسماء سے محبت کرتا تھا، دوسرے وہ جانتا تھا کہ اسماء حضرت علیؓ سے غیر معمولی عقیدت رکھتی ہے۔ تیسرے ابھی ابھی مروان کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں کا تمام ریزہ حال اسماء سے معلوم کر چکا تھا، اس نے میان سے تلوار نکال لی، اور مروان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا :۔

"آج تُو میرے ہاتھ سے زندہ نہیں بچ سکتا ۔ خبردار!"

لیکن اسماء بیچ میں آگئی، اس نے محمد کی تلوار پکڑ لی اور کہا،

"نہیں، ایسا نہ کیجئے، آپ کی یہ توہین ہے کہ آپ اس کے منہ نہ لگیں، اسے جواب دیں! اس سے باتیں کریں۔ آپ کی تلوار کی توہین ہے کہ اس کے گلے پر چلے اور اسے قتل کرے، یہ مجھ سے اکڑ رہا ہے۔ میں اُسے ترکی بہ ترکی جواب دے رہی ہوں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں اچھی طرح نبٹ لوں گی، آپ خاموش رہئے! یہ اگر تلوار کا دھنی ہے، تو مجھے بھی خنجر چلانا آتا ہے!"

مروان موقع شناش، اور معاملہ فہم آدمی تھا، اس نے دیکھا بات بگڑتی چلی جا رہی ہے، اوّل تو خود یہ چھوکری، اسماء کچھ کم نہیں ہے، پھر اس کا پشت پناہ محمد یہاں موجود ہے، یہ دونوں مل کر واقعی مجھے مار ڈالیں گے یہ سوچ کر اس نے پہلو بدلا، اور مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

"میں بہادر ہوں، اور ایک بہادر شخص کسی کمزور عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا جا میں تیری جاں بخشی کرتا ہوں"!

یہ کہہ کر مروان، کمرے سے باہر نکل گیا!

محمد نے محسوس کیا، اسماء خطرے میں ہے، ممکن ہے، کچھ دیر کے بعد موقع پا کر وہ پھر آئے، اور اُسے گزند نہ پہنچائے، چنانچہ اُس نے کہا۔

محمد بن ابی بکر:۔

تم جانتی ہو میں اس وقت یہاں کیوں آیا تھا؛

اسماء:۔

(زیر لب تبسّم کے ساتھ) میں نہیں جانتی، بتایئے کیوں آئے تھے آپ!

محمد بن ابی بکر:۔

مجھے حضرت علیؓ نے بھیجا تھا کہ تمہارا حال دریافت کر آؤں، وہ تم سے ہمدردی رکھتے ہیں، تمہاری والدہ کی موت کا انہیں بہت صدمہ ہے۔!

اسماء:۔

یہ ان کی کرم گستری ہے، حال جو کچھ ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں، بہرحال مجھے خدا پر بھروسہ ہے، وہی میری فریاد سنے گا، اور دادرسی کرے گا۔

محمد بن ابی بکر:۔

ایسا کرو، تم حضرت علی کے ہاں اٹھ چلو، وہاں نہ مروان کسی قسم کا گزند تمہیں پہنچا سکے گا۔ نہ کسی ذہنی کرب و اذیت سے تم دوچار ہوگی۔ ——— یہاں تمہیں ہر چہار طرف خطرے سے گھرا ہوا دیکھ رہا ہوں،!

اسماء:۔

حضرت علی کے مقدس گھر کا مکین بننا میرے لیے باعث سعادت ہے اور انشاءاللہ یہ سعادت میں حاصل کر کے رہوں گی، لیکن اس وقت تو نہیں جا سکتی۔

محمد بن ابی بکر:۔

اس میں کیا مصلحت ہے!

اسماء:۔

اس وقت اگر گئی، تو مروان یہ سمجھے گا کہ میں اس سے ڈر گئی۔ اور میں اُسے بتانا چاہتی ہوں کہ وہ کچھ نہیں ہے، ہیچ ہے، میں اس کی ذرا پرواہ نہیں کرتی

محمد بن ابی بکر:۔

اس مشورہ کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ مروان سے تمہیں خطرہ ہے، کچھ اور باتیں بھی ہیں:۔

اسماء:۔

مثلاً وہ کیا باتیں ہیں! بتایئے ــــــــــــ!

محمد بن ابی بکر:۔

یہ پُر آشوب زمانہ ہے۔ اور اس گھر میں تم بیٹھی ہو؛ اس کے چاروں طرف فتنے، طوفان، ہنگامے اور فسادات منڈلا رہے ہیں، بہتر یہ ہے کہ یہاں نہ رہو، تاکہ تمہیں کسی طرح کے حادثہ سے دوچار نہ ہونا پڑے،

محمد کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ یزید آگیا۔ یزید نے محمد کو دیکھا تو ادب سے گردن ــــ جھکالی، پھر بڑی شائستگی کے ساتھ پوچھا:۔

یزید:۔

آپ کا مزاج تو اچھا ہے؟

محمد بن ابی بکر:۔

ہاں اچھا ہوں، خدا کا فضل ہے!

یزید:۔

حضرت علی کا مزاج گرامی بھی امید ہے بعافیت ہوگا!

محمد بن ابی بکر:۔

خدا کا شکر ہے وہ بھی بخیر و عافیت میں!

یزید:۔

الحمدللہ ــــــــــــ کیا اس سال حضرت علی حج کے لیے مکہ نہیں تشریف لے جائیں گے! ویسے موسم تو قریب آگیا ہے اور میں دیکھتا ہوں، کہ لوگوں نے سفرِ حج کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔

محمد بن ابی بکر:۔

آپ کا خیال صحیح ہے، لیکن جہاں تک حضرت علی کا تعلق ہے۔

میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ حالات بہت زیادہ نازک اور پیچیدہ صورت اختیار کر چکے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کیا ہونے والا ہے۔ ان حالات میں حضرت کا یہیں مدینہ میں مقیم رہنا زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔

یزید:۔

اور آپ؟ آپ تو غالباً ضرور جائیں گے۔

محمد بن ابی بکر:۔

ہاں مجھے جانا تو چاہیے۔ حضرت علی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں جاؤں۔ میری خواہر محترمہ (حضرت عائشہؓ) بھی حج کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ ان کی معیت کی خاطر بھی مجھے جانا چاہیے۔ لیکن جن حالات کی طرف میں نے بھی اشارہ کیا، ان کے باعث شاید میں بھی اس سال نہ جا سکوں!

یزید:۔

نہیں اس کے علاوہ کوئی اور وجہ بھی ہوتی ہے، شاید آپ اپنا حال مجھ سے نہیں کہنا چاہتے!

محمد بن ابی بکر:۔

کوئی خاص بات نہیں، جو تھی وہ میں نے کہہ دی!

یزید:۔

جن خطرات کی طرف آپ نے ابھی اشارہ کیا، وہ تو بہت زیادہ بڑھتے جاتے ہیں، بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ سنگین سے سنگین تر ہوتے جا رہے ہیں۔

محمد بن ابی بکر:۔

جی ہاں، اسی خیال سے میں نے انہیں (اسماء) کو مشورہ دیا تھا کہ حضرت علیؓ کے ہاں قیام کریں، اور اب میں آپ سے بھی یہی عرض کرتا ہوں!

یزید:-

آپ کے اس التفات اور توجہ کا شکریہ، ابھی تو بعض وجوہ سے معذور رہوں انشاءاللہ چند روز بعد دیکھا جائے گا!

اس گفتگو کے بعد، محمد بن ابی بکر رخصت ہو گئے اور یزید نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اگر حسن اتفاق سے میں نہ پہنچ جاتا، تو بہت ممکن تھا۔ اسماء محمد کی ہاتوں میں آجاتی۔ اور یہاں سے بیت علی میں پہنچ جاتی اگر ایسا ہوتا تو میرے تمام منصوبے خاک میں مل جاتے، اور میں کہیں کا نہ رہتا۔ پسچ ہے، خدا جو کچھ کرتا ہے۔ ٹھیک ہی کرتا ہے۔ بندہ کے لیے وہی مناسب ہوتا ہے، یہ اگر چلی جاتی تو قیامت تک میرے ہاتھ نہیں آ سکتی تھی اور اب میرے بس میں ہے۔ میرے قبضہ میں ہے۔!

باب (۲۰)

باغیوں نے پانی بند کر دیا

محمد چلا گیا!

اور اسماء شام تک اپنے خیالات میں غرق، چپ چاپ بیٹھی رہی بڑی دیر کے بعد نائلہ آئیں وہ اسماء کو لے کر دوسرے کمرے میں پہنچی اب شام ہو چکی تھی، انہوں نے کھانا لانے کا حکم دیا، فوراً دستر خوان بچھایا گیا، دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اس سے فراغت کے بعد، نائلہ نے خادم کو حکم دیا کہ وہ جائے اور معلوم کرے کہ اس وقت حضرت عثمان کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں! نائلہ حضرت کے بارے میں بہت فکر مند رہتی تھیں، اور برابر اس ٹوہ میں رہتی تھیں کہ وہ کسی خطرے سے تو دوچار نہیں ہو رہے ہیں!

خادم تھوڑی دیر میں واپس آیا، اُس نے کہا :۔

خادم :۔

حضرت بہت پریشان و مغموم، افسردہ مضمحل بیٹھے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی خاص فکر جس نے انہیں پریشان و مضطر کر رکھا ہے !

نائلہ :۔

انہوں نے کھانا بھی کھایا یا نہیں ؟

خادم :۔

اس وقت تک تو نہیں کھایا، میں نے کئی مرتبہ اصرار کیا، مگر انہوں نے بھوک نہ ہونے کا عذر کر کے ٹال دیا۔

اسماء :۔

باغیوں اور مفسدوں نے کوئی نئی شرارت تو نہیں کی ؟

خادم :۔

وہ دروازے پہ جمع ہیں، اور شر و فساد پر پورے طور پر آمادہ نظر آ رہے ہیں۔

اسماء :۔

یا اللہ رحم کر !

نائلہ :۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا، ان باتوں کا انجام کیا ہوگا ؟

خادم :۔

آج تو ایک بالکل نئی بات ہوئی ہے !

اسماء :۔

نئی بات کون سی ؟ کیا کوئی خاص واقعہ ہوا ہے ؟

خادم :-
جی ہاں، خاص اور بہت عجیب تکلیف دہ واقعہ!

نائلہ :-
تو کمبخت بتاتا کیوں نہیں؛ چبا چبا کر کیوں باتیں کر رہا ہے۔!

خادم :-
آج تو باغیوں نے پانی بھی بند کر دیا ہے، اب تک کل کا بچا ہوا پانی کام میں لایا گیا ہے، سو اب وہ بھی ختم ہو رہا ہے، اس کے بعد کیا ہوگا!

نائلہ :-
ان کمبختوں میں انسانیت بھی نہیں ہے، پانی بند کر کے ہمیں ترسا ترسا کے مارنا چاہتے ہیں۔"

اسماء :-
خدا ان سے سمجھے، خدا ان کے کرتوت دیکھ رہا ہے، وہ ضرور سزا دیگا۔
نائلہ نے کوئی جواب نہیں دیا، ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
اسماء نے انہیں تسکین دیتے ہوئے کہا۔
"آپ پریشان نہ ہوں، ان کے پانی بند کرنے سے کیا ہوتا ہے؛ پانی آئے گا۔ اور ضرور آئے گا۔ آخر مدینہ منورہ مسلمانوں کی بستی ہے۔ اور یہ گھر کسی معمولی آدمی کا نہیں، امیر المومنین کا نشیمن ہے۔

نائلہ :-
بیٹی، تمہاری اس ہمدردی کا شکریہ، لیکن سوچو تو جب باغیوں نے راستہ بند کر دیا ہے۔ اور آمد و رفت کی راہیں مسدود ہو گئی ہیں، تو اگر کوئی ہمدرد اور بہی خواہ لانا بھی چاہے تو کس راستہ سے لائے گا! مفت میں اس کی جان

بھی جائے گی؛

اسماء:۔

نہیں ایسا نہیں ہوگا، بغیر کسی خطرہ کا مقابلہ کیے ہوئے پانی یہاں پہنچ سکتا ہے، اور انشاء اللہ پہنچ جائے گا۔

نائلہ:۔

کس طرح بیٹی ــــــــــــ؟

اسماء:۔

دیکھیے میں بتاتی ہوں، پانی بنو محترم کے راستہ سے آئے گا، وہ راستہ جو اس مکان کے نیچے نیچے گیا ہے، اور جس کے وجود سے باغی قطعاً ناواقف ہیں اس لیے کہ وہ یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں، اور یہاں کے اندرونی معاملات سے قطعاً ناواقف ہیں۔

نائلہ:۔

اچھا مان لیا، پانی آجائے گا، لیکن اس محاصرہ اور شورش کا انجام کیا ہوگا؛ یہ بھی سوچا؛

اسماء:۔

وہی ہوگا، جو خدا کی مرضی ہوگی۔ اس کی مرضی کے آگے انسان سر جھکانے پر مجبور ہے۔

۴۴۴۴

باب (۲۱)

دلِ بیقرار

اسی اثنا میں مروان آگیا ، وہ اس وقت مسلح تھا، اور ادھر اُدھر اس طرح دیکھتا ہوا آرہا تھا جیسے کسی خطرے سے دوچار ہے!

نائلہ :-

مروان خیر تو ہے اس وقت تم کیسے ؟

مروان :-

میں ایک بہت ضروری کام سے جارہا ہوں۔ اور جانے سے پہلے اسماء سے دو دو باتیں کرلینی چاہتا ہوں۔

اسماء :-

فرمائیے میں سن رہی ہوں۔ آپ کیا فرماتے ہیں؛

مروان :۔

تم نے کہا تھا، تم مجھ سے نہیں ڈرتیں، میری تلوار سے نہیں ڈرتیں، میرا مقابلہ کرنے کو تیار ہو؟ کہا تھا نہ ؟

اسماء :۔

ہاں کہا تھا، اور اب بھی اپنے قول پر قائم ہوں، اب بھی اگر تو اپنی حسرت نکالنا چاہتا ہے تو نکال لے !

مروان :۔

میں جانتا ہوں، تم میں یہ جرأت کہاں سے آئی ہے! تم جس شخص پر اتنا بھروسہ رکھتی ہو کہ اس کے لیے مجھ سے بگاڑ بیٹھیں اُسے مچھر کی طرح میں مسل دوں گا، میرا اور محمد کا مقابلہ ہی کیا ہے؛ کہاں میں کہاں وہ! کجا ایک ذرۂ بے مقدار، کجا ایک آفتاب عالمتاب؛

محمد کا نام سن کر ــــــــ اور شیخی کی ان باتوں سے اسماء چڑ گئی۔

اسماء :۔

تم نے جس شخص کا نام لیا ہے تم اس کی خاکِ پا کی برابری بھی نہیں کر سکتے۔ تمہاری بہادری اور حوصلہ کا یہ عالم ہے۔ اس کے سامنے سے تو بلّی کی طرح دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور تلوار اب کہ وہ نہیں ہے، تو پھر اپنی بہادری کے جھوٹے افسانے پڑھتے ہوئے آتے ہو۔ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے دل سے فیصلہ کرو کہ تم شجاع اور دلیر ہو، یا بزدل اور کم حوصلہ؛

مروان :۔

محمد کا نام سن کر تمہیں اتنا غصّہ کیوں آگیا!

اسماء :-

اس لیے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو !

مروان :-

وہ وقت بھی جلد آنے والا ہے۔ جب میرا سچ تم پر ظاہر ہو جائے گا

اسماء :-

دیکھیں گے آپ کے سچ کو ______ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری حرکتوں کا ہم لوگوں کو علم نہیں ہے ! تم نے جو مفسدہ پردازیاں کر رکھی ہیں ان سے اب سب واقف ہوتے جا رہے ہیں ______ !

مروان :-

مفسدہ پردازیاں اور فتنہ طرازیاں میرے دامن سے نہیں، کسی اور کے دامن سے وابستہ ہیں، اور تمہیں بتا دوں، وہ ذات گرامی محمد بن ابی بکر کی ہے !

اسماء :-

غلط، بالکل غلط، سراسر جھوٹ ______ !

مروان :-

(قہقہہ لگا کر) غصہ کرنے سے حالات و واقعات نہیں بدلا کرتے !

اسماء :-

جھوٹ بولنے سے بھی حالات و واقعات میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی !

مروان :-

محمد بن ابی بکر، امیر المومنین کا بدترین مخالف اور دشمن ہے، وہ باغیوں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ وہ سند خلافت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے وہ شرارت، اور فساد پر آمادہ ہے، اور یاد رکھو، بلکہ اس کو بتا دو کہ یہ حرکتیں بالا بالا

نہیں جائیں گی، ان کا محاسبہ ہوگا، اور ایک ایک بات کی قرار واقعی سزا ملے گی!
ان باتوں نے اسماء کو بہت زیادہ برافروختہ کر دیا، وہ تند و تیز جواب
دینے کو تھی کہ نائلہ نے مروان کو مخاطب کیا!

نائلہ:۔
مروان تمہیں کیا ہوگیا ہے!

مروان:۔
کچھ نہیں، ذرا اظہارِ حقیقت کر رہا تھا، اس پر یہ (اسماء کی طرف اشارہ کر
کے) بگڑ گئیں!

نائلہ:۔
یہ میرا گھر ہے، یہ میرا کمرہ ہے، اسے تم نے تیر نگاہ کیوں بنا رکھا ہے!
ایسے ہی بہادر ہو تو جاؤ، باغیوں سے لڑو، مفسدوں کی سرکوبی کرو، سازش کرنے
والوں سے بلا رو در رُو ہو کر دشمنانِ امیر المومنین کا مقابلہ کرو، یہاں اس کمرہ
میں ایک نوعمر لڑکی سے ڈینگیں کیوں مار رہے ہو!

مروان:۔
(مسکرا کر) آپ بھی ان کی طرفداری کرنے لگیں، مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی!

نائلہ:۔
اور مجھے بھی تم سے یہ توقع نہ تھی کہ اس طرح تم اپنی رکاکت طبع اور پستی
ذہنیت کا مظاہرہ کرو گے!

مروان:۔
کیا آپ چاہتی ہیں میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں!

نائلہ:۔

ہاں ——— تم ابھی ابھی تو کہہ رہے تھے کہ کہیں جا رہے ہو!

مروان :۔

جی ہاں، اور مجھے دیر ہو رہی ہے، جلد چلا جانا چاہئے تھا! مجھے ——!

نائلہ :۔

تو کس نے روک رکھا ہے! کیوں نہیں جاتے!

مروان :۔

جاتا ہوں ——— لیکن ذرا ایک بات سن لیجیے۔!

یہ کہہ کر مروان نائلہ کو لے کر کمرے سے باہر نکلا!

مروان :۔

میں جاتا ہوں، لیکن جانے سے پہلے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔!

نائلہ :۔

کہہ بھی چکو کسی طرح،

مروان :۔

میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ اسماء سے محبت کرتا ہوں، جب تک وہ میری نہ ہو جائے، میں بے قرار رہوں گا، آپ اسے اپنے پاس رکھیے اور ہموار کرنے کی کوشش کیجیے، مجھے اسی دن سکھ ملے گا، جب اسماء میری ہو جائیگی۔

نائلہ :۔

عجیب چیز ہو تم بھی!

مروان :۔

کیا گناہ ہوا اس خادم سے!

نائلہ :۔

ایک طرف اسماء سے محبت کا دعویٰ ہے، دوسری طرف اس کی توہین کرتے ہو، اس سے لڑتے ہو، چاہتے ہو وہ تمہاری بن جائے اور الجھن یہ ہیں کہ وہ نفرت کرنے لگے!

مروان :۔

میرے اور اس کے خیالات مختلف ہیں، عقائد میں اختلاف ہے۔ وہ معاملات و مسائل کو جس نظر سے دیکھتی ہے میں نہیں دیکھتا۔ لیکن اس کے باوجود اس سے بیتابانہ محبت کرتا ہوں، یہ محبت میری زندگی کی ساتھی بن چکی ہے۔

نائلہ :۔

تو کم از کم اتنا تو کرلو کہ اس سے لڑو نہیں۔ اس کے سامنے توہین آمیز الفاظ نہ استعمال کرو۔ اسے مشتعل کرنے کی کوشش نہ کرو، اگر اتنا بھی نہیں کرسکتے تو تمہارا دعوائے الفت جھوٹ ہے، اور میں قطعاً تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔

مروان :۔

خدا کے لیے یہ نہ کہیے۔ ورنہ میری آس ٹوٹ جائے گی!

نائلہ :۔

اگر آس قائم رکھنا چاہتے ہو، تو اپنا طرزِ عمل بدلو!

مروان :۔

بات یہ ہے کہ میں خود بھی تیز مزاج ہوں، مخالفت برداشت ہی نہیں کرسکتا خواہ وہ کوئی ہو!

نائلہ :۔

اور یہی ذہنیت اسماء کی بھی ہے، وہ بھی کسی کا دباؤ نہیں قبول کرسکتی!

مروان :۔

یہ تو بڑی مشکل ہے پھر۔؟

نائلہ :۔

پھر بھی اگر اُسے حاصل کرنا چاہتے ہو، تو یہ اکڑبازی چھوڑ دو، ویسے بھی عورتوں کے ساتھ وہ برتاؤ مناسب نہیں ہے، جو تم نے اسماء کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے ——!

مروان :۔

اچھی بات، اب کوشش کروں گا کہ ایسی حرکت سرزد نہ ہو لیکن آپ بھی اسماء کو سمجھا دیجیے کہ وہ مجھ سے نہ اُلجھا کرے۔

نائلہ :۔

میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی، تمہیں اپنے وعدے پر قائم رہنا پڑے گا!

باب (۲۲)

اسماء اور نائلہ کی باتیں

اس گفتگو کے بعد، مردان چلا گیا، اسے رخصت کرنے کے بعد نائلہ پھر اپنے کمرہ میں واپس آگئیں، جہاں اسماء منہ پھلائے بیٹھی تھی، مردان کی باتوں نے اُسے بہت زیادہ مشتعل کر دیا تھا؛

نائلہ:۔
بیٹی کیا سوچ رہی ہو بیٹھی ہوئی؟

اسماء:۔
جی کچھ نہیں، آپ کا انتظار کر رہی تھی؛

نائلہ:۔
میں آگئی، لیکن تمہارا غصّہ اب تک نہیں اُترا کیوں ـــــــ؟

اسماء :۔
(مسکرا کر) غصہ کیا کروں گی، لیکن دیکھیے تو سہی یہ مروان کتنا بڑا جھوٹا شخص ہے۔!

نائلہ :۔
ہے تو (مسکرا کر) لیکن بہت زیادہ نہیں!

اسماء :۔
آپ کا خیال ہے اس نے محمد بن ابی بکر کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ صحیح اور درست ہے!

نائلہ :۔
ہاں ———— بڑی حد تک!

اسماء :۔
(متحیر ہو کر) واقعی کیا سچ مچ!

نائلہ :۔
بات یہ ہے کہ محمد کی خواہش تھی کہ اسے مصر کی گورنری پر فائز کر دیا جائے۔

اسماء :۔
کیا آپ کے نزدیک وہ اس منصب کے سزاوار نہیں!

نائلہ :۔
سنو تو ———— جب اس نے یہ خواہش کی اس کا دودھ شریک بھائی، عبداللہ بن سعد کا وہاں کافی اثر تھا، چنانچہ وہ واپس بلا لیا گیا، اور محمد کو یہ منصب سونپ دیا گیا اور وہ مصر روانہ ہو گیا!

اسماء :۔

اچھا ـــــــــــ مجھے یہ نہیں معلوم تھا۔

نائلہ :۔

لیکن وہ ابھی مصر پہنچا نہیں تھا کو خلیفۃ المسلمین امیرالمومنین کو اس کی بعض کمزوریوں اور کوتاہیوں کی طرف توجہ دلائی گئی۔ چنانچہ انہوں نے تقرر کے احکام واپس لے لیے گئے۔ اور وہ راستہ سے واپس آگیا،

اسماء :۔

ضرور یہ بھی، مروان کی شرارت ہوگی۔

نائلہ :۔

تم تو بہت بدگمان ہوگئی ہو مروان سے !

اسماء :۔

اس کی حرکتیں بھی تو ایسی ہی ہیں، غور کیجیے، ایک شخص، ایک جگہ کا حاکم مقرر کردیا جاتا ہے، پھر، وہ راستہ سے واپس بلا لیا جاتا ہے، اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ امیرالمومنین نے اسے مستحق سمجھا، اور یہ منصب سونپ دیا، مروان نے غلط رنگ میں واقعات پیش کیے اور راستہ سے واپس بلوالیا بھلا اس کا صدمہ ہوگا یا نہیں !

نائلہ :۔

ہاں، جبھی سے وہ خلیفہ کیخلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔

اسماء :۔

لیکن اسے ملامت نہیں کی جا سکتی، اگرچہ بہت اچھا ہوتا، اگر پھر بھی وہ مخالفت نہ کرتا۔ اس گفتگو کے بعد، نائلہ کسی کام میں مصروف ہوگئیں، اور اسماء پھر خاموشی کے ساتھ حالات پر غور کرنے لگی۔

باب (۲۳)

حضرت عثمانؓ کا مُحاصِرہ

کئی ہفتے گذر گئے ــــــــــــ!

اسماء بدستور نائلہ کے پاس مقیم تھی، اس عرصہ میں وہ برابر حالات کی رفتار کو غور سے دیکھتی رہی، وہ باغیوں کو اور ان کی حرکتوں کو سخت ناپسند کرتی تھی، اور اب یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ محمد کا دل امیرالمومنین سے صاف نہیں ہے، اور کسی حد تک وہ باغیوں سے ہمدردی رکھتا ہے پھر اس کے دل میں محبت کی جو چنگاری سُلگ رہی تھی، وہ بدستور سُلگتی رہی!

جتنا جتنا وہ محمد کے کردار اور شخصیت پر غور کرتی تھی، اتنی ہی اس کے دل میں محبت بڑھتی جاتی تھی، اس کی دلی خواہش تھی کہ محمد کا دامن مخالفت کے الزام سے پاک ہوتا، لیکن اس مخالفت کے اسباب و محرکات پر جب۔

وہ غور کرتی تھی، تو محمد کو بے قصور پاتی تھی، محمد آخر آدمی تھا اگر خواہ مخواہ اس کی تذلیل کی جائے اور اُسے اس منصب سے محروم کر دیا جائے جس کا وہ مستحق تھا۔ تو کیوں کر ممکن تھا کہ اُسے شکایت نہ ہو۔

اس عرصہ میں اُس کی نگاہوں نے بار بار محمد کو تلاش کیا، لیکن وہ نظر نہ آیا۔ اور مروان بھی دکھائی نہیں دیا۔ وہ حیرت میں تھی کہ یہ دونوں کہاں غائب ہو گئے! کس کام سے گئے ہیں؟ اور کب تک رہیں گے!

ادھر حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ بدستور جاری تھا۔!

محاصرہ کو چالیس دن کی طویل مدت گذر چکی تھی۔!

پانی اب تک بند تھا، اور باغیوں نے پورے طور پر ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ بنو محترم کے ہاں سے خفیہ طور پر پانی پہنچ رہا تھا، لیکن محاصرہ کی شدت نے حالات بہت زیادہ ابتر کر دیے تھے۔ گھر بھر پر ایک عجیب پریشانی، اور اضطراب کی کیفیت طاری تھی!

یہ حالات دیکھ کر اسماء نائلہ کے پاس گئی اور کہا۔

اسماء:۔

آپ دیکھ رہی ہیں۔ محاصرہ کی شدت برابر بڑھتی جا رہی ہے۔

نائلہ:۔

ہاں دیکھ رہی ہوں اور کچھ نہیں کر سکتی!

اسماء:۔

لیکن کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیے!

نائلہ:۔

میری سمجھ میں تو خاک نہیں آتا، تم اگر کچھ کر سکتی ہو تو کرو!

اسماء :-

میری رائے تو یہ ہے کہ حضرت علی سے اس معاملہ میں رجوع کرنا چاہیے۔

نائلہ :-

تجویز تو معقول ہے، لیکن وہاں کسے بھیجا جائے ؟

اسماء :-

اگر آپ اجازت دیں تو میں چلی جاؤں ؟

نائلہ :-

تم ——— ! نہیں یہ مناسب نہیں ہے!

اسماء :-

مجھے جانے دیجیے!

نائلہ :-

جانے تو دوں، لیکن اگر تم باغیوں کی نظر میں آگئیں، تو وہ تمہیں بھی پریشان کریں گے، اور بدسلوکی سے پیش آئیں گے!

اسماء :-

آپ اس کی پروا نہ کیجیے، میں بھگت لوں گی!

نائلہ :-

اگر تم جانے پر تلی ہوئی ہو تو میں روک نہیں سکتی، جاؤ، لیکن کس طرح جاؤ گی یہ بھی تو بتاؤ؟

اسماء :-

مردانہ لباس پہن کر، پھر مجھے کوئی نہیں روکے گا!

نائلہ :-

بہتر ہے، میں تمہاری کامیابی کی دعاء کرتی ہوں!

باب (۲۴)

اسماء بارگاہِ مرتضوی میں

اسماء نے نائلہ سے رخصت ہو کر مردانہ کپڑے پہنے، اور گھر سے نکل کر سیدھی حضرت علی کے درِ دولت پر پہنچی، یہاں اس وقت کافی لوگ جمع تھے جن میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے، یہاں داخل ہونے سے پہلے، اسماء نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا تھا، وہ آئی، اور خاموشی کے ساتھ، ایک گوشے میں بیٹھ گئی۔

حضرت علی کی جب اس پر نگاہ پڑی تو انہوں نے دریافت فرمایا۔

"تم کون ہو! اور کیوں آئے ہو؟"

اسماء نے جواب دینے سے پہلے اپنا نقاب اُلٹ دیا، حضرت علی نے اسے پہچان لیا، اور شفقت و محبت کے ساتھ فرمایا،۔

"اچھا اسماء تم ہو، آؤ آؤ!
وہ قریب آکر بیٹھ گئی؛

حضرت علیؓ:۔
کیوں بیٹی اچھی تو ہو!۔

اسماءؓ:۔
دعا ہے آپ کی خدا کا فضل ہے!

حضرت علیؓ:۔
بہت دنوں کے بعد تم نظر آئیں، کہاں رہیں اتنے دنوں!

اسماءؓ:۔
میں حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ نائلہ کے پاس مقیم ہوں"!

حضرت علیؓ:۔
اچھا اچھا، آرام سے تو ہو وہاں! نائلہ کی مہمان نوازیوں سے یقیناً تمہیں کوئی شکایت نہ ہوگی!

اسماءؓ:۔
بالکل نہیں، میں ان کی بہت شکر گذار ہوں، مجھے انہوں نے بہت اچھی طرح رکھا، میرے ساتھ ان کا برتاؤ محبت اور شفقت کا ہے۔

حضرت علیؓ:۔
الحمد للہ ـــــــــ لیکن اس وقت آنے کا مطلب، کوئی ضرورت ہو تو بے تکلف کہو انشاء اللہ پوری کی جائے گی۔

اسماءؓ:۔
آپ کی دستگیری، اور مشکل کشائی، میری ہر مشکل آسان کرے گی، یہ جانتی

حضرت علیؓ :۔

تمہارا ایک ایک بول صحیح ہے، ہم میں سے کسی ایک کی بھی یہ رائے نہیں ہے کہ امیر المومنین کا دامن کسی گناہ سے آلودہ ہے!

حضرت طلحہ :۔

ان کی نیکی، مروت، علم، بردباری، سخاوت، شرافت، ملاطفت، سب چیزیں اپنی جگہ مسلّم ہیں ان سے کوئی انکار نہیں کرسکتا:

حضرت زبیر :۔

جو شخص ان کی خوبیوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے، وہ کوئی اور ہی ہے۔

اسماء :۔

اور میں اُسے خوب اچھی طرح سے جانتی ہوں!

حضرت علیؓ :۔

تمہاری نگاہ میں وہ شخص کون ہے!

اسماء :۔

مروان ——————!

حاضرین میں سے کئی آدمی، بیک وقت بول اٹھے۔

"اس لڑکی کا خیال بالکل صحیح ہے۔ تمام فتنوں کی جڑ مروان، اور صرف مروان ہے"!

اسماء :۔

میں جانتی ہوں کہ وہی تھا جس نے امیر المومنین عثمان کو اس وعدے سے منحرف کرنے کی کوشش کی جو وہ کرچکے تھے!

ایک آواز :۔

ہوں، لیکن اس وقت ایک دوسرے مقصد سے حاضر ہوئی ہوں۔

حضرت علیؓ :۔

تو کہو، اجازت ہے!

اسماء :۔

میں کچھ امیر المومنین عثمان کے بارے میں عرض کرنا چاہتی ہوں!

حضرت علیؓ :۔

ہاں ہاں کہو، ضرور کہو۔!

اسماء :۔

میں چاہتی ہوں، میری معروضات کے دوران میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔

حضرت علیؓ :۔

ایسا ہی ہوگا، تمہاری گفتگو میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا

اسماء :۔

اس مجلس میں اس وقت آپ کے مکان پر رسول اللہ کے صحابی، اور اربابِ حل وعقد تشریف فرما ہیں، میں ان ہی کو مخاطب کرنا چاہتی ہوں،۔

حضرت علیؓ :۔

تمہیں اجازت ہے۔

اسماء :۔

میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ امیر المومنین عثمانؓ ، ایک فرشتہ صفت بزرگ ہیں، ان کا دامن ہر غلطی اور کوتاہی سے پاک ہے۔ وہ نہ اس کے مستحق ہیں کہ معزول کر دیئے جائیں، جو لوگ ان کے خلاف فتنہ فساد برپا کرنے کی سعی کر رہے ہیں وہ ایک مقدس شخص کے خلاف صف آرا ہیں، اور یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ قطعًا ناقابلِ برداشت!

اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

اسماءؓ:۔

جی نہیں، میں اس کی گواہ ہوں کہ ایسا نہیں ہوا!۔

حضرت طلحہؓ:۔

یہ تم کس بنیاد پر کہتی ہو۔!

اسماءؓ:۔

اگر اجازت ہو تو جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا ہے، اس کی تفصیل گوش گزار کردوں!۔

حضرت علیؓ:۔

ضرور کہو، تمہیں سب کچھ کہنے کی اجازت ہے۔!

پھر اسماءؓ نے وہ تمام باتیں سنادیں، جو اس نے اپنے کانوں سے سُنی تھیں۔ مروان کا آنا، اور حضرت عثمان کو بنوامیّہ کے نام پر وعدے سے منحرف کرنے کی کوشش کرنا، حضرت کا صاف الفاظ میں انکار کرنا اور ان کے تشریف لے جانے کے بعد مروان کا مجمع کے سامنے پہنچنا اور اشتعال انگیز تقریر کرنا، اور پھر نائلہ کے سامنے سارا الزام محمد بن ابی بکر پر لگادیا۔

یہ سب کہہ چکنے کے بعد اسماءؓ نے کہا:۔

میری سچائی کے ساتھ یہ رائے ہے کہ جب تک مروان زندہ ہے۔ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکتی رہے گی۔ حالات بگڑتے رہیں گے۔ خانہ جنگی ہوتی رہے گی، مسلمان مسلمان کی گردن کاٹتا رہے گا!

اسماءؓ کی جب تقریر ختم ہوئی، تو حضرت علیؓ نے حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

"خدائے بزرگ و برتر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس لڑکی نے جو کچھ کہا ہے، وہ بالکل صحیح اور درست ہے، یہ آواز جو اس کے حلقوم سے نکلی، دراصل اس کی نہیں فرشتۂ غیب کی آواز ہے، اس میں صرف حق ہے، صداقت ہے، واقعیت ہے"!

باب (۲۵)

حضرت علیؓ کے انتظامات

اس کے بعد حضرت علی اسماء کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

"اسماء

شاید تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم نے باغیوں کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی، اگر واقعی تمہارا یہ خیال ہے تو غلط ہے۔ میں نے اور دوسرے صحابۂ کرام امیر المومنین عثمانؓ کے حامی و مددگار ہیں ہم میں سے کسی کی یہ خواہش نہیں کہ وہ معزول کر دیے جائیں، یا خدانخواستہ قتل کر دیئے جائیں، ہم میں سے ہر ایک نے کوشش کی کہ باغی راہِ راست پر آجائیں۔ اور یہ فتنہ دفع ہو جائے، لیکن ہماری یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس لیے کہ انہیں جیسا کہ تم نے ابھی بتایا،

جب وہ صلح و آتشی پر آمادہ ہوئے، قتل و غارت پر اکسایا گیا، ایک بات شاید اور تمہیں نہیں معلوم، اُم المومنین اُم حبیبہ بہ نفسِ نفیس خچر پر سوار ہو کر، ان باغیوں کے پاس گئیں، اور انہیں سمجھایا لیکن وہ کسی طرح راہ راست پر نہیں آئے۔

بہرحال ہم اپنی کوششوں سے غافل نہیں ہیں اور جو کچھ کر سکتے ہیں، وہ کریں گے، یہ ہمارا فرض ہے!"

ان ارشادات کے بعد، حضرت علی نے حضرت زبیر بن العوام، اور حضرت طلحہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"امیر المومنین کے محاصرہ کو اتنی طویل مدت گزر چکی ہے۔ اور حالات بگڑتے ہی چلے جا رہے ہیں ——————!

حضرت طلحہ !

اس سلسلہ میں ہم جو کچھ کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے تیار ہیں!

حضرت زبیر:۔

اور میں بھی کسی سعی سے دریغ نہ کروں گا!

حضرت علی :۔

میری رائے یہ ہے کہ ہمیں اپنے لڑکوں کو امیر المومنین کے گھر کی حفاظت پر مامور کر دینا چاہیے، اور پھر ہم میں سے ہر ایک فرداً فرداً باغیوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔

اس کے بعد، حضرت علیؓ نے خادم سے کہا:۔

"حسن اور حسین کو بلا لاؤ!"

باب (۲۷)

رسولؐ کے نواسوںؓ کا درِ عثمانؓ پر پہرہ

نائلہ، اسماء کی منتظر تھیں، لیکن اسماء اب تک واپس نہیں آئی تھی۔ یکایک کچھ شور و غل سا ہوا، اتنے میں ایک خادم آیا، اُس سے پوچھا:۔

کیا بات ہے! یہ شور و غل کیسا ہے؟"

اس نے بتایا،

حضرت علی نے اپنے صاحبزادوں، حسن اور حسین کو، نیز طلحہ اور زبیر کے بیٹوں کو امیر المومنین کی حفاظت اور خدمت پر مامور کیا ہے، وہ لوگ آئے ہیں۔ اور باقاعدہ پہرہ دے رہے ہیں۔

یہ بات سن کر نائلہ خوش ہوگئیں۔ ان کے دل سے بوجھ اُتر گیا، جو

ذرا دیر میں یہ دونوں تشریف لے آئے۔

حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا:۔

"تم جانتے ہو امیر المومنین اس وقت خطرے میں ہیں۔ باغیوں نے ان کا گھر گھیر لیا ہے، اور وہ ہر وقت کوئی نیا گل کھلا سکتے ہیں!"۔

میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جاؤ، ان کے گھر کی چوکیداری کرو، اور ہرگز کوئی ناروا بات نہ ہونے دو۔

یہ حکم پاکر دونوں سعادت مند بیٹوں نے ادب سے گردن جھکا لی۔ اور تعمیلِ حکم کے لیے تشریف لے گئے۔

ان کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت علی نے خادم سے کہا:۔

"محمد کو بلا لاؤ، میں اس سے بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں، وہ کئی دن سے میرے پاس نہیں آیا ہے۔!"

پریشانی اور فکر تھی، وہ دور ہو گئی۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا
"خدا کا شکر ہے، یا اللہ تیرا شکر ہے!"

پھر انہوں نے زیرِ لب کہا:۔
"اب انشاء اللہ، اللہ یہ فتنہ فرو ہو جائے گا!"

اب نائلہ حضرت عثمان کی اقامت گاہ کی طرف روانہ ہو گئیں، جہاں وہ معمولاً بیٹھا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت عثمان کلام مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ نائلہ کے پاؤں کی آہٹ سنی تو نظر اٹھا کر دیکھا، اور تلاوت ملتوی کر کے فرمایا:۔

حضرت عثمان:۔
کیا بات ہے نائلہ کیوں آئی ہو!

نائلہ:۔
آپ کو ایک خوشخبری سنانے۔

حضرت عثمان:۔
کہو، وہ کون سی خوشخبری ہے!

نائلہ:۔
حضرت علی نے اپنے صاحبزادوں، حسن اور حسین کو، نیز طلحہ اور زبیر کے بیٹوں کو، ہمارے دروازے پر پہرہ دینے کے لیے بھیجا ہے،

حضرت عثمان:۔
پہرہ دینے کے لیے حسنؓ اور حسینؓ کو!

نائلہ:۔
(خوش ہو کر) جی ہاں رسول اللہ کے نواسوں کو فاطمہ کے جگر گوشوں کو!

حضرت عثمان :-
نہیں یہ نہیں ہو سکتا، انہیں فوراً واپس کر دو، ابھی اسی وقت،

نائلہ :-
(پریشان ہو کر) یہ کیوں ———— ؟

حضرت عثمان :-
میں اپنے بیٹے فاطمہؓ کے بیٹوں، اور رسولؐ کے نواسوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا !

نائلہ :-
انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے ———— !

حضرت عثمان :-
میری آنکھ جو کچھ دیکھ رہی ہے تم اسے نہیں دیکھ سکتیں ؛

نائلہ :-
آپ کیا دیکھ رہے ہیں ———— ؟

حضرت عثمان :-
خدا کی مرضی کو ———— اس کی مرضی پوری ہو کر رہے گی، مشیت الٰہی کے سامنے ہم سب بے بس ہیں !

نائلہ :-
یہ تو ٹھیک ہے، لیکن مشیتِ الٰہی ہی کے ماتحت تو یہ لوگ یہاں آئے ہیں، پھر آپ کیوں واپسی کا حکم دے رہے ہیں ؛

حضرت عثمان !
تم تو بحث کرنے لگیں، اور میری تلاوت کا حرج ہو رہا ہے پھر یہ کہ

نائلہ :۔

مردان کے بارے میں بھی ـــــــ کچھ کہہ آئیں، یہ شرارت نہیں ہے! آخر تم اس سے اس قدر خفا کیوں ہو بیٹی؟

اسماء :۔

کیا آپ نہیں جانتیں وہ کس قماش کا آدمی ہے ـــــــ؟

نائلہ :۔

جانتی تو ہوں، لیکن یہ بھی تو غور کرو، وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔!

اسماء :۔

محبت! ـــــــ وہ جانتا ہی نہیں محبت کسے کہتے ہیں وہ انسان نہیں، ایک ایسی مخلوق ہے، جسے ننگِ انسانیت کہا جائے۔ تو ذرا بھی مبالغہ نہیں ہوگا۔

نائلہ کو اسماء کی اس سادہ، اور صاف، اور کھری بات سے ہنسی آگئی، وہ ہنسنے لگیں، انہوں نے فرمایا؛

"نہیں نہیں، اتنا غصہ نہیں کرتے!"

حضرت عثمان، پھر تلاوت کلام پاک میں مصروف ہو گئے۔
نائلہ واپس آ کر اپنے کمرے میں بیٹھ گئیں، اور اسماء کا انتظار کرنے لگیں۔ وہ اب تک نہیں آئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد اسماء واپس آئی، اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا اسے دیکھ کر نائلہ کے چہرے پر بھی خوشی کی کیفیت پیدا ہوئی، انہوں نے کہا:۔

آؤ اسماء ——— بتاؤ کیا کر آئیں؟

اسماء:۔

میں جو کچھ کر آئی، وہ آپ نے دیکھ لیا، کیا آپ میری خدمت سے مطمئن نہیں ہیں؟

نائلہ:۔

(مسکرا کر) بہت زیادہ مطمئن ہوں، لیکن ذرا تفصیل تو بیان کرو۔!
پھر اسماء نے از اوّل تا آخر سارا ماجرا کہہ سنایا، نائلہ بڑے شوق اور توجہ سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ پھر انہوں نے فرمایا۔

نائلہ:۔

میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں، واقعی تم نے بہت بڑا کام کیا۔

اسماء:۔

مجھے شرمندہ نہ کیجیے، یہ میرا فرض تھا، میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا۔

نائلہ:۔

(مسکرا کر) لیکن فرض ادا کرتے کرتے شرارت سے بھی باز نہیں آئیں۔

اسماء:۔

یہ لیجیے، شرارت کیا کی میں نے؟

جی ہاں، اب تو باغیوں نے باقاعدہ حملہ شروع کر دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرات حسنین وغیرہ نے بڑی مستعدی سے اپنے فرائض انجام دیے۔ ورنہ شاید ان کا حملہ کامیاب ہو جاتا۔

نائلہ :-

ہاں بیٹی، ان لڑکوں (امام حسین وغیرہ) نے بڑا کام کیا، خدا انہیں جزا دے!

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پیکرِ غضب بنا ہوا مروان آیا، اس کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا، یا تو کسی کو قتل کر کے آیا ہے یا کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

نائلہ نے اس کی کیفیت دیکھی تو گھبرا گئیں، اور ملاطفت کے ساتھ اس سے کہا:-

نائلہ :-

کہاں سے آرہے ہو مروان ____________؟

مروان :-

(اسماء سے مخاطب ہو کر) کل شام تم کہاں گئی تھیں؟

اسماء :-

جہاں میرا جی چاہا۔ تم پوچھنے والے کون؟

مروان :-

میرے سوال کا جواب دو!

اسماء :-

ایک سوال کا ایک ہی جواب ہوتا ہے۔ وہ دیدیا۔

باب (۲۸)

مروان کی جعل سازی

ان ہی باتوں میں رات ہوگئی، حضرات حسنین، اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ بڑی مستعدی اور چوکسی سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے، باغیوں اور مفسدوں نے بار بار حملہ کرنے کی سعی کی۔ لیکن ان نوجوانوں کی مستعدی نے ان کی ہر کوشش ناکام بنا دی۔ وہ کچھ نہ کر سکے۔

صبح حسبِ معمول اسماء نے فریضۂ نماز ادا کیا۔ پھر وہ آ کر نائلہ کے پاس بیٹھ گئی، دونوں میں پھر باتیں ہونے لگیں؛

نائلہ:۔
رات کو جب بھی آنکھ کھلی، شور و غل اور ہنگامہ آرائی کی کیفیت نظر آئی

اسماء:۔

مروان :-
میرے بغیر اجازت تم اس گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتیں!

اسماء :-
واہ یہ بھی اچھی رہی، تم میرے ہوتے کون ہو۔ ؟

مروان :-
میں تمہارا شوہر ہوں، اور تم میری بیوی ہو!

اسماء :-
جھوٹا ________ میں تجھے ٹھکراتی ہوں، میں کبھی تم سے شادی نہیں کر سکتی، اس ہوس کو دل سے نکال دے!

مروان :-
میرا تم سے نکاح ہو چکا ہے، ایک بیوی کی حیثیت سے تمہیں میرا ادب و احترام کرنا چاہیے!

اسماء :-
کچھ دماغ چل گیا ہے تیرا ؟

مروان :-
میرے پاس نکاح نامہ موجود ہے دیکھو گی ؟

اسماء :-
تو جعل ساز ہے، جھوٹا ہے!

مروان :-
میں سچا ہوں (کاغذ نکال کر) یہ دیکھ، یہ رہا نکاح نامہ، اور دیکھ اس پر خلیفہ کی مہر!

خلیفہ کی مہر دیکھ کر نائلہ اور اسماء دونوں کو حیرت ہوئی؛

اسماء:۔

تیری ان ہی جعل سازیوں نے حضرت عثمان کی زندگی خطرہ میں ڈال دی ہے، تو ان کی مہر کا غلط استعمال کرتا ہے، اور لوگ اُن سے بدظن ہوتے ہیں تیری ان جعل سازیوں، اور فریب کاریوں کا سلسلہ آخر کب ختم ہوگا۔

نائلہ:۔

مروان واقعی، یہ مہر کہاں سے لگوا لائے؛

مروان:۔

مہر ہمیشہ میرے پاس رہتی ہے؛

نائلہ:۔

تو کیا تمہیں یہ اختیار ہے کہ اس مُہر کو جب اور جہاں چاہو استعمال کرو؛

اسماء:۔

میں آپ سے کہہ چکی، یہ بدظن اور کینہ شخص ہے، اس سے کہیے نکل جائے یہاں سے میں اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی،

مروان:۔

بکواس بند کرو۔ ——— اب میں تم سے سختی کا سلوک کروں گا۔

اسماء:۔

تیری موت آئی ہے شاید ———!

یہ کہہ کر اسماء خنجر لے کر مروان کی طرف جھپٹی، لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا، اتنے میں کسی نے آواز دی:

"مروان، اِدھر آؤ ———!"

یہ آواز سن کر وہ تیزی کے ساتھ باہر نکلا چلا گیا اور جاتے جاتے کہہ گیا۔

"میں تجھ سے بہت جلد سمجھوں گا۔"

باب (۲۹)

حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے

مروان جیسے ہی گھر سے باہر نکلا ایک خوفناک قسم کا شور بلند ہوا اور دھوئیں کے بادل سے دکھائی دینے لگے، نائلہ اور اسماء یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئیں۔ وہ تیزی سے باہر نکلیں۔ انہوں نے دیکھا کہ باغیوں نے دروازے کو آگ لگا دی ہے۔ دھوئیں کے بادل فضا میں بلند ہو رہے ہیں۔ باغی فاتحانہ طور پر آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔ کوئی کھڑکی پھلانگنے کی کوشش کر رہا ہے کوئی دروازہ توڑ کر اندر گھسنے کی جدوجہد کر رہا ہے کوئی دیوار پر رسی پھینک رہا ہے، اور کمند لگا کر چڑھنے کی جدوجہد میں مصروف ہے کوئی تیروں کی بارش کر رہا ہے اور چاہتا ہے اور جو کوئی گھر میں ہو نشانۂ اجل

بن جائے۔"

حسن رضؓ حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ پوری بہادری اور جوش کے ساتھ باغیوں کی مدافعت میں مصروف ہیں۔ وہ زخمی ہو چکے ہیں، ان کے زخموں سے خون جاری ہے۔ لہولہان ہو رہے ہیں، کپڑے خون میں لت پت ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ میدان سے نہیں ہٹتے۔ شجاعت اور بہادری کے ساتھ مزاحمت اور مدافعت میں لگے ہوئے ہیں!

نائلہ نے یہ منظر دیکھا، اور ان پر سراسیمگی کی کیفیت طاری ہو گئی انہوں نے محسوس کیا باغی اب کوئی دم میں گھر کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ اور ان کے داخل ہونے کے بعد، جو کچھ ہو گا، وہ معلوم ہے، کسی کو بھی اس گھر میں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

وہ جلدی سے حضرت عثمان کی اقامت گاہ کی طرف گئیں۔ وہ بدستور تلاوت، قرآن کریم میں مصروف تھے۔ ان کے چہرے پر استقامت علی اللہ کا نور چمک رہا تھا، اس شور وشر سے ہنگامہ سے، وہ بالکل بے نیاز اور بے پروا تھے۔ گویا کچھ ہو ہی نہیں رہا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے نہ انہیں کوئی سروکار ہے، نہ کسی قسم کا تعلق!

اسماء بھی بیکار نہیں بیٹھی رہی، وہ دروازے کی طرف بڑھی، اور خنجر ہاتھ میں لے کر ہر اُس شخص پر وار کرنے لگی جو دروازے کی طرف بڑھنے اور گھر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہنگامہ کی شدت میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا تھا، باغی ریلا کر کے اندر داخل ہونے کی کوشش میں مجنونانہ جوش کا اظہار کر رہے تھے۔ یکایک ایک پرخراش آواز بلند ہوئی۔

کہاں ہے مروان؟"

ایک دوسری آواز بلند ہوئی :

اُسے نکالو، اُسے پکڑو، اسے ہلاک کر دو!

پھر کئی ایک ساتھ آوازیں بلند ہوئیں!

سارے فتنے کی جڑ مروان ہے، جب تک ہم اُسے قتل نہ کرلیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے، ہماری آتشِ انتقام فرو نہیں ہوگی"!

یہ آواز ابھی فضا میں گونج رہی تھی کہ مروان دوڑتا ہوا سامنے نظر آیا۔ ایک آدمی نے اس پر خنجر کا وار کیا۔ اور وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔

ادھر تو یہ کیفیت تھی، اُدھر حضرت عثمان بدستور تلاوت کلام پاک میں مصروف تھے۔ نائلہ ان کے سامنے کھڑی تھیں، بالکل دم بخود، ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اب کیا کریں!

اسی اثناء میں امام حسن بھی وہاں آگئے، ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ زخموں سے چور ہو رہے تھے، خون کے قطرات ٹپک رہے تھے، لیکن شمشیر بے نیام اب تک ہاتھ میں تھی۔

امام حسنؓ کو دیکھ کر حضرت عثمان نے اضطراب کے ساتھ فرمایا

"بیٹے تم کیوں مشیتِ الٰہی میں دخیل ہونے کی کوشش کرتے ہو"؟

امام حسن :-

تو کیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہوں کہ باغی اس گھر میں گھس آئیں!

حضرت عثمان :-

یہ باتیں خدا پر چھوڑ دو، جو اس کی مرضی ہوگی۔ وہ ہوگا، میرے نصیب میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ہر حال میں پورا ہوگا، میں خدا کی مرضی اور رسولؐ کے

بیچ میں کر دیا، اتنے میں ایک بد بخت اور شقی نے، تلوار سے وار کیا۔ نائلہ نے اُسے روکنا چاہا، تو ان کی انگلیاں اور ہتھیلی کٹ کر گر پڑی۔

یہ منظر دیکھ کر اسماء کے لیے ضبط کرنا مشکل ہوگیا، وہ اپنا خنجر لے کر دوڑی اور قاتلوں پر حملہ کرنے کے لیے بڑھی، اتنے میں محمد بن ابی بکر سامنے آگئے۔ انہیں دیکھ کر وہ جھجک کر رک گئی۔ اس اثناء میں باغیوں نے اپنا کام ختم کر لیا، یعنی حضرت عثمان کو شہید کر دیا، اور اس کام سے فراغت پاتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

نائلہ کے ہاتھ سے خون بہت بہ گیا تھا، وہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب انہیں ہوش آیا، تو انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کو مقتول اور شہید دیکھا انہوں نے بڑے درد انگیز لہجہ میں حضرت امام حسن کو پکارا، یہ آواز سن کر وہ اور حضرت امام حسین دوڑے دوڑے آئے، یہ منظر دیکھ کر وہ دونوں بھائی بے اختیار رونے لگے اسماء بھی ایک کونہ میں کھڑی بے قراری کے ساتھ آنسو بہا رہی تھی۔!

****

ارشاد پر صابر و شاکر ہوں، جو کچھ بھی پیش آئے گا اسے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار ہوں، تم جاؤ، اپنے گھر جاؤ، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو!

حضرت امام حسن یہ سُن کر باہر چلے آئے، اور پھر باغیوں کے حملوں کی بے جگری اور شجاعت کے ساتھ مدافعت کرنے لگے!

اب اسماء بھی دروازے سے ہٹ کر، حضرت عثمان کی اقامت گاہ میں چلی آئی تھی، اور حضرت نائلہ کے پاس چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں ایک شخص دیوار پھاند کر، اندر داخل ہوا، وہ خیرہ چشمی کے ساتھ سیدھا حضرت عثمان کے قریب آ گیا، اس نے بڑے سخت اور درشت لہجہ میں کہا۔

خلافت سے دستبردار ہو جاؤ!"

حضرت عثمان نے بڑی متانت اور استقامت کے ساتھ جواب دیا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا، یہ منصب خدا نے مجھے سونپا ہے، میں اس وقت تک اسے نہیں چھوڑ سکتا جب تک ان لوگوں کے منہ پر سیاہی نہ لگ جائے جن کے لیے بد بختی مقدر ہو چکی ہے۔

یہ سن کر وہ شخص چلا گیا، اور مشہور صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن سلام نمودار ہوئے۔ اور انہوں نے بہ آواز بلند فرمایا۔

"بد بختو! عثمانؓ کی قدر پہچانو، یہ جانشین رسولؐ ہیں، خلیفۃ المسلمین، اور امیر المومنین ہیں، ان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرو، جو تمہاری روسیاہی اور نامرادی کا سبب بنے۔

لیکن اس وقت ایسی افراتفری مچی ہوئی تھی کہ کسی نے ان باتوں پر توجہ نہیں کی۔ بہت سے لوگ اندر گھس آئے اور حضرت عثمان پر حملہ آور ہوئے۔

یہ دیکھ کر نائلہ ضبط نہ کر سکیں، وہ آگے بڑھیں، انہوں نے اپنے آپ کو

باب (۳۰)

محبّت کی باتیں

اس اثنا میں قاتل بھاگ چکے تھے اور دوسرے مفسد گھر کا مال واسباب لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔

اتنے میں محمد بن ابی بکر پھر نمودار ہوئے، انہوں نے اسماء سے کہا۔

یہاں کی حالت دیکھ رہی ہو، ان حالات میں تمہارا یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے، آؤ میرے ساتھ چلو، میں حضرت علی کے در دولت پر تمہیں پہنچا دوں گا۔ تم وہیں قیام کرنا۔

اسماء کے لیے اس پیش کش کو منظور کرنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ اس کے کانوں میں اب تک مروان کی آواز گونج رہی تھی جب اس نے جعلی نکاح نامہ پیش کر کے اسے بتایا تھا کہ اس پر حضرت عثمانؓ کی مہر لگی ہے اور تو میری بیوی بن چکی ہے۔ اس نے سوچا یہاں رہنے کی صورت میں واقعی مروان مجھ پر بزور جبر سے کام لے سکتا ہے۔ لیکن اگر حضرت علی کے ہاں چلی جاؤں،

تو اس کی دست رس سے باہر ہو جاؤں گی، اور پھر وہ میرا کچھ نہیں کر سکے گا۔
یہ سوچ کر اسماء محمد کے ہمراہ ہولی، راستہ میں اس نے باچشم تر محمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اسماء :۔
افسوس، امیر المومنین عثمانؓ پر بڑا ظلم ہوا، کاش میں ان کی مدد کر سکتی اور ان کمبخت باغیوں کو سزا دے سکتی، ان الم انگیز واقعات میں اگر کوئی مسرت کا پہلو ہے تو صرف یہ کہ مروان کمبخت مارا گیا، !

محمد بن ابی بکر :۔
یہ تم سے کس نے کہا کہ مروان اس جنگ میں کام آیا !

اسماء :۔
میں نے خود اُسے تلوار سے زخمی ہو کر گرتے دیکھا ہے !

محمد بن ابی بکر :۔
لیکن یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ سخت جان مر بھی گیا ؟

اسماء :۔
تو کیا وہ زندہ ہے ؟

محمد بن ابی بکر :۔
ہاں بھئی! میں خود اسے اپنی آنکھوں سے ابھی ابھی دیکھ کر آ رہا ہوں۔

اسماء :۔
(حیرت سے) تو کیا وہ مرا نہیں ؟

محمد بن ابی بکر :۔
نہیں ———— گردن پر ایک ہلکا سا زخم آیا ہے، اسی کو بیٹھا دھو رہا

تھا، وہ بھلا اتنی آسانی سے مر سکتا ہے!

اسماء:۔

یہ بہت بُرا ہوا، اسے زندہ نہیں رہنا چاہیے، مجھے حضرت عثمانؓ کی شہادت کا بہت غم ہے، لیکن اس سے زیادہ مروان کے زندہ رہنے کا ہے کاش یہ کمبخت بھی ہلاک ہو جاتا، یہ سارا شور و شر اسی نامراد کا اٹھایا ہوا ہے!

محمد بن ابی بکر:۔

ہاں، لیکن وہ بھی نہیں بچ سکتا۔

اسماء:۔

مجھے اس بات کا بھی بہت افسوس ہے کہ قاتلانِ عثمان میں تم بھی شریک ہو، اگر میں تم سے بہت زیادہ محبت نہ کرنے لگی ہوتی تو تم سے بھی اتنی نفرت ہو جاتی، جتنی مجھے مروان سے ہے۔!

محمد بن ابی بکر:۔

اسماء تم حقیقت حال سے ناواقف ہو!

اسماء:۔

ناواقف سہی، لیکن مجھے تمہارے کردار اور سیرت کا یہ پہلو بہت دکھ دے رہا ہے۔ کاش تم اس گروہ باغیان میں نہ ہوتے۔

محمد بن ابی بکر:۔

اسماء تم نہیں جانتیں اصل واقعہ کیا ہے؟

اسماء:۔

اصل واقعہ کچھ بھی ہو، میں تو صرف ایک بات جانتی ہوں، عثمان سچے مسلمان تھے، صحابیِ رسولؐ تھے۔ سراپا صدق و صفا تھے، ہر غلطی اور گناہ

سے ان کا دامن صاف اور پاک تھا۔ ایسے مقدس شخص کے قتل میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شرکت کرنا بہت بری بات تھی اور اس بات کا ارتکاب تم سے ہوا!

محمد بن ابی بکر:۔

میرے بارے میں تم نے جو رائے قائم کی ہے، وہ یکسر غلط ہے قطعاً غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اسماء:۔

تمہارا یہ بیانِ صفائی مجھے مطمئن نہیں کر سکتا۔

محمد بن ابی بکر:۔

جب پورا واقعہ سن لو گی تو مان لو گی۔ لیکن اس وقت یہ باتیں کرنے کا موقع نہیں ہے۔ چلو، کسی امن کی جگہ بیٹھیں بیٹھ کر، پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی!

اسماء:۔

لیکن میں چل کیوں کر سکتی ہوں!

محمد بن ابی بکر:۔

کیوں؟ تمہارے چلنے میں کون چیز مانع ہے؟

اسماء:۔

میرا گھوڑا اور تمام سامان تو حضرت عثمان کے گھر پر ہے!

محمد بن ابی بکر:۔

اس کی فکر نہ کرو، میں لا دوں گا،

اسماء:۔

تو لا دو، میں تیار ہوں چلنے کے لیے۔

محمد بن ابی بکر:۔

ابھی جاتا ہوں، لیکن اس سے پہلے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

اسماء:۔

وہ بھی پوچھ لو،

محمد بن ابی بکر:۔

تفصیل میں جائے بغیر، اور تمہید اٹھائے بغیر، ایک بات کہتا ہوں، یہ کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، سچے دل سے چاہتا ہوں ــــ میں نے پہلی مرتبہ جب تمہیں دیکھا تھا، اسی وقت سے میرا دل تمہیں چاہ رہا ہے، تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا، بتاؤ کیا میری محبت کا جواب تم بھی محبت سے دے سکتی ہو؟ کیا تمہارے دل میں میری جگہ ہے؟

اسماء:۔

(شرما کر) میں نہیں جانتی۔

محمد بن ابی بکر:۔

بتا دو، خدا کے لئے شرم اور تکلف سے کام نہ لو، تمہارے جواب پر ایک شخص کی زندگی اور موت منحصر ہے۔

اسماء نے کچھ جواب نہ دیا، اس کے چہرے پر شرم کی سرخی دوڑ گئی، اس نے نقاب اپنے چہرے پر ڈال لی اور کہا:۔

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے!

اس مختصر سے جواب میں مکمل اور مفصل معنی پنہاں تھے۔

یہ جواب سن کر محمد کو بہت خوشی ہوئی، اُس نے کہا۔

"حالات جب تک قابو میں نہ آجائیں، تمہارا حضرت علیؓ کے ہاں رہنا بھی مناسب نہیں ہے۔ انشاء اللہ چند روز میں وہ رو براہ ہو جائیں گے۔ پھر وہاں

چل کر رہنا، فی الحال میں تمہیں اپنے ایک معتمد عزیز کے ہاں ٹھہرائے دیتا ہوں
محمدؒ اسماء کو ایک گلی میں، جو شہر سے باہر واقع تھی لے گیا، ایک مکان
پر دستک دی، ایک بڑھیا برآمد ہوئی، اُس نے دروازہ کھول دیا۔
محمدؒ اسماء کو لے کر اندر گیا، اور بڑھیا سے کہا۔
یہ بڑی قیمتی پونجی اور بڑی گراں مایہ امانت ہے، جب تک شہر میں شور و شر
ہے، اسے اپنے پاس رکھو، ہر طرح اس کی دل جوئی کرو، کسی طرح کی اسے تکلیف
نہ پہنچے۔
پھر وہ اسماء سے مخاطب ہوا، اور کہا
اب میں جاتا ہوں، اگر چار پانچ دن تک میں نہ آسکوں تو تم پریشان نہ ہونا
خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔

******

باب (۳۱)

نعش اَب دفن ہُوئی

محمد چلا گیا، اور اسماء اس گھر میں تنہا رہ گئی!
اس تنہائی میں اسے حالات پر غور کرنے کا موقع ملا۔ کبھی وہ محمد کی محبت پر غور کرتی اور اپنے دل میں خوشی کی ایک لہر محسوس کرتی۔ کبھی اس کے سامنے یزید جیسے خودغرض شخص کی تصویر آجاتی، جو اپنی سربلندی کے لیے اسے داؤ پر لگا رہا تھا۔ پھر اسے مروان یاد آجاتا، اور اس کی خوں خوار صورت آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتی اور اس کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگتے۔ کبھی حضرت عثمان کی شہادت کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا، اور وہ ان کے خون ناحق پر بے قرار ہو جاتی پھر نائلہ کی بے بسی اور بے کسی کی تصویر چشم تصوّر کے سامنے آتی، اور وہ تڑپ جاتی اس کا جی چاہتا کہ ان کے پاس جائے، اُن کی دل دہی کرے، ان کا جی بہلائے۔ ان کا بارِ غم ہلکا کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن حالات ایسے تھے کہ گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتی۔
تین دن اسی طرح گذر گئے۔!

اس اثنا میں نہ محمد آیا، نہ اس کی کوئی خبر ملی۔ آج اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ بار بار اس کا ضمیر ملامت کر رہا تھا کہ وہ یہاں اطمینان سے بیٹھی ہے اور وہاں نائلہ نہ جانے کس حالت میں ہوں گی؟ یہ سوچ کر وہ رات کی تاریکی میں گھر سے نکلی کہ جائے اور نائلہ سے تعزیت کر آئے جا کر۔

رات اندھیری تھی، اور وہ راستہ سے ناواقف تھی، قریباً نصف رات تک وہ نائلہ کا گھر تلاش کرتی رہی، لیکن ناکام رہی۔ اب راستے بالکل سنسان ہو گئے تھے۔ ہو کا عالم تھا، نہ اپنی قیام گاہ اسے یاد تھی، نہ نائلہ کا گھر ملتا تھا۔ آخر اس نے سوچا کسی طرح مسجد نبوی تک پہنچ جائے۔ وہاں محمد کا پتہ بھی مل جائے گا۔ اور نائلہ کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہو جائے گی!

یہ سوچ کر وہ آگے بڑھی ایک ٹیلہ کے قریب پہنچی، تو کچھ لوگ آتے ہوئے نظر آئے، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا کہ نہ جانے یہ کون لوگ ہوں، اور کس طرح پیش آئیں، وہ ایک کھجور کے درخت کی آڑ میں ہو گئی، وہ لوگ قریب آئے تو معلوم ہوا یہ کسی کا جنازہ لیے جا رہے ہیں، اس نے آدمیوں کو پہچاننے کی کوشش کی، لیکن کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جسے وہ جانتی ہو، پھر اسے مروان دکھائی دیا۔ اور عبداللہ بن زبیر بھی، وہ حیران ہو کر سوچنے لگی کہ یہ کس کی لاش ہے جسے یہ لوگ اس وقت دفن کرنے کے لئے جا رہے ہیں!

وہ بدستور چھپی کھڑی تھی، اس نے دیکھا سامنے کے ایک باغ میں یہ لوگ داخل ہوئے، وہاں قبر کھودی اور لاش دفن کر دی۔

اسماء بدستور درخت سے لگی کھڑی تھی، جب وہ لوگ دفن سے فارغ ہو کر واپس جانے لگے، تو ان لوگوں کی باتوں سے جو آپس میں کر رہے تھے اس نے اندازہ لگایا کہ یہ حضرت عثمان کی نعش مبارک تھی، جسے یہ لوگ خفیہ طور پر دفن کرنے لائے تھے!

ان لوگوں کے جانے کے تھوڑی دیر بعد اسماء ٹیلہ پر چڑھی۔ وہاں سے مسجد نبویؐ صاف نظر آرہی تھی، اب رات کی تاریکی بھی ختم ہو چکی تھی۔ اور صبح کا ہلکا ہلکا اُجالا شروع ہو چکا تھا۔ جن راستوں میں وہ رات بھر بھٹکی رہی تھی، وہ اب صاف نظر آرہے تھے، چنانچہ وہ بڑے اطمینان سے ٹیلہ پر سے اتری اور مسجد نبویؐ کی سمت روانہ ہوگئی۔ مسجد کے قریب پہنچی تو اُسے بنو محترم کا بھی خیال آیا، پہلے وہ یہیں ٹھہری تھی، اس نے سوچا، اسی گھر میں جانا چاہیئے جہاں قبا سے واپس آنے کے بعد وہ پہلے پہل اپنے سوتیلے باپ یزید کے ساتھ قیام پذیر ہوئی تھی چنانچہ وہ سیدھی اس گھر پر پہنچی، اور دروازے پر دستک دی، ایک لڑکی نے دروازہ کھولا۔ اور وہ اندر داخل ہوگئی۔

****

باب (۳۲)

آنے والا طوفان

اسماءؓ گھر میں داخل ہوئی تو معلوم ہوا نائلہ یہیں ہیں، اُس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا، اس نے لڑکی سے یہ معلوم کرنے کے بعد پھر کوئی گفتگو نہیں کی، سیدھی تیر کی طرح نائلہ کے پاس پہنچی اور اُن کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اس کے سامنے اس وقت نائلہ کی وہ تصویر تھی جب وہ حضرت عثمانؓ کی زندگی میں آسودگی، عافیت اور مسرت کی زندگی بسر کر رہی تھیں، اور اب وہی نائلہ چند دنوں کی مختصر سی مدت میں کیا سے کیا ہو گئی تھیں، جیسے مدتوں کا کوئی بیمار، نہ وہ صحت رہی تھی، نہ وہ بشاشت اور انبساط کی کیفیت، اب وہ ایک سوگوار مجسّمہ تھا، جس کی خوشی چھینی جا چکی تھی، جسے عافیت اور اطمینان سے محروم کیا جا چکا تھا، جس کے لیے اب دنیا میں جذب و کشش کا کوئی سبب باقی نہیں رہ گیا تھا۔

نائلہ نے اسماءؓ کو گلے سے لگا لیا اور بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

بیٹی تم نے کتنی جدّ و جہد کی کہ حالات ساز گار ہو جائیں، لیکن قسمت کا لکھا پورا ہوا۔ میرا سہاگ لوٹ لیا گیا۔ حضرت عثمان بے بسی کے ساتھ شہید کر دیئے گئے ان باغیوں اور مفسدوں نے، ایک نہ سُنی، کوئی نیک مشورہ نہ قبول کیا!

اسماء:۔

جی ہاں، جو کچھ ہوا بہت برا ہوا، لیکن واقعی، مشیت ایزدی میں کیا چارہ ہے

نائلہ:۔

مجھے دکھ اس کا ہے کہ بنو ہاشم نے اس موقعہ پر کوئی مدد نہیں کی۔

اسماء:۔

یہ تو نہ فرمایئے، کیا حسن، حسین، عبداللہ بن زبیر بنو ہاشم میں نہیں ہیں! کیا وہ مدد کے لیے نہیں آئے! کیا وہ خود امیرالمومنین کو چشم زخم سے محفوظ رکھنے کے لیے زخمی اور لہولہان نہیں ہو گئے!

نائلہ:۔

ہاں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر ان نوجوانوں کو بھیجنے کے بجائے وہ لوگ خود آتے، تو بات ہی دوسری تھی، پھر باغی ہرگز کامیاب نہ ہو سکتے۔ ناکام ہوتے۔

اسماء:۔

ممکن ہے آپ کا خیال صحیح ہو، لیکن جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب اس تذکرے سے کیا حاصل! صبر کیجیے۔

نائلہ:۔

صبر کروں ______ واقعی صبر کرنا چاہتی ہوں، لیکن نہیں کر پاتی، میرے سامنے امیرالمومنین کی مظلوم صورت آجاتی ہے۔ آہ ان موذیوں نے کس بے دردی

اور شقاوت سے انہیں شہید کیا ہے؟

اسماء:۔

واقعی اس کی مثال نہیں مل سکتی، خدا غارت کرے ان کمبختوں کو۔

نائلہ:۔

ایسا ہولناک اور لرزہ خیز حادثہ میں نے اپنی آنکھوں سے کبھی نہیں دیکھا تھا

اسماء:۔

خدا دشمن کو بھی ایسے حادثات سے دوچار نہ کرے۔

نائلہ:۔

ذرا غور تو کرو، ظالموں نے کس بُری طرح امیرالمومنین کو قتل کیا ہے۔

اسماء:۔

تصور سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

نائلہ:۔

سینہ پر برچھی کے تین زخم تھے اور سر پر تلوار کا ایک زخم، جس سے پیشانی کٹ کر جُدا ہو گئی تھی۔

اسماء:۔

یا اللہ ——— اُف!

نائلہ:۔

اور اس حالت میں بھی وہ تلاوت کلام پاک میں مصروف رہے،

اسماء:۔

خدا ضرور انتقام لے گا، ان ستم گروں سے!

نائلہ:۔

زیر سایہ بسر کیا تھا،

اسماء یہ خبر سن کر چپ ہو گئی، نائلہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔
"دیکھ لینا یہ خونِ ناحق رائگاں نہ جائے گا۔!

اسماء:۔

میرا بھی ایمان یہی ہے قدرت ضرور انتقام لے گی۔

نائلہ:۔

قدرت سے پہلے امیر المومنین شہید کے عزیز، رشتہ دار، اور ہم قبیلہ انتقام لیں گے۔ میں نے اپنی کٹی ہوئی انگلیاں معاویہ کے پاس شام بھیج دی ہیں۔ تاکہ اس کی غیرت کروٹ لے، اس کا جذبۂ انتقام ابھرے، اور وہ ان شقی اور بدبخت لوگوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا دے۔

اسماء:۔

(چونک کر) اچھا۔

نائلہ:۔

ہاں، اور دیکھ لینا، بنوامیہ، بنو ہاشم کو معاف نہیں کریں گے، وہ ضرور میدان میں آئیں گے اور بدلہ لیں گے۔

اسماء:۔

یہ تو کچھ اچھا نہ ہوا۔

نائلہ:۔

کون سی بات تمہیں ناپسند ہوئی،!

اسماء:۔

یہ معاملہ بڑا افسوس ناک ہے۔ لیکن اس میں بنوامیہ اور بنو ہاشم کا سوال پیدا

سیکن امیرالمومنین تو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ان باغیوں اور مفسدوں سے کتنا ہی انتقام لے لیا جائے۔ مگر عثمان اب واپس نہیں آ سکتے۔

اسماء:۔

(سسکیاں بھرتے ہوئے) سچ ہے۔

نائلہ:۔

اور پھر ظلم کی انتہا بھی یہی تھی کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، ان ظالموں نے یہ بھی کیا کہ ان کی نعش دفن کرنے میں مانع آئے۔ اور تین دن تک وہ دفن نہ ہو سکی۔

اسماء:۔

آہ کتنا جگر خراش اور دلدوز حادثہ ہے یہ بھی۔

نائلہ:۔

یہ خبر تو شاید تمہیں معلوم ہی ہو چکی ہوگی، کہ جو لوگ امیرالمومنین عثمان کے علاوہ اس ہنگامہ میں قتل ہوئے ہیں ان میں تمہارے والد یزید بھی تھے۔

اسماء:۔

ائے ـــــــ کیا واقعی وہ ہلاک کر دیئے گئے؟

نائلہ:۔

ہاں بیٹی، یہ بالکل صحیح خبر ہے!

یزید کی حرکتوں سے اگرچہ اسماء بہت زیادہ نالاں اور متنفر تھی لیکن اس کی ہلاکت کی خبر سن کر اسے افسوس ہوا کیونکہ بہرحال زندگی کا ایک معقول حصہ اسی کے

نائلہ :-

تم نہیں جانتیں بیٹی حالات کہاں سے کہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ میں جانتی ہوں، میں کن حالات سے گذری ہوں، اگر یہاں کچھ عرصہ تک میرا قیام اور رہا تو ضرور میری جان یہ لوگ لے لیں گے۔ میں کسی قیمت پر اب یہاں نہیں ٹھہر سکتی خواہ کہیں بھی جاؤں، یہاں ______ نہیں رہوں گی'!

******

کرنا تلخ نتائج کا موجب ہوگا۔ اس سے مسلمانوں کی جمعیت پر اثر پڑے گا۔ اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

نائلہ :-

حالات جب قابو سے نکل جاتے ہیں تو پھر کسی کا بس نہیں چلتا!

اسماء :-

اچھا یہ تو بتایئے، اب آپ کا ارادہ کیا ہے؟

نائلہ :-

میرا ارادہ کیا ہو سکتا ہے، عثمانؓ کے ساتھ میرے ارادے اور عزائم بھی ختم ہو گئے "

اسماء :-

میرا مطلب یہ ہے کہ، اب آپ کہاں رہیں گی؟ کیا کریں گی؟

نائلہ :-

میں کسی ایسی جگہ چلی جانا چاہتی ہوں جہاں بنو ہاشم کا اثر و اقتدار نہ ہو۔

اسماء :-

یہ کیوں؟ آخر آپ ان سے اتنی خائف کیوں ہیں؟

نائلہ :-

ان سے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، جو لوگ امیر المومنین کو شہید کر سکتے ہیں وہ ان کی بیوی کو بھی قتل کر سکتے ہیں!

اسماء :-

ایسا خیال نہ کیجئے، بھلا آپ نے کسی کا کیا بگاڑا ہے، جو کوئی آپ کی جان کے درپے ہو؟

اسماء نے جواب دیا:۔
میں حضرت علی سے ملنا چاہتی ہوں ________ کیا وہ تشریف رکھتے ہیں!
خادم نے جواب دیا:۔
"جی ہاں تشریف تو رکھتے ہیں، لیکن اس وقت تو بہت سے لوگ مجتمع ہیں اور ان سے اہم امور پر مشورہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا ملاقات مشکل ہے
اسماء نے پریشان ہوتے ہوئے کہا:۔
لیکن مجھے ان سے بہر حال ملنا ہے!
وہ بولا:۔
"اگر ملاقات ایسی ہی ضروری ہے تو کچھ دیر انتظار کیجئے۔ اور لوگ چلے جائیں تو میں فوراً اطلاع کر دوں گا؛
اسماء ایک گوشہ میں بیٹھ کر لوگوں کے جانے کا انتظار کرنے لگی، لیکن مجلس مشاورت میں اتنا طول ہوا کہ اسے بیٹھے بیٹھے بڑی دیر ہو گئی۔ لیکن مجلس برخاست نہ ہوئی، اب وہ انتظار کرتے کرتے تنگ آگئی تھی، اتنے میں محمد آتا ہوا دکھائی دیا، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، محمد قریب آگیا، اس نے پوچھا:۔
"اسماء تم؟ ________ ارے تم رات بھر اور اب اتنے دن تک کہاں رہیں؟۔
اسماء:۔
ایک بڑے ضروری کام سے گئی تھی۔
محمد بن ابی بکر:۔
لیکن یہ بھی تو معلوم ہو کہاں ________؟
اسماء:۔

باب (۳۳)

امام حسنؓ

اسماء بڑی دیر تک نائلہ کے پاس بیٹھی رہی، اور ان کی دل دہی اور دلجوئی کی باتیں کرتی رہی، جب دن کا بڑا حصہ گزر گیا، تو اسے خیال آیا، میں بڑھیا کو اطلاع دیئے بغیر یہاں آئی ہوں، ساری رات گذری اور دن کا بڑا حصہ گذر گیا، ضرور وہ پریشان ہوگی، لہٰذا اب چلنا چاہیئے۔

چنانچہ وہ حضرت نائلہ سے رخصت ہو کر اپنی قیام گاہ کی طرف چلی، لیکن چونکہ وہ راستوں سے ناواقف تھی۔ اس لئے بڑی دیر کی تلاش و جستجو کے بعد وہ منزل مقصود تک پہنچی۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ دروازہ بند ہے اور بڑھیا ندارد پہلے تو کچھ دیر وہ انتظار کرتی رہی، لیکن جب بڑھیا نہ آئی تو وہ پھر مدینہ کی طرف واپس ہوئی اور سیدھی حضرت علیؓ کے گھر پر پہنچی اور دستک دینے لگی۔

دستک کی آواز سن کر ایک شخص باہر نکلا، اس نے دریافت کیا۔

"آپ کون ہیں؟ اور کس سے ملنا چاہتی ہیں!

محمد بن ابی بکر:۔

میرے گھر چلو، اپنی والدہ سے تمہارا تعارف کرائے دیتا ہوں، فی الحال ان ہی کے پاس رہو۔

اسماء:۔

تمہاری والدہ کہاں رہتی ہیں؟

محمد بن ابی بکر:۔

یہیں حضرت علیؓ کے کاشانہ میں۔ تمہیں شاید معلوم نہیں، حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد میری والدہ نے حضرت علیؓ سے نکاح کر لیا تھا۔ میں بچپن سے حضرت علی ہی کے سایۂ عاطفت میں رہا اور پروان چڑھا ہوں، وہ میرے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے ہیں جیسا اولاد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور میں بھی انہیں باپ سے کم نہیں سمجھتا ہوں، میں ان سے عقیدت بھی رکھتا ہوں اور محبت بھی کرتا ہوں،

اسماء:۔

ہونا بھی یہی چاہیئے۔

پھر اسماء محمد کے ساتھ روانہ ہوئی، راستہ میں حضرت امام حسنؓ مل گئے انہوں نے سلام میں پیش قدمی کی۔ محمد نے جواب دیا، اور جواب میں ان کے لیے "ابن خلیفہ" کا لفظ استعمال کیا۔ حضرت حسنؓ نے پوچھا:۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ منصب خلافت پر میرے والد فائز ہوں؟

محمد نے کہا:۔

"میں کیا ہر مسلمان یہی تمنا رکھتا ہے، اس منصب کے لیے ان سے بڑھ کر موزوں اور مناسب شخص کون ہو سکتا ہے؟

محمد اور حسنؓ میں یوں ہی باتیں ہو رہی تھیں، اور اسماء خاموش کھڑی ان کی

وہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ لیکن یہاں اور اس وقت نہیں ـــــ یہ بتاؤ وہ بڑھیا مکان بند کر کے کہاں چلی گئی؟

محمد بن ابی بکر:۔

آج صبح وہ افتاں وخیزاں، حیران و پریشان میرے پاس آئی، اور کہنے لگی اسماء رات سے مدینہ سے غائب ہے۔

اسماء:۔

(مسکرا کر) بہت خوب!

محمد بن ابی بکر:۔

میں تو یہ خبر بد سن کر اتنا پریشان ہوا کہ میرے اوسان جاتے رہے، بھلا تم ہی سوچو، میری حالت کیا ہونی چاہیئے تھی!

اسماء:۔

(متبسم ہو کر) وہ تو دیکھ رہی ہوں، سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟

محمد بن ابی بکر:۔

لیجئے آپ کو شبہ ہے میرے اضطراب و پریشانی پر!

اسماء:۔

نہیں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے، آپ بڑے سچے ہیں، لیکن مجھے بڑھیا کا پتہ بتلایئے، تاکہ گھر جاؤں، یہاں کب تک بیٹھی رہوں گی؟

محمد بن ابی بکر:۔

وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب۔

اسماء:۔

یہ کیوں؟ پھر کہاں رہوں گی؟

تھوڑی دیر تک یہ مجلس اسی طرح قائم رہی پھر حضرت امام حسن اسماء کو لے کر حضرت اُمامہ کے پاس گئے اور تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہماری مہمان ہیں ان کے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھا جائے"!

اس کے بعد وہ اسماء کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا!

"شاید تم انہیں نہیں جانتیں؟"

وہ

یا حضرت میں ان سے بالکل ناواقف ہوں، لیکن ان کے چہرے پر انوار برس رہے ہیں دل بے اختیار ان کی طرف کھینچتا ہے۔ بتائیے یہ کون ہیں؟ -

حضرت حسنؓ نے فرمایا۔

"یہ رسول اکرمؐ کی نواسی اور حضرت زینب کی صاحبزادی ہیں۔ ان کا نام اُمامہ ہے۔ رسول اللہ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے!"

اسماء ادب سے اُمامہ کے پاس بیٹھ گئی ذرا دیر میں محمد کی والدہ بھی آگئیں، اسما نے انہیں سلام کیا، انھوں نے شفقت اور محبت کے ساتھ جواب دیا۔ اور گلے سے لگا لیا"

******

باتیں سن رہی تھی یکایک حسنؓ کی نگاہ اسماء پر پڑی جو مردانہ لباس میں، محمد کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی، انہوں نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت فرمایا

یہ کون صاحب ہیں۔؟

محمد بن ابی بکر:۔

یہ بنو امیہ میں سے ہیں، اور میرے خاص دوست اور کرم فرما ہیں، کیا آپ انہیں شرف میزبانی عطا فرمائیں گے؟

امام حسنؓ:۔

سر آنکھوں پر ——— آیئے تشریف لایئے!

محمد اور اسماء امام حسنؓ کے پیچھے پیچھے چلے، مکان کے اندر پہنچنے کے بعد اسماء نے مردانہ لباس اتار دیا، اور ایک ملائک فریب دوشیزہ کی حیثیت سے نمودار ہوئی حضرت حسن نے اسے دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ ابھی تو میں نے ایک نوجوان اور خوش شمائل مرد کی حیثیت سے انہیں دیکھا تھا، اور اب ایک صاحب جمال دوشیزہ کی حیثیت سے دیکھ رہا ہوں! اصلی حقیقت اور واقعہ کیا ہے؟

محمد بن ابی بکر:۔

یہ وہی لڑکی ہے جس کی والدہ کا قبا میں انتقال ہو گیا تھا۔ اور جو حضرت علیؓ کو بلانے آئی تھی۔

امام حسن نے اسماء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میرے والد کو تمہاری والدہ کی وفات کا بے حد افسوس ہے۔ اس بات کا بھی انہیں افسوس ہے کہ اپنے جس راز کا وہ انہیں امین بنانا چاہتی تھیں اس کا انکشاف نہ کر سکیں۔ کئی مرتبہ انہوں نے مجھ سے اس کا تذکرہ فرمایا۔

ہیں کہ ان سے زیادہ مستحق اور سزاوار اس منصب کا کوئی اور نہیں ہے۔

امام حسن :۔

مجھے خود حیرت ہے، لیکن!

اپنے انکار کی وجہ وہی خوب جانتے ہوں گے!

محمد بن ابی بکر:۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کا کیا خیال ہے؟ میرے خیال میں یہ حضرات تو حضرت علی کی خلافت کو ناپسند کرتے ہوں گے۔ کیونکہ خود اپنے آپ کو خلافت اور امامت کا مستحق خیال کرتے ہیں!

امام حسنؓ :۔

بات تو یہی ہے، لیکن اگر سب بیعت کر لیں گے تو انہیں بھی بیعت کرنا پڑے گی، یہ انفرادی پسند اور ناپسند کا سوال نہیں ہے۔ اجتماعی فیصلہ سب ہی پر نافذ ہوتا ہے ذاتی طور پر آدمی کی رائے خواہ کچھ ہی ہو!۔

اس گفت گو کے بعد محمد اپنی قیام گاہ پر چلا گیا!

وہ اسماء کو دل جان سے چاہتا تھا اور اب کہ وہ اس گھر میں تھی اور اس سے اپنی محبت کا اعتراف کر چکی تھی۔ وہ بے چین تھا کہ کسی طرح بھی جلد از جلد شادی ہو جائے۔ رات کو بڑی دیر میں اسے نیند آئی اور جب تک نیند نہیں آئی وہ یہی سوچتا رہا کہ جلد از جلد اسماء سے نکاح کرے۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ سیدھا امام حسنؓ، کے در دولت پر پہنچا، وہ اس وقت حضرت اُمامہ کے پاس تشریف رکھتے تھے۔ امام حسنؓ حسب معمول بہت تپاک اور اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔

باب (۳۴)

محبّت کا جواب محبت

تھوڑی دیر کے بعد محمد نے امام حسن سے پوچھا:۔

حضرت علی کہاں تشریف رکھتے ہیں؟"

امام حسنؓ :۔

وہ اپنے کمرے میں تشریف فرما ہیں، تمام اکابر وہاں موجود ہیں۔

محمد بن ابی بکر:۔

مسندِ خلافت کے بارے میں مشورہ ہو رہا ہو گا؟

امام حسن :۔

ہاں ـــــ سب لوگ اصرار کر رہے ہیں کہ وہ خلافت کا منصب قبول فرمائیں۔ لیکن وہ برابر انکار کئے جا رہے ہیں۔

محمد بن ابی بکر:۔

حیرت ہے ـــــ آخر وہ انکار کیوں کر رہے ہیں، حالانکہ وہ جانتے

امام حسن :-
کہو محمد رات تو اچھی طرح گذری؟
محمد بن ابی بکر :-
الحمد للہ ـــــــــــ فرمایئے اسماء کیسی ہے؟
امام حسن :-
خدا کا شکر ہے، اچھی طرح ہے۔ لیکن میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ وہ کچھ پریشان اور دل گرفتہ سی نظر آتی ہے۔
محمد بن ابی بکر :-
وہ تو ہونا ہی چاہیئے۔
امام حسنؑ :-
کیوں؟ اس کی وجہ؟
محمد بن ابی بکر :-
غور تو فرمایئے، اتنی مختصر سی مدت میں اُسے کتنے صدموں سے دوچار ہونا پڑا ہے ماں کا غم تازہ تھا کہ باپ داغِ مفارقت دے گیا، پردیس کا عالم ہر طرف اجنبی ماحول نہ کوئی ہمدم، نہ ہم راز، اچھا بھلا آدمی ان حالات میں پریشان اور دل گرفتہ ہو جائے گا۔
امام حسنؑ :-
تو تمہیں اس کا دل بہلانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔
محمد بن ابی بکر :-
جی ہاں یہی میں سوچ رہا ہوں، اس وقت اسے حضرت علیؑ کی خدمت میں لے جاتا ہوں۔
امام حسنؑ :-

وہاں اس کا جی کیا بہلے گا؟ اور پھر وہاں تو مردوں کا مجمع ہوگا!

محمد بن ابی بکر :-

مردانہ لباس اور وضع میں وہ کئی مرتبہ مردوں کی مجلس میں شریک ہو چکی ہے اس وقت بھی اسی طرح جائے گی۔

امام حسنؓ :-

ہاں یہ ہو سکتا ہے، تو لے جاؤ، شاید ان کے کلمات سے وہ تسکین پا جائے یہ کہہ کر امام حسن اندر تشریف لے گئے اور ذرا دیر میں اسماء کو لے کر واپس آئے محمد کو دیکھ کر اسماء کی ساری پریشانی جاتی رہی، وہ پھول کی طرح کھل گئی۔ اس کی ساری اُداسی جاتی رہی، محمد نے اس کی یہ کیفیت محسوس کرلی، اور دل میں بہت خوش ہوا۔ کہ اس کی محبت یکطرفہ نہیں ہے، بلکہ . . . .

یہاں سے یہ تینوں حضرت علی کے کاشانے کی طرف بڑھے، حضرت علیؓ نے اسماء کو پہچان لیا۔ محبت کے ساتھ دیکھا، اور شفقت کے ساتھ فرمایا:-

حضرت علیؓ :-

کیوں لڑکی اب تیرا کیا حال ہے؟

اسماء :-

اللہ کا شکر ہے اچھی ہوں،

حضرت علی :-

بیٹی، تیری ذہانت اور ذکاوت کا ہم پر بڑا اثر ہے، اُس روز تو نے جو تقریر کی تھی اس کا ایک ایک حرف واقعات نے صحیح ثابت کر دیا۔ تو نے کہا تھا۔ قتلِ عثمانؓ سے ایسا فتنہ برپا ہوگا، جس کا دبانا مشکل ہوگا۔ اب وہی نظر آرہا ہے۔ خدا

باب (۳۵)

حضرت علیؓ کا قاتل

تھوڑی دیر میں چند لوگ اندر داخل ہوئے، ان میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی تھے۔ جب لوگ اطمینان سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا:۔

"یا حضرت! ہم بڑی امیدیں لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری بات مان لیں گے۔ ہمارا دل نہیں توڑیں گے۔!

حضرت علیؓ:۔

بیان کرو، کیا تمنّا ہے تمہاری! کیا چاہتے ہو تم!

خطیب:۔

ہم نے کامل غور و فکر کے بعد، یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کریں!

حضرت علیؓ:۔

مسلمانوں پر رحم کرے!

اسمار د۔

لیکن اب آپ سریر آرائے خلافت ہوں گے۔اور انشاء اللہ سارے فتنے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ فاتح خیبر کے سامنے کس کی مجال ہے کہ دم مار سکے۔ سب کو سرِ اطاعت خم کرنا پڑے گا، اب امن و امان کا دور دورہ ہو گا۔ باغی اور مفسد اپنے اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔

اسماء کی یہ باتیں حضرت علیؓ نے مسکرا مسکرا کر سنیں۔ لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

* * * * * *

خطیب:۔

یہ آپ کی بے نفسی ہے۔ حلفی ایمان کی بات یہ ہے کہ آپ کے سوا ہمیں کوئی اور شخص اس منصب کے لیئے موزوں نظر نہیں آتا۔ لہٰذا ہم اپنے اصرار مطالبہ پر قائم ہیں

حضرت علی:۔

تم نہیں محسوس کرتے، میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ کام نازک ذمہ داریوں کا حامل ہے ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا میرے لیے موجودہ حالات اور موجودہ فضا میں مشکل اور دشوار ہوگا!

حضرت علیؓ کے انکار پر سب لوگ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اصرار والتجا کے ساتھ کہا،

ملّت اسلامیہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی ہوا اکھڑی ہو رہی ہے خانہ جنگی کا طوفان سر پر کھڑا ہے۔ حالات زیادہ سے زیادہ نازک ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی حالت بے انتہا سقیم ہو چکی ہے۔ لیکن آپ خلافت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے، کیا آپ کا دل خوفِ خدا سے خالی ہو چکا ہے۔؟

ان الفاظ سے حضرت علیؓ بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے فرمایا:۔

" اگر میں یہ ذمہ داری قبول کر لوں۔ تو کیا تم لوگ اسی اخلاص اور جوش کے ساتھ میری اطاعت بھی کرو گے؟"

کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔

" ضرور کریں گے۔ ہم میں سے ہر ایک دل و جان سے آپ کی اطاعت کرے گا۔

******

تمہاری اس محبت اور خلوص کا میں شکر گزار ہوں، لیکن کئی مرتبہ مجھ سے اصرار کیا جا چکا ہے۔ اور ہر مرتبہ میں نے معذرت کی ہے۔

خطیب:۔

لیکن یہ ہمارا متفقہ فیصلہ ہے۔

حضرت علی:۔

وہ تو ٹھیک ہے، لیکن میں اس بارگراں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس میں بہت سی دشواریاں نظر آ رہی ہیں۔

خطیب:۔

یہ نہ فرمایئے۔ آپ سے بڑھ کر اس منصب کا سزاوار کوئی نہیں۔ نہ صرف یہ کہ آپ برادر رسولؐ ہیں۔ بلکہ آپ وہ ہیں جن پر رسالت مآبؐ نے ہمیشہ بھروسہ کیا۔ ہر نازک مرحلہ پر جس نے اسلام اور ملت اسلامیہ کی گراں بہا خدمات انجام دی، آپ سے بڑھ کر کوئی شخص اس منصب کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؓ:۔

لیکن، یہ خصوصیات صرف مجھی میں نہیں ہیں!

خطیب:۔

اس ارشاد کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا!

حضرت علی:۔

ابھی خدا کے فضل سے ایسے اور لوگ بھی موجود ہیں، جو رسالت مآبؐ سے شرف قرابت رکھتے ہیں۔ جن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں جنہوں نے ہر کٹھن اور نازک مرحلہ پر اسلام اور ملت اسلامیہ کے گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔ ان میں سے کسی کا دامن پکڑو۔ سب سے پہلے جو شخص بیعت کے لیے اپنا ہاتھ بڑھائے گا وہ علی ابن ابی طالب ہوگا۔"

باب (۳۶)

بیعت

لوگوں کے اس پرجوش اعلان نے حضرت علی کو آمادہ کردیا کہ وہ ان گراں بار ذمہ داریوں کو قبول فرمالیں، وہ سب کو ساتھ لے کر مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے وہاں اور بھی بہت سے مسلمان پہلے سے موجود تھے۔

حضرت علی جیسے ہی داخل ہوئے سب نے جوش وخروش کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اور ان کی طرف بیعت کرنے کے لیے بڑھے۔ ایک پر دوسرا گرا پڑتا تھا جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ سب سے پہلے بیعت کا شرف اسی کو حاصل ہو۔ بیعت کے فریضہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایک فصیح و بلیغ اور اثرانگیز خطبہ دیا۔ انہوں نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:۔

لوگو!

تم نے مجھے ایک زبردست اور گراں بار منصب پر مامور کیا ہے میرے دل میں ہرگز یہ خواہش نہیں کہ امارت اور منصب خلافت حاصل کروں،

لیکن تمہارے اصرار نے مجھے مجبور کر دیا اور میں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔

لوگو!

حالات بہت زیادہ ابتر ہو چکے ہیں، معاملات ہیں کہ بگڑتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ اگر تم نے اخلاص اور محبت کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے تو میری مدد کرو، میرے ہاتھ مضبوط کرو، میرا ساتھ دو تاکہ میں کمزور کو اس کا حق دلواؤں، اور زور آور سے کمزور کا حق چھین لوں۔

لوگو!

جو لوگ اس کام میں اس لئے میرا ساتھ دے رہے ہیں کہ وہ جاہ و منصب پر فائز ہوں گے۔ عیش و تنعم کی زندگی بسر کریں گے، وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اس غلط فہمی کو جس قدر جلد رفع کر لیں اتنا ہی بہتر ہے!

میں اپنے عہد میں کسی پر ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ کسی کا خون پامال نہ ہونے دوں گا، اس سلسلہ میں مجھے بہت سے لوگوں کی ناراضامندیاں برداشت کرنا پڑیں گی۔ ممکن ہے میں اپنے بعض پرجوش حامیوں کی رفاقت اور تائید سے محروم ہو جاؤں، لیکن جو اصول میں نے بنایا ہے اس سے روگرداں نہیں ہو سکتا....!

لوگو!

میں مسلمان ہوں، اور اپنے اسلام پر فخر کرتا ہوں، جب تک یہ منصب میرے پاس ہے، تم میرا احتساب کر سکتے ہو، میری نگرانی کر سکتے ہو، میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اگر مجھے کتاب و سنت کے راستے سے روگرداں پاؤ، تو ٹوک دو، اور میری اعانت نہ کرو، اور اگر میں کتاب و سنت کے مطابق احکام صادر کروں، تو بے چون چرا میری اعانت کرو، تکمیل امور

میں میرا ہاتھ بٹاؤ!

اس تقریر کا بھی لوگوں پر بڑا خوش گوار اثر پڑا۔ اور حاضرین نے جوش و خروش کے ساتھ اللہ اکبر کے نعروں سے اس کا استقبال کیا۔ منبر سے اترنے کے بعد، حضرت علی اپنے گھر تشریف لے گئے اور لوگ، اپنی اپنی اقامت گاہ کی طرف منتشر ہو گئے!

******

باب (۳۷)

مکّہ کی طرف

جب خطبہ ختم ہوگیا، توسب لوگ خوشی اور مسرت کے شادیانے بجاتے ہوئے اپنے اپنے گھر واپس گئے، اسماء بھی یہاں موجود تھی، محمد نے اشارہ سے اسے الگ بلایا اور کہا:۔

اب کیا ارادہ ہے؟

کیا مطلب؛ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ میں کیا بتاؤں؟

محمد بن ابی بکرؓ:۔

میرا مطلب یہ ہے کہ اب کہاں رہو گی؟

اسماءؓ:۔

جہاں تم کہو، میں تو تمہاری مرضی کی تابع ہوں،

محمد بن ابی بکرؓ:۔

میری رائے یہ ہے کہ فی الحال ابھی اسی بڑھیا کے ہاں رہو:

اسماء:۔
وہیں سہی، تم اگر جنگل اور صحراؤں میں لے جاکر رکھو گے تو رہوں گی، جہاں تم وہاں میں"
ان باتوں سے محمد کا دل خوش ہو گیا، فرطِ مسرت سے اس کے چہرے پر بشاشت کے آثار پیدا ہو گئے!

محمد بن ابی بکر:۔
بس تو وہیں مناسب ہے!

اسماء:۔
ایک بات کہنے کو جی چاہتا ہے اگر مان لو تو کہوں؟

محمد بن ابی بکر:۔
نہ ماننے کا سوال کیا ہے؟ ضرور مانوں گا، حکم دو

اسماء:۔
یہاں کے ہولناک اور جگر خراش واقعات نے میرے دل میں دہشت پیدا کر دی ہے۔ میں فی الحال یہاں نہیں رہنا چاہتی، میری رائے ہے کہ مجھے لے کر کہیں اور چلو، وہیں ہم تم سکون اور عافیت کی زندگی بسر کریں گے!

محمد بن ابی بکر:۔
تمہارا یہ مشورہ سر آنکھوں پر لیکن ....

اسماء:۔
لیکن یہ نہیں ہو سکتا، کیوں یہی نا؟

محمد بن ابی بکر:۔
نہیں یہ مطلب نہیں، میرا مدعا یہ ہے کہ ابھی حالات کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ عرصہ تک میں یہاں رہوں، جب حاجات، اور ضروریات کا انتظام طے ہو جائے گا

پھر جہاں چاہو گی وہاں چلیں گے!

اسماء:۔

(بے دلی سے) تو پھر وہیں بڑھیا کے ہاں پہنچا دو مجھے!

محمد بن ابی بکر:۔

ایسا کیوں نہ کرو کہ جب تک تم میری خواہر، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں قیام کرو!

اسماء:۔

(خوش ہو کر) زہے قسمت۔ لیکن وہ تو حج کے لیے تشریف لے گئی ہیں یہاں میں کہاں!

محمد بن ابی بکر:۔

تو اس سے کیا ہوتا ہے، وہیں مکہ میں چلی جاؤ!

اسماء:۔

(خوش ہو کر) میں تیار ہوں، لیکن جاؤں گی کس کے ساتھ، یہ بھی سوچا تم نے؟

محمد بن ابی بکر:۔

اس کی فکر نہ کرو، میں بندوبست کر دوں گا!

اسماء:۔

میں تیار ہوں، ابھی کہو، تو اسی وقت!

محمد بن ابی بکر:۔

(مسکرا کر) اتنی جلدی کی بھی ضرورت نہیں۔ کل چلی جانا، میں بڑھیا سے کہہ دوں گا، وہ تمہارے ساتھ چلی جائے گی!

اسماء:۔

محمد بن ابی بکر:۔

میں تمہارے اس جذبہ کی قدر کرتا ہوں ،

اسماء:

میں اپنے جذبہ کی قدردانی نہیں چاہتی۔؟

محمد بن ابی بکر:۔

(محبت بھرے لہجہ میں) پھر کیا چاہتی ہو!

اسماء:۔

اطمینان ...... بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا؟

محمد بن ابی بکر:۔

اچھا اس کا فیصلہ، ہم تم دونوں حضرت عائشہ پر چھوڑے دیتے ہیں!

اسماء:۔

یہ کیوں کر۔؟

محمد بن ابی بکر:۔

تم مکہ ان کے پاس جا رہی ہو، میں بھی چند روز میں وہاں پہنچتا ہوں تم ان کے سامنے اپنے تاثرات رکھنا، میں اپنے خیالات پیش کروں گا۔ ہم دونوں کے بیانات سن کر وہ جو فیصلہ کردیں گی اسے تم بھی منظور کر لینا۔ میں بھی منظور کر لوں گا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ میں خطاکار ہوں، تو روٹھ جانا کبھی نہ منانا، اور مجھے بے قصور قرار دیں تو یہ خلش اپنے دل سے نکال دینا ——— کہو ہے منظور ———؟

اسماء:۔

(خوش ہو کر) منظور ہے، دل سے منظور ہے!

******

بہت بہتر ـــــــ لیکن تم وہاں ہو گے نہیں، میں بہت جلد گھبرا جاؤں گی

محمد بن ابی بکر:۔

انشاء اللہ اس سے پہلے کہ تم گھبراؤ، میں پہنچ جاؤں گا۔

اسماء:۔

اور اگر نہ آئے تو؟

محمد بن ابی بکر:۔

اگر ایسا ہو تو تم خود واپس چلی آؤ۔

اسماء:۔

بس ٹھیک ہے،

محمد بن ابی بکر:۔

اسماء میں دیکھتا ہوں کہ مجھے دیکھ کر تم خوش ہو جاتی ہو۔ اور پھر یکایک کچھ سوچنے لگتی ہو، فکرمند سی نظر آنے لگتی ہو، یہ میرا وہم ہے یا واقعہ؟

اسماء:۔

واقعہ ہے ـــــــ میں جھوٹ نہیں بول سکتی؛

محمد بن ابی بکر:۔

تو یہ بھی بتادو، ایسا کیوں ہوتا ہے۔!

اسماء:۔

مجھے یہ خلش ستاتی رہتی ہے کہ ایک بہت نیک فرشتہ صورت اور فرشتہ خصلت بزرگ محترم ۔ حضرت عثمانؓ .... کے قتل میں تمہارا ہاتھ ہے۔ تم کتنے اچھے ہو، یہ میرا دل جانتا ہے، اسے میں الفاظ کے ذریعے ظاہر نہیں کر سکتی، لیکن تم اتنا افسوسناک کام بھی کر سکتے۔ ہو۔ یہ سوچ کر میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔!

باب (۴۸)

حضرت عائشہؓ

اس گفتگو کے بعد محمد نے اسماء کو بڑھیا کے گھر پہنچادیا۔ اور خود واپس چلا گیا، دوسرے روز علی الصباح ایک تیز رفتار سانڈنی پر ہودج کسوا کر وہ پہنچا اسماء اُسے دیکھ کر نہال ہوگئی، اُس نے کہا:۔

"میں تمہارا انتظار ہی کر رہی تھی!"

"محمد نے کہا:۔

"خوش قسمتی سے آج ایک قافلہ مکہ جارہا ہے۔ میں نے بندوبست کر لیا ہے تم اس کے ساتھ چلی جاؤ!"

اسماء:۔

میں جانے کو چلی تو جاؤں، لیکن یہ قافلہ کن لوگوں پر مشتمل ہے؟

محمد بن ابی بکرؓ:۔

اچھے لوگ ہیں۔ ہمارے عزیز، حضرت عائشہ کی ننھیال کے لوگ، یعنی

عبیدہ بن سلمہ وغیرہ اس میں شریک ہیں!

اسماء:۔

کیا حضرت عائشہؓ کی ننھیال اور تمہاری ننھیال میں فرق ہے؟

محمد بن ابی بکر:۔

ہاں ــــــــ حضرت عائشہؓ کی والدہ اور میری والدہ جُداجُدا ہیں!

اس مختصر سی بات چیت کے بعد، محمد نے اسماء کو بڑھیا کے ساتھ اونٹ پر بٹھایا اور یہ لوگ، اس قافلہ میں شامل ہو کر مکّہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

قافلہ مدینۂ منورہ سے روانہ ہوا۔ تو قباؔ میں ٹھہرا! اسماء کو اپنی ماں مریم یاد آگئی، وہ اس کی قبر پر گئی، وہاں پہنچ کر بے تحاشا رونے لگی، بڑھیا نے اُسے تسکین دی، پھر فاتحہ پڑھ کر یہ لوگ قافلہ میں شریک ہو گئے۔ یہاں سے رخصت ہو کر قافلہ تیزی کے ساتھ اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر مکّہ معظمہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر مقام سرف میں قافلہ نے پڑاؤ کیا، اسماء نے بڑھیا سے پوچھا:۔

قافلہ یہاں کیوں رُک گیا؟

بڑھیا نے جواب دیا؛

حضرت عائشہؓ یہیں ٹھہری ہوئی ہیں، عبیدہ بن سلمہ ان سے ملنے گئے ہیں:

اسماء:۔

ذرا پتہ چلاؤ، حضرت عائشہؓ یہاں کب سے مقیم ہیں اور کس طرف تشریف لے جا رہی ہیں؟

بڑھیا:۔

میں نے ساربان سے ابھی پوچھا تھا، وہ کہتا تھا کہ اُم المومنین چند روز سے یہاں مقیم ہیں، اور مدینہ منورہ تشریف لے جا رہی ہیں!

اسماء:-

ہمیں بہرحال ان سے ملنا، اور ان ہی کے ساتھ رہنا ہے، تو پھر یہیں کیوں نہ مل لیں؟

بڑھیا:-

بڑی اچھی تجویز ہے، چلو چلتے ہیں!

اسماء:-

بڑی بی تم اُمّ المومنین سے اس سے پہلے بھی کبھی ملی ہو؟

بڑھیا:-

(مسکرا کر) یہ لو۔ میں نے تو انہیں گود میں کھلایا ہے۔

پھر بڑھیا اسماء کو لے کر اُمّ المومنین کے خیمہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ام المومنین کے خیمہ کا رنگ سُرخ تھا، جس کے گرد بہت سے اونٹ اور خدام تھے۔ اسماء جب خیمہ میں داخل ہوئی، تو اُس پر ہیبت چھا گئی، حضرت عائشہ خیمہ کے وسط میں ایک مسند پر تشریف فرما تھیں، اسماء ڈرتے ڈرتے آگے بڑھی، بڑھیا نے اس کا تعارف کرایا، حضرت عائشہ بہت اخلاق اور عنایت کے ساتھ پیش آئیں۔ پھر انہوں نے بڑی بی سے کہا:-

حضرت عائشہ:-

یہاں تمہارا آنا کیوں کر ہوا؟ اور محمد کس حال میں ہے؟

بڑھیا:-

اللہ کا شکر ہے، بہت اچھی طرح سے ہیں۔ انہوں نے اس لڑکی اسماء کو

آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ کچھ عرصہ تک آپ کے پاس رہ کر بہ تربیت حاصل کریں

حضرت عائشہؓ :-

اچھی بات ـــــ لیکن اس وقت تو میں مدینہ جا رہی ہوں، تم ایسا کرو، انہیں مکّے لے جاؤ، اور میری قیام گاہ پر ان کے (اسماء کے) ساتھ ٹھہرو، میں بہت جلد انشاء اللہ مکّہ معظمہ میں واپس آ جاؤں گی۔

بڑھیا :-

بہت بہتر، جیسی آپ کی رائے ہو!

حضرت عائشہؓ :-

یہ تو بتاؤ، تم اور اسماء تنہا ہو، یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟

بڑھیا :-

آپ کے ماموں عبید بن سلمہ کے ساتھ ہم لوگ یہاں آئے ہیں!

حضرت عائشہؓ :-

کیا وہ بھی آئے ہیں؟

بڑھیا :-

جی ہاں، اور آپ سے ملنے کے لیے وہ آتے ہی ہوں گے۔

******

(بے انتہا صدمے کے ساتھ) اناللہ وانا الیہ راجعون، یہ بہت بڑا حادثہ ہے، اُمّتِ مسلمہ کے لیے!

عبید بن سلمہ:-
بے شک، اور اس کے نتائج بھی دیکھئے کیا نکلتے ہیں؟

حضرت عائشہ رضؓ:-
مسلمانوں نے اب کس شخص کو اپنا امیر اور خلیفہ بنایا ہے؟

عبید بن سلمہ:-
حضرت علی رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی!

حضرت عائشہ نے یہ سن کر اپنے خدام سے کہا:-
"اب میں مدینہ نہیں جاؤں گی، چلو مکّہ واپس چلو ــــــــ ہائے عثمان رضؓ بے گناہ قتل کیے گئے، ان کا خون بالا بالا نہیں جا سکتا، اس کا ضرور انتقام لیا جائیگا!"

عبید بن سلمہ:-
معلوم ہوتا ہے آپ کو حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کا بہت زیادہ افسوس ہے!

حضرت عائشہ:-
ہونا ہی چاہیئے، کیا تمہاری رائے میں نہ ہونا چاہیئے!

عبیدہ بن سلمہ:-
میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ پہلے تو آپ عثمان سے بہت زیادہ خفا تھیں!

حضرت عائشہ!
ہاں میں ان سے خفا تھی، اور غصہ میں، میں نے کچھ درشت الفاظ بھی استعمال کئے ہوں گے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ میں ان کی فضیلت کی، زہد و تقویٰ کی نیکی اور پارسائی کی قدر نہیں کرتی۔

باب (۳۹)

اُمّ المومنین رضؓ کی تقریر

اس اثناء میں کہ مجلس قائم تھی کہ عبید بن سلمہ بھی آگئے انہیں آتا دیکھ کر حضرت عائشہ رضؓ نے چہرۂ مبارک پر نقاب ڈال لیا، پھر ان سے دریافت فرمایا "کہئیے آپ مدینہ منورہ کو کس حال میں چھوڑ آئے ہیں! کیا کیفیت ہے وہاں کی!

عبیدہ بن سلمہ :-
آپ مدینہ کا حال کیا پوچھتی ہیں، جو نہ ہونا چاہیئے تھا وہ ہوا - اور خدا ہی بہتر جانتا ہے، آئندہ کیا ہونے والا ہے!

حضرت عائشہ رضؓ،
جو کچھ ہوا اس کی تفصیل تو بتائیے؛

عبید بن سلمہ :-
تفصیل کیا عرض کروں، مختصراً یوں سمجھ لیجئے، عثمان رضؓ شہید کر دیئے گئے !

حضرت عائشہ رضؓ :-

اس گفتگو کے بعد، یہ مجلس برخاست ہوگئی -!

حضرت عائشہ مکہ معظمہ واپس تشریف لے آئیں، اور حسب معمول اپنی قیام گاہ میں اُتریں، آپ کے ساتھ اسماء، اور وہ بڑی بی بھی تھیں۔

مکہ والوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ واپس تشریف لے آئی ہیں تو وہ سب آپ کے گھر کے دروازے پر آکر جمع ہو گئے۔ آپ نے ان کے سامنے ایک دل ہلا دینے والی پر جوش تقریر کی۔

آپ نے فرمایا :-

لوگو ———— !

تم نے مصر، کوفہ، اور بصرہ کے لوگوں کا حال سنا! آہ ان بدبختوں نے جانشین رسولؐ عثمانؓ بن عفان کو قتل کر دیا، عثمانؓ بے گناہ تھے۔ معصوم تھے، مظلوم تھے، جن لوگوں نے انہیں قتل کیا ہے ان جیسے ہزاروں عثمانؓ کی ایک اُنگلی کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ عثمانؓ سے اگر کچھ غلطیاں ہو گئیں تو اس کے یہ معنی کب تھے کہ انہیں ظلم کے ساتھ شہید کر دیا جائے، یہ اتنی بڑی سفاکی اور شقاوت ہے جسے کبھی اور کسی حالت میں بھی معاف نہیں کیا جا سکتا، یہ بہت بڑا گناہ ہے، یہ ایسا اقدام ہے جس نے ملتِ مسلمہ کی سالمیت میں رخنہ پیدا کر دیا ہے، آہ نہ جانے مسلمانوں کی قسمت میں کیا لکھا ہے اور کیا پیش آنے والا ہے!

حضرت عائشہؓ کی اس تقریر کا حاضرین پر بہت اثر ہوا، مجمع میں سے ایک شخص عبداللہ بن عامر آگے بڑھا، اور اس نے کہا :-

" میں پہلا شخص ہوں جو خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں۔ میں اس مطالبہ پر اس وقت تک جمار ہوں گا، جب تک ظالم کیفرِ کردار کو نہ پہنچ جائیں۔

اور مظلوم کا بدلہ نہ ے لیا جائے ۔

عبداللہ بن عامر کے ان الفاظ نے تیل پر آگ کا کام کیا، اور بہت سے لوگ یہ مطالبہ دہرانے لگے۔ ان لوگوں کی باتوں سے اور انداز سے صاف طور پر مترشح ہوتا تھا کہ خونِ عثمانؓ کا ذمہ دار حضرت علی کو سمجھتے ہیں، ان کی تقریروں سے یہی بات مترشح ہوتی تھی، غرض بہت جلد سارے شہر میں ایک آگ سی لگ گئی، اور ہر شخص یہی مطالبہ دُہرانے لگا۔

******

باب (۴۰)

غلط فہمی

اسماء کو سخت حیرت تھی کہ قتل عثمان کی ذمّہ داری، حضرت علیؓ پر کیوں ڈالی جارہی ہے، وہ اس تمام مدت میں مدینہ کے اندر مقیم رہی تھی۔ تمام واقعات اور حالات اس کی نظر میں تھے اُسے سخت حیرت ہوتی تھی کہ جس نے اس ہنگامہ کو فرو کرنے کی سب سے زیادہ جدّوجہد کی، اُس کو اس کا بانی اور ذمہ دار ٹھہرایا جارہا ہے

بڑی بی نے ایک دن اسماء کو خاموش اور متردّد دیکھ کر کہا:۔

کیا بات ہے بیٹی! میں تمہیں خاموش اور متردّد دیکھ رہی ہوں کئی دن سے!

اسماء:۔

بڑی بی ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی"

بڑھیا:۔

"کیا میری بچی!"

اسماء:۔

اُم المومنین کی تقریر نے مجھے سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے!

بڑھیا:۔

کیوں؟ کون سی بات اس میں تمہیں پریشانی اور تردد کی نظر آئی؟

اسماء:۔

میری سمجھ میں نہیں آتا، آخر حضرت علیؓ پر، حضرت عثمانؓ کے قتل کی ذمہ داری کیوں کر ڈالی جاسکتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہ اُن سے کچھ خفا ہیں ـــــــ کیا واقعہ ہے؟

بڑھیا:۔

(رازدارانہ طور پر اِدھر اُدھر دیکھ کر) یہ ایک راز ہے، اور ایسا راز جس سے میرے سوا کوئی واقف نہیں ہے!

بڑھیا ابھی اس سے زیادہ کچھ نہ کہنے پائی تھی کہ دروازے پر آہٹ ہوئی اور ایک حبشی خادمہ اندر داخل ہوئی، اُس نے کہا،

"اُم المومنین نے آپ کو یاد فرمایا ہے"!

اسماء اور بڑی بی حبشی خادمہ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے کمرے میں داخل ہوئیں، وہ ایک مسند پر تشریف فرما تھیں، ان دونوں نے اُنہیں دور ہی سے سلام کیا، اور پھر مسند کے قریب ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں، حضرت عائشہؓ نے بڑی بی سے پوچھا:۔

حضرت عائشہ:۔

حضرت عثمان کس طرح شہید ہوئے؟ کچھ تمہیں معلوم ہے؟

بڑھیا:۔

وہ اس وقت قرآن شریف پڑھ رہے تھے! ـــــ باغیوں نے ان کا

میں اُنہیں نہیں پہچانتی۔ لیکن وہ دو آدمی تھے۔ اور بہت معمولی آدمی معلوم ہوتے تھے!

حضرت عائشہؓ!

آہ، اس سے بڑھ کر ستم کیا ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے صحابی اور خلیفہ رسولؐ کو معمولی آدمی قتل کر دیں، اور دوسرے صحابہؓ یہ منظر دیکھتے رہیں کچھ نہ کر سکیں!

اسماء:۔

اُم المومنین صحابہ کرام نے اس فتنہ کو روکنے اور حضرت عثمانؓ کو بچانے کی پوری کوشش کی، حضرت علیؓ نے اپنے دونوں صاحبزادوں، حسنؓ اور حسینؓ کو ان کی مدد کے لیے بھیجا، میں نے خود حسنؓ کو خون میں شرابور باغیوں سے لڑتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ نے انہیں اس سے منع کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ واپس چلے جائیں۔ لیکن وہ برابر لڑتے رہے، اور زخمی ہوتے رہے،

حضرت عائشہؓ:۔

اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ علیؓ نے اس بغاوت کو روکنا چاہا، اور وہ نہ رُکی تو یہ غلط ہے۔ وہ اگر چاہتے تو یہ فتنہ فوراً دب جاتا۔!

اسماء:۔

مگر میں نہایت ادب کے ساتھ اس رائے سے اختلاف کرتی ہوں۔

حضرت عائشہؓ:۔

تم اختلاف کر سکتی ہو، کرو، لیکن اس کی بنیاد؟

اسماء:۔

حضرت علیؓ بغاوت کے اور باغیوں کے قطعاً خلاف تھے، میرے کانوں میں ان کے وہ الفاظ اب تک گونج رہے ہیں جو انہوں نے رسول اللہ کے مزار

دروازہ بھی جلا دیا۔

حضرت عائشہؓ:۔

کس نے انہیں قتل کیا، اور کس طرح؟

بڑھیا:۔

"یہ میں نہیں جانتی، اس لیے کہ وہاں موجود نہیں تھی، ہاں یہ لڑکی اسماء اس وقت وہاں موجود تھی، اس نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے۔ آپ کے سوال کا یہی جواب دے سکتی ہے۔

حضرت عائشہ:۔

کیوں اسماء تم اس وقت وہاں موجود تھیں؟

اسماء:۔

"جی ہاں ام المومنین بدقسمتی سے اس وقت میں وہیں موجود تھی، یہ المناک حادثہ میری آنکھوں کے سامنے پیش آیا ہے۔

حضرت عائشہ:۔

تو جو کچھ تم نے دیکھا ہے وہ سچ سچ بیان کر ڈالو!

اسماء:۔

بہت خوب جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ سچ سچ عرض کرتی ہوں!

پھر اسماء نے وہ تمام واقعات جو اُس کی نظروں کے سامنے گذرے تھے پوری تشریح اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے، یہ سب داستان سننے کے بعد حضرت عائشہؓ نے پوچھا،۔

لیکن عثمان کو قتل کس نے کیا؟

اسماء:۔

مبارک پر فرمائے تھے، اُن کی نیت پاک، الفاظ صاف تھے، پھر میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر بھی دیکھا کہ لوگ اصرار کر رہے تھے کہ خلافت قبول کر لیں مگر وہ انکار فرما رہے تھے۔ لہٰذا میں کس طرح باور کر لوں کہ وہ باغیوں کے پشت پناہ، فسادیوں کے ہمدرد اور قاتلوں کے دوست تھے البتہ یہ ضرور میری رائے ہے کہ جن لوگوں نے قتل کا ارتکاب کیا ہے وہ مجرم تھے اور انہیں ضرور سزا ملنی چاہیئے۔

حضرت عائشہ :۔

قاتلوں پر مجرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن ان قاتلوں کے سرکردہ کون لوگ تھے۔؟

اسماء :۔

یہ میں نہیں جانتی،

حضرت عائشہ :۔

میں نے سنا ہے، محمد بھی باغیوں میں شریک تھا۔ اگر یہ واقعہ ہو تو تعجب خیز نہیں۔

اسماء :۔

کیوں تعجب خیز کیوں نہیں؟

حضرت عائشہ :۔

اس لیے کہ وہ حضرت علیؓ کا پروردہ ہے، بچپن سے ان ہی کے زیر سایہ اس نے پرورش پائی ہے۔ ———— یہ میں تسلیم کرتی ہوں کہ حضرت عثمانؓ معصوم نہیں تھے۔ ان سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئیں، اوّل تو اگر انہیں صائب مشورہ دیا جاتا، وہ اسے قبول کر لیتے، اور نہ بھی کرتے تو بھی اس شقاوت کے تو وہ کسی حالت میں مستحق نہیں تھے، جو ان کے ساتھ برتی گئی۔

اتنے میں ایک خادمہ آئی، اُس نے کہا۔
مکّہ کے امرا ——— آپ سے ملنے آئے ہیں!
حضرت عائشہؓ نے چہرۂ مبارک پر نقاب ڈالی، اور انہیں بُلالیا۔ اسماء اور بڑی بی بھی اُٹھ کر اپنے کمرے میں آگئیں۔

******

میں اسماء کے بدن کے کچھ حصے کھل گئے۔ بڑی بی یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ اس کی کلائی پر صلیب کا نشان ہے۔ اور گلے میں ایسا تعویذ، جو صرف مسیحوں کے لیے مخصوص ہے، وہ سوچنے لگی، یہ لڑکی یزید کی بیٹی تو کسی طرح نہیں ہو سکتی، یا یہ کسی عیسائی خاندان کی لڑکی ہے، ورنہ اُس نے کسی مسیحی گھرانے میں پرورش پائی ہے!

بڑی بی ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں بیٹھی تھیں کہ اسماء پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی، اور اس کی زبان سے طرح طرح کے فقرے نکلنے لگے۔

آہ میری ماں مریم! !

میری ماں کا راز ان کے ساتھ قبر میں دفن ہو گیا۔

حضرت علی اس وقت پہنچے جب ان کا انتقال ہو چکا تھا،

محمد! تم کیوں نہیں آتے میں کتنی دیر سے تمہاری راہ تک رہی ہوں۔

آؤ، آجاؤ۔

لیکن نہیں! تم حضرت عثمان کے قاتل ہو، تم سے الگ رہنا ہی بہتر ہے لیکن کیا میں تمہیں بھول سکتی ہوں!

نہیں ہرگز نہیں، محمد تم میرے ہو، میری زندگی ہو، میری روح ہو، تم سے الگ رہ کر میں کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتی!

آہ میری ماں کا راز!

اب تک یہ نہ معلوم ہو سکا میرا باپ کون تھا؟ وہ زندہ ہے یا مر گیا؟ زندہ ہے تو کہاں ہے؟ مرا تو کس جگہ؟

بڑی بی یہ ہذیانی باتیں دم بخود بیٹھی سن رہی تھی، یہ تو یقین ہو گیا، اسماء یزید کی بیٹی نہیں ہے، لیکن کون ہے؟ یہ کیسے معلوم ہو؟ جب خود اسماء اس راز سے ناآشنا ہے تو کون اس سے واقف ہو سکتا ہے؟ وہ اسی سوچ میں بیٹھی

باب (۴۱)

ام الفضل

اسماء حضرت عائشہ کے کمرے سے اٹھ کر جب اپنے کمرے میں واپس آئی تو اس کا پنڈا پھیکا ہو رہا تھا، اس نے بڑی بی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

دیکھنا مجھے بخار تو نہیں؟

بڑھیا نے اسماء کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، تو وہ گھبرا گئی، اسماء کو شدید بخار تھا؛

بڑھیا نے اسماء کو بستر پر لٹا دیا اور کہا ؛۔

"بیٹی تجھے تو اچھا خاصا بخار ہے!"

اسماء نے کوئی جواب نہ دیا منہ لپیٹ کر بستر پر پڑ رہی، تھوڑی دیر کے بعد بڑی بی نے پھر جو نبض پر ہاتھ رکھا، تو بخار پہلے سے بھی زیادہ تیز تھا!

اسماء پر اس وقت غفلت طاری تھی، وہ بے چینی کے ساتھ بار بار اِدھر اُدھر کروٹیں بدلتی تھی، بڑی بی اس کے سرہانے بیٹھی تھیں، بار بار کے کروٹ لینے

"یہ ام الفضل ہیں، ان کا نام لبابہ ہے، محمد بن ابی بکرؓ ان کے بھانجے اور محمد کی والدہ اسماء ان کی حقیقی بہن ہیں، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائی تھیں، یہ رسولؐ اللہ کے عم محترم، عباس کی اہلیہ محترمہ اور عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ مکرمہ ہیں۔ ام المومنین۔ حضرت میمونہ ان کی بہن ہوتی تھیں۔"

اسماء امّ الفضل کے حالات سن کر بہت خوش ہوئی، اس نے ادب کے ساتھ جھک کر سلام کیا، اُس کے دل میں اُم الفضل کی عظمت و وقعت بیٹھ گئی۔ ام الفضل نے اسماء کو بخار کی طرف سے مطمئن کرنے کے بعد، بڑی بی سے محمد کا حال پوچھا، پھر کہا:۔

"کیا تم حضرت عائشہ سے ملی تھیں؟"

بڑھیا نے کہا:۔

ہاں ملی تھی، ابھی وہیں سے آ رہی ہوں!

اُم الفضل:۔

موجودہ حالات سے متعلق ان کا کیا خیال ہے؟

بڑھیا:۔

بہت خفا ہیں، انتقام لینے کا فیصلہ کر چکی ہیں، مکہ کا حاکم بھی ان کی تائید میں ہے

ام الفضل:۔

میں نے سنا ہے کہ وہ لوگوں کو خونِ عثمان کا بدلہ لینے پر آمادہ کر رہی ہیں، کیا یہ سچ ہے؟

بڑھیا:۔

ہاں بالکل سچ ہے ۔۔۔۔۔۔ میرے خیال میں اپنا یہ ارادہ وہ پورا کر کے رہیں گی!

تھی کہ ایک خادمہ نے آکر اطلاع دی۔

"اُم الفضل آئی ہیں۔ اور آپ سے ملنا چاہتی ہیں!"

اُمّ الفضل کا نام سن کر بڑی بی کا چہرہ فرطِ مسرت سے گلنار ہوگیا، وہ بیتابی کے ساتھ اٹھیں، اور اُم الفضل کے پاس پہنچ گئیں، یہ ساٹھ برس کی ایک بوڑھی عورت تھی اس میں اور بڑی بی میں ہمیشہ سے بڑی گاڑھی چھنتی تھی، پاس کے حجرے میں بیٹھ کر دونوں یک سوئی کے ساتھ باتیں کرنے لگیں، ام الفضل نے اسماء کے کراہنے کی آواز سنی تو پوچھا:۔

"یہ کس کے کراہنے کی آواز آرہی ہے؟"

بڑی بی نے جواب دیا:۔

یہ ایک اموی شخص یزید کی لڑکی ہے، چند روز ہوئے شام سے آئی ہے قبا میں اس کی ماں کا انتقال ہوگیا، بڑی نیک اور پیاری لڑکی ہے۔

بخار چڑھا ہوا ہے، اور ہذیانی باتیں کر رہی ہے۔

اُمّ الفضل نے ازراہ ہمدردی کہا۔

"تو چلو اس کے پاس بیٹھیں شاید کوئی کام ہو!"

دونوں پھر اسماء والے کمرے میں آگئیں، امّ الفضل نے پیشانی پر ہاتھ رکھا تو خوشخبری سُنائی۔

لو پسینہ آگیا، بخار بھی اب بہت کم ہے!

واقعی بخار اُتر رہا تھا، اور اب اسماء ہوش میں تھی، ایک نئی عورت ام الفضل کو دیکھ کر اسماء نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن امّ الفضل نے اُسے اٹھنے نہ دیا۔ اور اس کے پاس بیٹھ کر بڑی بی سے باتیں کرنے لگی، بڑی بی نے اسماء سے ام الفضل کا تعارف کراتے ہوئے کہا:۔

ام الفضل :-

خدا خیر کرے، ایسا معلوم ہوتا ہے، جو بے انتقام لینے پر تلا ہوا ہے۔ دیکھئے، اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے! مکّہ والے تو آمادہ ہیں ہی، بنو امیہ بھی مدینہ سے یہاں آتے جا رہے ہیں، سنا ہے، طلحہؓ اور زبیرؓ بھی آنے والے ہیں۔ کئی لوگ بصرہ، کوفہ اور شام بھی بھیجے گئے ہیں!

بڑھیا :-

وہاں جا کر وہ کیا کریں گے ؟

اُمّ الفضل :-

لوگوں کو انتقام لینے پر اُکسائیں گے!

بڑھیا :-

شام میں کسی کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی!

ام الفضل :-

یہ کیوں! وہاں کیوں ضرورت نہیں تھی؟

بڑھیا :-

وہاں بنو امیہ چھائے ہوئے ہیں، نمائش کے لیے نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں بھی بھیج دی گئی ہیں، اور حضرت عثمان کا خون آلود پیراہن بھی۔

امّ الفضل :-

(آنکھوں میں آنسو بھر کر) دیکھئے ان باتوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟ مسلمانوں کی خانہ جنگی، اور باہمی آویزش کیا رنگ لائے گی، کچھ کہا نہیں جا سکتا، خدا ہی رحم کرنے والا ہے۔"

اسماء :-

اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی کچھ عرض کروں؟

امّ الفضل :-

بیٹی تمہیں منع کس نے کیا ہے؟ شوق سے کہو ،

اسماء :-

امیر المومنین عثمانؓ کے قتل کے وقت میں، ان کے گھر میں موجود تھی ۔ یہ واقعہ میرے سامنے ہوا ۔ بلاشبہ خلیفہ پر بہت بڑا ظلم ہوا ۔ ان کا کوئی قصور نہیں تھا ۔ اس سارے فتنہ و فساد کا بانی مبانی مروان اور صرف مروان تھا ۔ لیکن اس سارے واقعہ میں ایک بات میرے لیے بہت زیادہ حیرت انگیز ہے ۔

امّ الفضل :-

وہ کون سی بات ہے بیٹی ؟

اسماء :-

وہ ہے محمد کا بیان ، محمد کا بیان ہے کہ حضرت عثمان قتل کے مستوجب تھے میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو خاموش ہو گئے ۔

ام الفضل :-

بیٹی تم اصل حالات سے ناواقف ہو ؛

اسماء :-

تو آپ بتا دیجئے تاکہ جان جاؤں ؟

اُم الفضل :-

حضرت عثمان بڑے اچھے آدمی تھے ۔ سراپا نیکی اور پارسائی ، لیکن ان کے مشیر اچھے نہ تھے ۔ اگر ان کے مشیر اچھے ہوتے تو ہرگز یہ نوبت نہ آتی ، حضرت عثمان پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ یہ ہیں :-

ذرا فاصلہ پر کھجور کے ایک درخت کے نیچے پہنچیں، ام الفضل نے بڑی بی سے آہستہ سے کہا:۔

خدا عثمانؓ پر رحم کرے، اور علیؓ کی مدد کرے، میری نظر میں اس وقت علیؓ سے بڑھ کر خلافت کا سزاوار کوئی نہیں، اگرچہ میرے بیٹے عبداللہ بن عباس کی رائے اس کے خلاف ہے .... !

بڑھیا:۔

ابن عباسؓ اور علیؓ کے خلاف؟

ام الفضل:۔

خلاف نہیں، وہ بعض معاملات میں علیؓ کو ضعیف الرائے سمجھتا ہے لیکن وہ سارے مسلمانوں پر انہیں ترجیح دیتا ہے۔ ان کی خلافت سے راضی اور خوش ہے .... بلکہ جیسے ہی اُن کے خلیفہ ہونے کی اطلاع ملی وہ فوراً مدینہ روانہ ہو گیا تاکہ اگر کسی مدد اور مشورہ کی ضرورت ہو تو وہ اپنی خدمات پیش کرے

بڑھیا:۔

یہ تو آپ نے بڑی اچھی خبر سنائی، لیکن اسماء سخت بیمار ہے کیا کروں؟

ام الفضل:۔

گھبرانے کی ضرورت نہیں، تم اُسے شہد چٹاؤ، انشاءاللہ کل تک بخار اتر جائے گا۔

بڑھیا:۔

لیکن بڑی ضدی لڑکی ہے، کئی مرتبہ شہد کھلانے کی کوشش کر چکی ہوں مگر نہیں پیتی، جاتی ہوں۔ اب ام المومنین عائشہؓ سے کہتی ہوں۔ ان کے کہنے پر پی لے گی!

******

(۱) اسلامی فتوحات، اور توسیع مملکت میں جن بزرگوں کا بڑھ چڑھ کر حصّہ تھا وہ اس کے مستحق تھے کہ انہیں مناصب سے نوازا جاتا، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایسا ہی ہوا، لیکن حضرت عثمان کے زمانہ میں اس کا خیال نہیں رکھا گیا۔ مستحق نظر انداز کر دیئے گئے۔ اور غیر مستحق لوگ امارت، اور ولایت پر فائز کیئے گئے چنانچہ عمرو بن العاص، وہ شخص ہیں جنہوں نے مصر فتح کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں وہاں کا گورنر بنا دیا تھا، لیکن عہد عثمانی میں وہ معزول کر دیئے گئے۔ اور حضرت عثمانؓ کے دودھ شریک بھائی عبداللہ اس منصب پر فائز کر دیئے گئے۔ یہ نہ صرف نااہل تھے بلکہ اسلام قبول کر کے مُرتد ہو گئے تھے۔ فتح مکّہ کے وقت حضرت عثمانؓ نے ان کے لیے امان طلب کی تھی۔

(۲) حضرت عثمانؓ خود بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے، انہوں نے بیت المال کی کوئی رقم اپنے اُوپر نہیں خرچ کی، لیکن بنوامیہ کو، جو ان کے قرابت دار تھے، خوب خوب نوازا۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی جنھیں رسول اللہؐ نے ان کے اعمال کے باعث محروم فرمایا تھا۔

(۳) بعض جلیل القدر صحابہ کے ساتھ ان کا رویّہ اچھا نہیں تھا، مثلاً حضرت عبداللہ بن.... ، اور حضرت ابوذر غفاریؓ کو انہوں نے جلا وطن کر دیا، کعب بن عبدہ اور اشتر نخفی کی انہوں نے ہتک کی!

(۴) بنوامیّہ کے جن لوگوں کو جاگیر دی، وہ کسی طرح بھی اس رعایت اور سلوک کے مستحق نہ تھے!

اسماء بڑے غور سے ام الفضل کی باتیں سن رہی تھی، محمد کی طرف سے اب اس کا دل صاف ہوتا جا رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد کمزوری کے باعث وہ لیٹ گئی، پھر اسے غنودگی سی آگئی، اور وہ سو گئی!

اس کے سو جانے کے بعد اسماء اور بڑی بی حجرہ سے باہر نکلیں، مکان سے

باب (۴۲)

حضرتِ طلحہؓ حضرتِ زبیرؓ

اُم الفضل کو رخصت کر کے بڑی بی اسماء کے کمرے میں آئیں، تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اس کے سرہانے کھڑی ہیں۔ انہوں نے بڑی بی سے پوچھا۔

"اسماء کا کیا حال ہے؟"

بڑی بی نے کہا:۔

جب سے آپ کے پاس سے واپس آئی ہے بخار میں لت پت پڑی ہے۔

حضرت عائشہؓ:۔

تو تم نے اسے شہد کیوں نہیں پلایا!

بڑھیا:۔

میں نے تو لاکھ کوشش کی لیکن وہ پئے بھی۔

حضرت عائشہؓ:۔

اچھا لاؤ، میں پلاؤں گی، دیکھوں کیسے نہیں پیتی۔

بڑی بی نے شہد کا پیالہ لا کر حضرت عائشہ کو دیا، انہوں نے جب اس کی طرف بڑھایا، تو بے عذر اس نے غٹ غٹ پی لیا، پھر انہوں نے اونٹنی کا دودھ منگوایا، اور اس کا ایک گلاس پلا دیا جس سے اس کے بدن میں توانائی آگئی!

ابھی وہ یہاں تشریف فرما تھیں کہ ایک چھوکرا دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا۔

ابھی ابھی مدینہ سے ایک قافلہ آیا ہے، اس میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی ہیں۔ اور وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں"!

حضرت عائشہ نے لڑکے سے کہا، جا ان لوگوں کو بلا لا۔ ان کے آنے سے پہلے آپؓ نے چہرۂ مبارک پر نقاب ڈالی۔ ذرا دیر میں یہ دونوں بزرگ بھی تشریف لے آئے، سلام و دعا کے بعد حضرت عائشہ نے پوچھا۔

"مدینہ کی کیا حالت ہے؟"

"حضرت طلحہؓ:۔

بہت خراب ...۔ فتنہ و فساد کا بازار گرم ہے۔ لوگ حق اور ناحق کو سمجھنے کی توفیق سے محروم ہو چکے ہیں۔ اسی لیے ہم وہاں اپنا گذر نہ دیکھ کر یہاں چلے آئے!

حضرت عائشہ:۔

افسوس عثمان قتل کر دیئے گئے اور تم بیٹھے دیکھا کئے۔

حضرت زبیرؓ:۔

خدائے بزرگ و برتر کی قسم ایسا نہیں ہوا، ہم نے اپنے بیٹوں کو مدافعت کیلئے بھیجا، خود بھی جو کچھ ہو سکا کیا، لیکن مشیت الٰہی کے سامنے ہم بے بس ہو گئے۔

حضرت عائشہ:۔

اور پھر تم نے ایک شخص (حضرت علی) کے ہاتھ پر بیعت کر لی!

حضرت طلحہؓ:۔

عبداللہ بن عامر:۔
میری رائے میں شام جانے کی ضرورت نہیں۔ بصرہ چلتے ہیں۔ وہاں کے لوگ حضرت طلحہ کو پسند کرتے ہیں۔ وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں۔

حضرت طلحہؓ:۔
نہیں میں خلافت کا منصب نہیں حاصل کرنا چاہتا، میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا، جس سے فساد پیدا ہوتا ہو، البتہ میری یہ رائے ضرور ہے کہ ہمیں بصرہ چلنا چاہیئے۔ وہاں ہم بہت بڑی جمعیت فراہم کریں گے، اور ہر طرح کا سامان بڑی آسانی سے فراہم کرلیں گے۔

یہ گفت گو جاری تھی کہ مروان یک بیک نمودار ہوا اُس نے کہا:۔
آپ دونوں حضرات میں سے کون خلیفہ منتخب ہوا ہے تاکہ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کروں اور اس کی خلافت کا اعلان کردوں؟

عبداللہ بن زبیر:۔
خلافت کا منصب زبیر بن عوام کا حق ہے، ان کے ہاتھ پر بیعت کرو، اور اعلان عام کردو!

عبداللہ بن طلحہ:۔
خلافت، طلحہ کے سوا کسی کو نہیں مل سکتی!

مروان:۔
اس اختلاف کی صورت میں میری رائے یہ ہے کہ طلحہ اور زبیر میں کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے بلکہ خلیفہ مظلوم ومقتول حضرت عثمان کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کرلی جائے۔

حضرت طلحہ:۔

ہم نے یہ بیعت خوشی سے نہیں کی!۔

حضرت زبیرؓ:۔

ہم بیعت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے۔

حضرت عائشہؓ:۔

عثمان ظلم سے قتل کیے گئے ہیں!

حضرت طلحہؓ:۔

بے شک، یہ امر واقعہ ہے۔

حضرت عائشہؓ:۔

ضرور ہے کہ ان کے خون کا بدلہ لیا جائے۔

حضرت زبیرؓ:۔

یہاں ہمارے آنے کا مقصد صرف یہی ہے!

ابھی یہ گفت گو جاری تھی کہ خادم آیا، اور اس نے عرض کیا۔

حضرت عثمان کا ماموں زاد بھائی، عبداللہ بن عامر جو بصرہ کا گورنر ہے، قتل عثمان کی خبر سُن کر بیت المال کا سارا روپیہ سمیٹ، انتقام کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آیا ہے۔ اور یعلیٰ بن امیہ بھی جو یمن کا حاکم ہے، سات سو اونٹ اور سات لاکھ درہم لے کر آیا ہے کہ خون عثمان کا بدلہ لے،

حضرت عائشہؓ نے اجازت دی کہ ان لوگوں کو بلایا جائے، یہ لوگ آئے اور مؤدب ہو کر ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔

حضرت زبیرؓ:۔

ہم اگر انتقام لینا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ شام کا رُخ کریں اور وہاں سے قوت فراہم کر کے مدینہ کی طرف کوچ کریں۔!

(غضبناک حالت میں) یہ کیسی احمقانہ تجویز تو پیش کر رہا ہے؟ صحابہ کی موجودگی میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک بچہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی جائے۔

حضرت عائشہ:۔

(مروان سے مخاطب ہو کر) یہ تو نے کیسی لغو اور بیہودہ بحث چھیڑ دی؟ کیا تو یہاں بھی اس لیے آیا ہے کہ فتنہ و فساد برپا کرائے؟ بہتر ہے کہ تو خاموش ہو جا"

وہ خاموش ہو گیا۔!

لیکن اسماء ضبط نہ کر سکی، اُس نے مروان سے کہا:۔

"کمبخت تجھے شرم نہیں آتی، تو اب بھی فتنہ انگیزی میں مصروف ہے، تیری ان ہی حرکتوں کا نتیجہ تھا کہ حضرت عثمان شہید ہوئے، اب یہاں آکر تو نے اپنی بساطِ فریب بچھائی ہے؟۔

مروان:۔

عثمانؓ کے قتل کی ذمہ داری مجھ پر نہیں، محمد پر ہے، جسے علیؓ نے اپنے آغوشِ تربیت میں پالا ہے!

اسماء:۔

تو اُم المومنین کے بھائی اور رسول اللہ کے بھائی پر تہمت تراشی کر رہا ہے اگر وہ یہاں موجود ہوتے تو تیری زبان گنگ ہوتی اور تو ایک لفظ بھی نہ کہتا۔ ان کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ جھوٹی اور لایعنی باتیں کر رہا ہے!

حضرت عائشہؓ:۔

اسماء بخار نے تمہیں کمزور کر دیا ہے اس جھگڑے میں تم نہ پڑو، جاؤ آرام کرو ورنہ پھر طبیعت خراب ہو جائے گی۔

اسماء اپنے کمرے میں چلی گئی۔

بڑی نے کہا:۔

بیٹی تم کیوں ہر کسی سے اُلجھ جاتی ہو؟

اسماء:۔

خالہ میں اب یہاں نہیں رہ سکتی، میری طبیعت گھبرا گئی ہے۔

بڑھیا:۔

تو کہاں جاؤ گی؟

اسماء:۔

مجھے مدینہ لے چلو۔

بڑھیا:۔

اس حالت میں تم اتنا بڑا سفر کیسے کرو گی؟

اسماء:۔

کروں گی، میں اگر یہاں رہی تو مر جاؤں گی، مروان یہاں پہنچ چکا ہے، اور اپنی دراندازیوں میں مصروف ہے، میں اسے ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔

بڑھیا:۔

اچھا تو ایسا کرو، اُم الفضل کے ہاں چلتے ہیں۔ وہاں کچھ دن رہو جب بالکل اچھی ہو جاؤ گی، اور کوئی قافلہ مل جائے گا، تو مدینہ چلے چلیں گے۔

اسماء:۔

یہ منظور ہے، اٹھو، چلو، جلدی کرو!

بڑھیا، اسماء کو لے کر ام الفضل کے گھر پہنچی، اُم الفضل نے بڑے تپاک اور گرم جوشی سے اُس کا استقبال کیا۔

یہاں آکر اسماء کو پھر بخار آگیا، رات اُس نے بڑی بے چینی سے کاٹی۔ صبح

جب ام الفضل اس کی عیادت کو آئیں تو اس نے کہا:۔
میں اب مکّہ میں نہیں ٹھہرنا چاہتی، جس طرح بھی ہو سکے مدینہ منورہ پہنچا دیجئے۔
اُمّ الفضل:۔
چلی جانا بیٹی، اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے
اسماء:۔
میں اگر جلد از جلد وہاں نہ پہنچی تو قیامت برپا ہو جائے گی۔
اُم الفضل:۔
نہیں قیامت برپا نہیں ہو گی.... تم وہاں جا کر کیا کرلو گی؟
اسماء:۔
میں وہاں جا کر حضرت علیؓ کو بتاؤں گی کہ ان کے خلاف کیسی کیسی سازشیں ہو رہی ہیں؟ ان پر قتل عثمانؓ کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ اور ان سے انتقام لینے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں!
اُم الفضل:۔
لوگوں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟
اسماء:۔
میں جانتی ہوں حضرت علی بے گناہ ہیں، وہ حضرت عثمانؓ کے ہرگز قاتل نہیں ہیں۔ لیکن انہیں متہم کیا جا رہا ہے، اصل قاتلوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ سب حضرت علیؓ کے پیچھے پڑ گئے ہیں، کیا میں ان حالات سے انہیں باخبر نہ کروں۔؟
اُم الفضل:۔
جلد بازی سے کام نہ لو بیٹی۔ اچھا میں ایک تدبیر کرتی ہوں۔ یہ تمام واقعات جو تم نے بیان کئے ہیں میں ایک خط میں علی کو لکھے دیتی ہوں۔ تمہارا مقصد

پورا ہو جائے گا، وہ تمام حالات سے واقف ہو جائیں گے۔ تم اس وقت جانا جب حالات سازگار ہو جائیں، شاباش بڑوں کا کہنا مان لیا کرتے ہیں۔

ان محبت بھری باتوں سے اسماء کے دل کا بوجھ اتر گیا۔ اور اسے واقعی تسکین ہو گئی، امّ الفضل نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور ایک خط میں یہ تمام باتیں لکھ کر ایک خاص قاصد کے ہاتھ حضرت علی کی خدمت میں روانہ کر دیا۔!

اس کارروائی سے اسماء کا وہ ہیجان کم ہو گیا، جو مروان اور دوسرے لوگوں کی باتوں سے پیدا ہو گیا تھا۔ وہ آرام سے بستر پر لیٹ گئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی، بڑی بی اس کے سرہانے بیٹھ گئیں، اور اس سے مختلف قسم کی باتیں کرنے لگیں تاکہ اس کے خیالات بٹ جائیں اور وہ آرام و یکسوئی سے گہری نیند سو جائے۔

******

باب (۴۳)

مُغیرہ بن شُعبہ

اسماء کو مکہ معظمہ روانہ کرنے کے بعد محمد واپس آیا، راستہ بھر یہ فکر اُسے پریشان کرتی رہی۔ اگر حضرت علیؓ یا امام حسنؓ نے اسماء کے باب میں دریافت کیا کہ کہاں ہے؟ تو وہ کیا جواب دے گا؟ کیونکہ یہ بات وہ کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ اسماء مدینہ منورہ روانہ ہوگئی ہے۔ اور اس کی ہدایت کے ماتحت گئی ہے۔

وہ سیدھا اپنی والدہ کے پاس پہنچا، ماں نے بیٹے کے چہرے پر تکدر کے آثار دیکھے تو پریشان ہوگئیں، انھوں نے پوچھا:۔

اسماء بنت عُمیس:۔

بیٹا میں تمہارے چہرے پر تکدر اور پریشانی کے آثار کیوں دیکھ رہی ہوں خیریت تو ہے۔!

محمد بن ابی بکرؓ:۔

"نہیں اماں جان کوئی خاص بات نہیں!

اسماء بنت عمیس:۔

ضرور کوئی بات ہے، مجھ سے چھپانے کی کوشش نہ کرو، میں تمہاری ماں ہوں

اور ماں سے بڑھ کر نہ کوئی دوست اور بہی خواہ ہوتا ہے نہ غم خوار اور راز دار؛

محمد بن ابی بکر:۔

بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت میں بعض لوگ سنگِ راہ بن کر حائل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی زیادتی ہو سکتی ہے۔

اسماء بنت عمیس:۔

ہاں، یہ میں نے بھی سنا ہے۔ لیکن کون ہو سکتے ہیں، وہ لوگ۔؟

محمد بن ابی بکرؓ:۔

مثلاً حضرت طلحہ، حضرت زبیر بن العوام!

اسماء بنت عُمیس:۔

یہ بڑے تعجب کی بات ہے، لیکن جب علی کے ہاتھ پر تمام لوگ بیعت کر چکے، اصحابِ حل و عقد نے دستِ اطاعت بڑھا دیا تو پھر اب طلحہ اور زبیر مخالفت کر کے کیا کریں گے؛

محمد بن ابی بکر:۔

یہ تو آپ صحیح فرماتی ہیں۔ لیکن دل کا حال خدا کے سوا کون جانتا ہے؛ یہ لوگ جو اس وقت بڑھ بڑھ کر اظہارِ اطاعت کر رہے ہیں، نہ جانے ان میں سے کتنے ایسے ہوں گے، جن کی زبانیں تو حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں۔ لیکن دل دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ، وقت آنے پر یہی لوگ سب سے زیادہ نقصان و اذیت کا باعث ہوتے ہیں اس وقت اگر عبداللہ بن عباس یہاں موجود ہوتے تو بڑی مدد ملتی، ان کا صائب مشورہ بہت کام آتا۔

اسماء بنت عُمیس:۔

کیا عبداللہ بن عباس اب تک حج سے واپس نہیں آئے؛

محمد بن ابی بکر :۔

جی اب تک نہیں آئے، میں بڑی بے تابی سے ان کا انتظار کر رہا ہوں

اسماء بنت عمیس :۔

بیٹا، یہ تو ٹھیک ہے لیکن مغیرہ بن شعبہ کہاں ہیں؟ وہ بھی تو بڑے دوراندیش اور صائب الرائے شخص ہیں، ان سے بھی صلاح و مشورہ میں بہت مدد مل سکتی ہے

محمد بن ابی بکر :۔

وہ تو ہیں، اور ان سے صلاح و مشورہ بھی ہو رہا ہے۔

اسی اثناء میں حضرت امام حسن تشریف لے آئے اور سامنے ایک مسند پر متمکن ہو گئے

محمد نے دریافت کیا :۔

کہیے، حضرت علیؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ میں کیا بات چیت ہوئی؟

امام حسنؓ :۔

بات چیت تو ہوئی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

محمد بن ابی بکرؓ :۔

انہوں نے کیا رائے دی تھی؟

امام حسنؓ :۔

مغیرہ نے جو رائے دی تھی، اُسے والد محترم، حضرت علیؓ نے پسند نہیں فرمایا حالانکہ میری ناچیز رائے کا جہاں تک تعلق ہے، موجودہ حالات میں وہ موزوں اور مناسب تھی۔

محمد بن ابی بکر :۔

لیکن مغیرہ نے رائے کیا دی یہ بھی تو فرمایئے؟

امام حسنؓ :۔

تم جانتے ہو، والد کے ہاتھ پر جن لوگوں نے بعیت کی ہے ان میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے دل سے بعیت نہیں کی ہے۔ بلکہ رجحانِ عام سے مجبور ہوکر، بعیت کے لیے ہاتھ بڑھا دیئے۔

محمد بن ابی بکر:۔

ہاں خوب اچھی طرح جانتا ہوں،

امام حسنؓ:۔

تم اس سے بھی ناواقف نہیں کہ والد کی خلافت کو مکہ اور مدینہ سے کوئی خطرہ نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں مقامات کے لوگ دل وجان سے ان کے ساتھ ہیں!

محمد بن ابی بکر:۔

جی ہاں یہ بالکل بجا اور درست ہے!

امام حسنؓ:۔

خطرہ جو کچھ ہے، وہ مصر، کوفہ، بصرہ اور شام سے ہے، خاص طور پر شام سے، کیونکہ وہاں کی حکومت امیر معاویہ کے ہاتھ میں ہے، اور ہر شخص جانتا ہے، وہ والد کے سخت ترین مخالفوں میں ہیں!

محمد بن ابی بکر:۔

جی ہاں یہ تو حقائق ہیں۔ ان سے کون انکار کر سکتا ہے!

امام حسنؓ:۔

بصرہ کا گورنر بھی والد کے سخت مخالفوں میں ہے!

محمد بن ابی بکر:۔

جی ہاں اس سے بھی اچھی طرح واقف ہوں!

امام حسنؓ :۔

مغیرہ بن شعبہ کی رائے یہ تھی کہ فی الحال تمام گورنروں، والیوں، عاملوں اور حاکموں کو ان کی جگہ قائم رکھا جائے، کسی کو نہ معزول کیا جائے، نہ تادیب وتعزیر سے کام لیا جائے، پھر جب امر خلافت مستحکم ہوں گے، اور ہر طرح خلافت کا استحکام عمل میں لایا جائے گا۔ اس وقت جسے نامناسب اور ناموزوں سمجھا جائے اسے الگ کر دیا جائے۔

محمد بن ابی بکر :۔

رائے تو صائب اور معقول تھی۔

امام حسن :۔

ہاں، لیکن والد نے یہ رائے نہیں مانی، انہوں نے فرمایا۔ اگر میں رعایت سے کام لے کر ناموزوں اور نااہل لوگوں کو ان کے منصب پر صرف اس لیے برقرار رکھوں کہ میری خلافت وامارت کو زوال نہ آئے تو یہ اُمّتِ مسلمہ کے ساتھ غداری ہوگی۔ امتِ رسول کے ساتھ دھوکا ہوگا۔ اور میں کسی صورت پر بھی ملّی اور قومی معاملات میں یہ مداخلت نہیں گوارا کر سکتا، خواہ میری خلافت رہے یا جائے۔ میں نے یہ منصب اس لیے قبول کیا ہے کہ ملّت کی فلاح وبہبود کو پیش نظر رکھ کر اپنا فرض انجام دوں، اس لیے نہیں کہ اپنا منصب اور امارت قائم رکھنے کے لیے غلط کام گوارا کر لوں!

محمد بن ابی بکر :۔

موجودہ دور میں یہ باتیں صرف علی ابن ابی طالب کی زبان ہی سے نکل سکتی تھیں۔

امام حسن :۔

پھر مُغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ اچھا آپ جسے چاہیں معزول کر دیجئے۔ لیکن کم ازکم

معاویہ بن ابی سفیان کو نہ چھیڑیئے۔ اُس کو اُس کے منصب پر قائم رکھئے، اس لیے کہ وہ بہت طاقتور شخص ہے، سارا شام اس کی مٹھی میں ہے، اُسے اگر چھیڑا گیا تو وہ مقابلہ پر ڈٹ جائے، اور ایک بہت بڑے فتنہ کا موجب ہو سکے گا

محمد بن ابی بکر:۔

(اشتیاق کے ساتھ) اس کا کیا جواب دیا حضرت علیؓ نے۔!

امام حسنؓ:۔

انہوں صاف اور واضح الفاظ میں انکار کر دیا، انہوں نے کہا، میری نظر میں سب سے زیادہ خطاکار اور نااہل ہے اسی کو اُس کے منصب پر بحال رکھوں یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا، وہ سب سے پہلے معزول کیا جائے گا۔

محمد بن ابی بکر:۔

مصلحتِ وقت کو چھوڑیئے لیکن ایمان و اخلاص کا تقاضا تو یہی ہو سکتا تھا۔

امام حسنؓ:۔

ہاں، لیکن حضرت مغیرہ بن شعبہ اس بات سے خفا ہو گئے اور روٹھ کر چلے گئے ہیں۔

محمد بن ابی بکر:۔

یہ بُرا ہوا۔ کاش کوئی ایسی صورت نکل سکتی کہ خلافتِ حیدری کسی شر و فساد سے دوچار نہ ہوتی!

حضرت امام حسنؓ:۔

بہرحال یہ واقعہ پیش آیا، دیکھئے اب کیا پیش آتا ہے!

اسماء بنت عمیسؓ:۔

ابھی تک عبداللہ بن عباسؓ نہیں آئے، لیکن وہ عنقریب آنے والے ہیں، ان کی رائے کو علیؓ بہت زیادہ وقعت دیتے ہیں، ممکن ہے وہ کوئی مشورہ دیں

اور وہ علی کے لیے قابلِ قبول ہو۔

حضرت امام حسن :۔

دیکھیے ۔ بظاہر تو اس کی اُمید نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ والد اپنی رائے پر نہایت سختی سے قائم ہیں۔

محمد بن ابی بکر :۔

بہرحال کوشش تو کرنی چاہیئے ۔ بات یہ ہے امیر المومنین حضرت علیؑ کی باتیں بہت مدلل اور معقول ہیں، لیکن حالات کا تقاضا یہی تھا کہ مغیرہ بن شعبہ کی رائے مان لی جاتی تاکہ کوئی نیا خرخشہ نہ پیدا ہوتا۔

دوسرے روز حضرت عبداللہ بن عباس تشریف لے آئے، سب سے پہلے محمد بن ابی بکر نے ان سے ملاقات کی، اور تمام حالات سے انہیں آگاہ کر دیا، اور یہ بھی بتا دیا کہ مغیرہ بن شعبہ نے کیا رائے دی تھی،

حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ باتیں سن کر فرمایا :۔

"افسوس، واقعی حالات بہت زیادہ بگڑ چکے ہیں، بڑا اچھا ہوتا اگر مغیرہ بن شعبہ کی رائے مان لی جاتی، خیر دیکھیں گے ۔ !

محمد بن ابی بکر :۔

آپ کی بات کو امیر المومنین بہت وقعت دیتے ہیں، آپ بھی ان سے مل کر کوشش کیجئے کہ فی الحال وہ کسی کو، اور خاص کر امیر معاویہ کو معزول نہ کریں۔"

عبداللہ بن عباس :۔

کوشش تو کروں گا، کیونکہ میری رائے بھی یہی ہے نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے"!

******

باب (۴۴)

عبداللہ بن عباسؓ

اس گفتگو کے بعد محمد بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے کاشانہ کی طرف بڑھے، وہاں جب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابھی مُغیرہ بن شعبہ پھر تشریف لائے تھے اور حضرت علیؓ سے کچھ گفتگو کرکے واپس گئے ہیں۔ محمد بن ابی بکرؓ نے کہا:۔

معلوم ہوتا ہے پھر وہ کوئی مشورہ دینے آئے تھے!

عبداللہ بن عباسؓ نے کہا:۔

ہاں معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ بہر حال اب حضرت علیؓ کی خدمت میں چلتے ہیں۔ وہاں چل کر سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

اس اثناء میں یہ لوگ وہاں پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا، پھر حضرت علیؓ نے طلب فرمایا۔ وہاں اس وقت صرف حضرت امام حسنؓ تشریف فرما تھے۔ عبداللہ بن عباس کو دیکھ کر حضرت علی بہت خوش ہوئے۔ اپنے پہلو میں انہیں جگہ دی اور محبت سے ان کو بٹھا کر مشفقانہ الفاظ میں خیر و عافیت دریافت کی"

حضرت علیؓ اس وقت خاموش بیٹھے تھے، چہرے پر فکر و تردّد کے آثار نمایاں

تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کوئی بہت اہم معاملہ درپیش ہے جس کے ہر پہلو پر وہ غور فرما رہے ہیں۔ اور ابھی تک کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے ہیں۔

حضرت علیؓ:۔

کہو بیٹے، اچھے تو رہے، بہت دیر کردی تم نے آنے میں، ہم کئی دن سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

ابن عباسؓ:۔

جی ہاں خلاف توقع تاخیر ہوگئی، حالانکہ میری کوشش یہ تھی کہ جلد از جلد خدمتِ عالی میں پہنچ جاؤں!

حضرت علیؓ:۔

کہو تمہاری والدہ اُم الفضل تو بخیریت ہیں؛

ابن عباس:۔

جی ہاں خدا کا شکر ہے اچھی ہیں۔

کچھ دیر تک خاموشی سی طاری رہی، پھر ابن عباس نے سلسلۂ سخن شروع کیا۔

ابن عباسؓ:۔

ابھی حضرت مغیرہ بن شعبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے؛

حضرت علی:۔

ہاں ــــــــــ ابھی ابھی گئے ہیں۔

ابن عباسؓ:۔

موجودہ حالات سے متعلق ضرور انہوں نے کوئی مشورہ دیا ہوگا، وہ بہت زکی و فہیم، عقلمند، اور مدبر آدمی ہیں۔

حضرت علی:۔

ہاں ان کے ان فضائل سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور انہوں نے اپنی رائے کے مطابق مشورے بھی دیئے تھے۔ لیکن افسوس وہ میرے لیے قابلِ قبول نہ تھے۔ اس لیے میں نے انہیں رد کر دیا۔ اور وہ خفا ہو کر چلے گئے۔

ابن عباس:۔

انہوں نے شاید مشورہ دیا ہوگا کہ فی الحال تمام عُمال کو بحال رکھا جائے۔ کسی کو معزول نہ کیا جائے۔!

حضرت علیؓ:۔

ہاں یہی مشورہ دیا تھا۔ تم خود غور کر و بیٹے، میں کس طرح اس مشورے کو قبول کر سکتا تھا۔

ابن عباس:۔

بظاہر کوئی مضائقہ تو نہ تھا، بلکہ عین تقاضائے مصلحت تھا!

حضرت علیؓ:۔

مصلحت ـــــ مجھے اس لفظ سے چڑ ہے، دین و ملت کے معاملات میں مصلحت کیا چیز ہوتی ہے! میں جانتا ہوں کہ فلاں فلاں لوگ نااہل، ناموزوں ہیں۔ ملت کے لیے مفید نہیں، لیکن یہ جانتے کے باوجود میں انہیں اس لئے ان کے مناصب پر قائم رکھوں کہ "مصلحت یہی ہے"! میں ایسی مصلحت کا قائل نہ ہوں نہ اس پر عمل کر سکتا ہوں، اس مصلحت کے معنی ہیں، قوم، ملت، اور دین سے غداری!

ابن عباسؓ:۔

بجا ارشاد ہوا!

حضرت علیؓ:۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اس روز تو مغیرہ بن شعبہ روٹھ کر چلے گئے تھے،

قبول کرنے سے انکار کریں گے، دوسری طرف وہ قتل عثمان کا آپ کو ذمہ دار قرار دیں گے اور آپ سے قصاص طلب کریں گے، اس طرح ایک نہ ختم ہونے والا جھگڑا شروع ہو جائے گا۔ پھر بھلا اس رائے کو دوستی پر مبنی میں کیوں کر قرار دے سکتا ہوں؟

ابن عباس کی اس تقریر کو حضرت علی بڑے غور اور توجہ سے سن رہے تھے امام حسن اور محمد بن ابی بکر کی بھی یہی کیفیت تھی۔

ابن عباسؓ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا

ابن عباسؓ :۔

ایک بات اور بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں!

حضرت علیؓ :۔

ضرور کہو، کیا کہنا چاہتے ہو!

ابن عباسؓ :۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بارے میں بھی اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ مخالفوں سے مل جائیں گے۔ اور پھر آپ کا ساتھ نہیں دیں گے، اگرچہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ یہاں سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے گئے ہیں۔

امام حسن، اور محمد بن ابی بکر، ابن عباس کی ان باتوں کی دل ہی دل میں تائید کر رہے تھے، اور توقع رکھتے تھے کہ ان دلائل سے متاثر ہو کر حضرت علیؓ اپنی رائے پر نظر ثانی فرمائیں گے اور ان کی بات مان لیں گے۔

لیکن حضرت علیؓ نے قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:۔

معاویہ اگر لڑنے کا فیصلہ کرے گا، تو یہ تلوار اس فیصلہ کا جواب دے گی!

ابن عباسؓ نے ذرا تامل کے ساتھ کہا:۔

یا حضرت، آپ کی شجاعت اور بہادری، قوت و طاقت، ہمت و حوصلہ

آج پھر آئے، اور انہوں نے فرمایا کہ میں آپ کی رائے سے متفق ہوں، واقعی مناسب یہی ہے کہ تمام عمّال برخاست کر دیئے جائیں، سب کو معزول کر دینا چاہیئے!

ابن عباس :-

کیا آپ کا خیال ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کی یہ رائے آپ کی دوستی اور رفاقت پر مبنی ہے؟

حضرت علیؓ :-

بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے!

ابن عباسؓ :-

میں نہایت ادب کے ساتھ اس رائے سے اختلاف کرتا ہوں!

حضرت علیؓ :-

کس بنیاد پر -؟

ابن عباسؓ :-

میرے خیال میں مغیرہ بن شعبہ کی پہلی رائے تو واقعی آپ کی دوستی پر مبنی تھی۔ لیکن یہ دوسری رائے قطعاً دوستی کے خلاف ہے!

حضرت علیؓ :-

لیکن اس خیال اور رائے کی آخر وجہ کیا ہے؟

ابن عباسؓ :-

عرض کرتا ہوں ـــــــــ صورتحال یہ ہے کہ معاویہ، ایک دنیادار آدمی ہیں۔ انہیں اگر منصب پر بحال رکھا جائے تو وہ تعرض نہیں کریں گے، اور آپ کی خلافت قبول کر لیں گے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو وہ نہ صرف یہ کہ آپ کی خلافت نہیں تسلیم کریں گے بلکہ آپ کے خلاف صف آرا ہو جائیں گے۔ وہ سارے شام کو اور عراق کو آپ کے خلاف کر دیں گے۔ ایک طرف تو وہ آپ کی خلافت

سے کون انکار کرسکتا ہے؟ آپ فاتح خیبر ہیں، آپ نے دشمنان اسلام کے سر کچلے ہیں، آپ نے بڑے بڑے پہلوانوں کو زیر کیا ہے۔ آپ نے کفر و شرک کی قوتوں کا بہادری اور دلیری سے مقابلہ کیا ہے، اور خُدا کی نصرت ہمیشہ آپ کے ساتھ رہی ہے، اور آپ کامیاب ہوئے ہیں۔ لیکن کتنا اچھا ہوتا اگر شمشیر کے بجائے اس وقت تدبیر سے کام لیا جاتا!

حضرت علیؓ:-

یعنی مغیرہ کی رائے مان لیتا!

ابنِ عباسؓ:-

یا حضرت اس میں کیا مضائقہ تھا!

حضرت علیؓ:-

یہ امر دین کے خلاف ہے۔

ابنِ عباسؓ:-

کیوں کر عرض کروں کہ الحرب خُدعۃٌ کا ارشادِ نبوی آپ کے پیش نظر نہیں ہے۔ یہ تو جنگ کی صورت ہے!

حضرت علیؓ:-

میرے بیٹے تم نہیں سمجھے، اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ ہم دھوکا دیں، یہ نہیں ہے، کہ ہم دوسروں کے جنگی دھوکے سے بچیں، بھلا دھوکا اسلام میں جائز ہو سکتا ہے!

ابنِ عباسؓ:-

بجا ارشاد ہوا۔ لیکن اگر آپ مُغیرہ کی رائے پر عمل کریں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کوئی آواز مخالفت میں بلند نہیں ہوگی!

حضرت علیؓ:۔

نہیں بیٹے، یہ نہیں ہو سکتا، جن لوگوں کو میں اسلام کی بنیادی حقیقتوں کے خلاف عمل پیرا دیکھوں گا، جن کا کردار مجھے داغدار نظر نہ آئے گا۔ جن کی سیرت میرے نزدیک مشتبہ ہو گی، انہیں میں ان کے منصب پر بحال نہیں رکھ سکتا۔ اگر میں نے ایسا کیا تو خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا! یہ ہو سکتا ہے کہ میں خدا کے حضور میں اس طرح حاضر ہوں کہ ایک ناکام شخص مانا جاؤں، یہ مجھے منظور ہے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا، کہ خدا کے سامنے اس طرح پیش ہوں کہ کامیاب قرار دیا جاؤں۔ لیکن میرا دامن خود غرضی اور بدیانتی سے داغدار ہو۔

ابن عباسؓ:۔

آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بالکل بجا اور درست ہے، لیکن میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ اس طرح قتل عثمان کا الزام آپ پر لگایا جائے گا؛ اور فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا!

حضرت علیؓ:۔

فتنہ و شر کے ڈر سے میں راہ راست سے انحراف نہیں کر سکتا۔

ابن عباسؓ:۔

میں خادم اور نیاز مند ہوں، آپ کی رائے بدلنے کی مجھ میں قدرت نہیں، جو کچھ آپ مناسب سمجھتے ہیں۔ وہ کیجئے۔

حضرت علی:۔

میں تمہیں شام کا گورنر مقرر کرتا ہوں، جاؤ اور معاویہ کو بے دخل کر دو،

ابنِ عباس:۔

مجھے اس ارشاد کی تعمیل میں عذر نہیں لیکن . . . .،

حضرت علیؓ :۔

لیکن کیا ــــــــــــ ؟ کیا تمہیں تامل ہے؟

ابن عباسؓ :۔

تامل یوں ہے کہ وہاں پورے طور پر معاویہ کا تسلط اور قبضہ ہے اُسے بیدخل نہیں کیا جاسکتا، اس سے مقابلہ کے لیے فوج چاہیئے۔ وہ میرے پاس کہاں ہے؟۔۔ پھر یہ بھی پیش نظر رکھیئے کہ شام کے لوگوں کو معاویہ نے پورے طور پر اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے!

حضرت علیؓ :۔

معاویہ کی اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ میرے مقرر کئے ہوئے عامل سے مقابلہ کر سکے۔

ابن عباسؓ خاموش ہو گئے، کچھ دیر کی نشست کے بعد ابن عباس، حسنؓ، اور محمد بن ابی بکر باہر چلے آئے۔

پھر جب کچھ عرصہ کے بعد حضرت علیؓ برآمد ہوئے تو آپ نے اعلان فرمایا کہ ”بصرہ، یمن، کوفہ اور مصر کے عُمّال کو، میں ان کی بے راہ روی کے سبب معزول کرتا ہوں، اور ان کی جگہ، بصرہ میں عثمان بن حنیف کو، کوفہ میں عمارہ بن شہاب کو، یمن میں عبداللہ بن عباس کے برادر خورد، عبیداللہ بن عباس کو، مصر میں قیس بن سعد کو، اور شام میں سہل ابن احنف کو عامل مقرر کرتا ہوں!“

اس اعلان نے فضا پر ایک سکوت کی کیفیت طاری کردی، کیونکہ ہر شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ ابھی موجودہ عُمّال برقرار رہیں گے۔!

*****

باب (۴۵)

امیر معاویہ کا قاصد

امیر المومنین علیؓ ابن ابی طالب کے نام زد عُمّال اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو چکے ہیں۔ مدینہ میں امن و امان کی کیفیت قائم ہے۔

ایک روز، امام حسنؓ اور محمد بن ابی بکر آپس میں باتیں کرتے ہوئے مدینہ سے دور باہر نکل گئے۔ شہر میں اگرچہ سکون کی فضا قائم تھی لیکن ہر آن فساد انگیزیوں کے آغاز کا دھڑکا مختلف اقطاع و جوانب میں لگا رہتا تھا۔ محمد امام حسنؓ سے باتیں کرتے کرتے یک بیک رُک گیا۔ امام حسنؓ نے فرمایا:۔

"محمد تم خاموش کیوں ہو گئے؟"

محمد نے کوئی جواب نہیں دیا، سامنے فضا میں گھورنے لگا۔

امام حسن نے پھر پوچھا:۔

"اس انہماک سے کیا دیکھ رہے ہو؟"

محمد نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا:۔

"وہ گرد آپ دیکھ رہے ہیں! ۔ ضرور کوئی سانڈنی سوار آ رہا ہے۔ شام کی طرف سے، بہت ممکن ہے قاصد ہو۔!

حضرت امام حسن نے بھی غور سے دیکھا، تو محسوس کیا واقعی، کوئی شخص تیز رفتار

سانڈنی پر اس طرف آرہا ہے، فرمایا

"ہاں کوئی آ تو رہا ہے، دیکھنا چاہیئے کون ہے؟ اور کس مقصد کے ماتحت آیا ہے؟"

محمد بن ابی بکر :۔

"میں آج کل بہت زیادہ فکر مند رہتا ہوں!

امام حسنؓ :۔

اب تو ہم امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں، پھر یہ فکر کیوں؟

محمد بن ابی بکر :۔

امیر المومنین نے جن عمّال کو منتخب فرما کر مختلف دیار و امصار میں بھیجا ہے ان کے بارے میں اب تک کوئی اطلاع نہیں آ سکی، مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں وہ واپس نہ آ جائیں۔ جب کسی قاصد کو اس طرف آتے دیکھتا ہوں، تو یہ اندیشہ تازہ ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر شام کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند ہوں، وہاں معاویہ برسراقتدار ہے، اور اس بااقتدار شخص کو معزول کر دینا آسان نہیں ہے!

امام حسنؓ :۔

"ہاں تمہارا اندیشہ بے بنیاد تو نہیں ہے۔ ..." بہر حال دیکھنا چاہیئے یہ کون شخص ہے؟"

محمد بن ابی بکر :۔

"اگر یہ شخص شام سے آیا ہے تو یقیناً معاویہ کا قاصد ہوگا اور ان کا کوئی خط لایا ہوگا۔ اور یہ خط فیصلہ کر دے گا کہ صلح رہتی ہے یا جنگ۔ اور یہی فیصلہ حالات کا رخ یکسر بدل دے گا۔!

امام حسنؓ :-

"کچھ بھی ہو، آؤ معلوم تو کریں، معاملہ کیا ہے! ممکن ہے کوئی اور شخص ہو؟ کسی اور کام سے آیا ہو؟"

دونوں حضرات آگے بڑھے تاکہ اس شخص کو روک لیں، اور اس سے حقیقت حال معلوم کر لیں، اتنے میں وہ سانڈنی سوار قریب آگیا۔ محمد بن ابی بکر نے اسے روکا، اور دریافت کیا۔

"تم کہاں سے آرہے ہو؟"

وہ سانڈنی روک کر اُتر پڑا اور گویا ہوا :

"میں شام سے آرہا ہوں، اور امیر معاویہ کا فرستادہ ہوں، ان کا ایک نہایت اہم اور ضروری خط، امیر المومنین حضرت علیؓ کے نام لایا ہوں!"

محمد بن ابی بکر نے کہا :-

"آؤ ہمارے ساتھ چلو، ہم تمہیں امیر المومنین کی خدمت میں پہنچائے دیتے ہیں!"

قاصد محمد کے ساتھ ہو لیا، اور وہ اُسے لے کر حضرت علیؓ کے در دولت پر حاضر ہوئے، اس اثناء میں کچھ اور لوگ بھی ساتھ ہو گئے تھے وہ بھی قاصد اور محمد کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ اور ایک گوشہ میں مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرت علیؓ نے قاصد سے دریافت فرمایا :-

"کیا تم معاویہ کا خط لائے ہو؟"

قاصد نے ادب کے ساتھ عرض کیا :-

"جی ہاں" میں شام سے حاضر ہوا ہوں، اور خط میرے پاس ہے!"

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا :

"لاؤ وہ خط پیش کرو!"

قاصد نے ایک خط حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اسے کھولا، لکھا تھا:۔

"معاویہ کی طرف سے علی کے نام!"

صرف اتنا لکھا، دیکھ کر وہ حیران رہ گئے، خط کی پشت پر دیکھا، تو بالکل سادہ تھا۔ آپ نے خط تہ کر کے رکھ لیا، اور قاصد سے فرمایا۔

"کہو کوئی خاص خبر بھی لائے ہو، اپنے ساتھ؟"

قاصد نے جواب دیا:۔

میں اپنے پیچھے ایسے لوگوں کو چھوڑ آیا ہوں، جو خون عثمان کا انتقام لینے کا تہیہ کر چکے ہیں اپنے اس ارادہ میں فولاد آہن کی طرح مضبوط ہیں، دنیا کی کوئی طاقت اس ارادہ سے انہیں منحرف نہیں کر سکتی -!

حضرت علیؓ:۔

بڑا مبارک ارادہ ہے۔ لیکن وہ کس سے انتقام لینا چاہتے ہیں!

قاصد:۔

وہ آپ سے انتقام لینا چاہتے ہیں!

حضرت علیؓ:۔

(حیرت سے) مجھ سے؟

قاصد:۔

جی ہاں ۔ دمشق کی جامع مسجد میں عثمان کا خون آلود پیراہن رکھا ہوا ہے، نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں موجود ہیں، کم و بیش ۶۳ ہزار آدمی ہر روز انہیں دیکھتے ہیں، اور گریہ و زاری کرتے ہیں۔ اور اپنے عزم انتقام میں بہت زیادہ مضبوط و مستحکم ہوجاتے ہیں!

حضرت علیؓ :۔

وہ مجھ سے خون عثمان کا انتقام لینا چاہتے ہیں (آسمان کی طرف دیکھ کر)
اے خدا تو خوب جانتا ہے، میں اس الزام سے قطعاً بری ہوں ۔"

یہ کہہ کر حضرت علیؓ نے سکوت اختیار فرمایا ۔

کچھ دیر کے بعد آپ نے قاصد کو رخصت کر دیا ۔ دوسرے لوگوں کو بھی جانے کی ہدایت کی، اور آدمی بھیج کر ابن عباس کو بلوا دیا، اور ارشاد فرمایا :۔

"ابن عباسؓ، معاویہ نے جنگ کی تیاری شروع کر دی ہے ۔ اب فیصلے کے لئے تلوار کو میان سے نکالنا پڑے گا، بغیر اس کے معاملات رو براہ نہیں ہو سکتے یہی چارۂ کار ہے اب!

ابن عباسؓ :۔

جی ہاں! اب تو یہی صورت ہے، معاویہ اس موقع کو بھلا کیونکر ہاتھ سے جانے دیں گے، جو انہیں حضرت عثمان کے خون آلود پیراہن اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں نے فراہم کر دیا ہے،

حضرت علیؓ نے فرمایا :۔

اب ہمیں بھی اپنی تیاریاں مکمل کر لینی چاہئیں ۔!

ابن عباس :۔

بس آپ کے حکم کی دیر ہے، ہم جان نثار کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے ۔

******

باب (۴۶)

صلح کی کوشش

جنگ و پیکار کی تیاریاں شروع ہو گئیں!

نہ صرف ابن عباس بلکہ دوسرے صحابہؓ نے بھی حضرت علی کی رائے سے اتفاق کیا، کہ اب جب کہ معاویہ نے جنگ کا خاموش اعلان کر دیا ہے تو اب طرح دینے، اور ٹال مٹول کا وقت نکل گیا، اب بہتر اور مناسب صورت یہی ہے کہ ابھی تیاریاں شروع کر دی جائیں!

تھوڑے دنوں میں ایک لشکر جو تعداد میں گو بہت زیادہ نہ تھا، لیکن شجاعت و بسالت کے اعتبار سے مایہ فخر و ناز تھا، تیار ہو گیا، اس لشکر کا سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بہادر اور شجاع بیٹے حضرت محمد بن حنفیہ کو بنایا، میمنہ کو تفویض فرمائی، اور میسرہ کی عمر بن سلمہ کو۔

محمد بن ابی بکر کو سخت حیرت تھی کہ اس مرحلہ پر میں کیوں نظر انداز کر دیا گیا، بہادری اور شجاعت میں کسی سے پیچھے نہیں، محب علی ہیں، اگر سب سے آگے نہیں، تو کسی سے کم بھی نہیں، حضرت علی پر دشمنوں اور مخالفوں کی طرف سے جو الزامات لگائے جا رہے ہیں، انہیں دور کرنے اور تلوار سے ان کا جواب

دینے کے لیے میں دل وجان سے تیار ہوں، پھر مجھے کیوں اس قابل نہ سمجھا گیا۔
اس خیال نے محمد کو کافی تردد اور پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا، اس نے سوچا مجھے خود حضرت علیؓ کی خدمت میں جانا چاہیئے۔ اور اس بات کو دریافت کرنا چاہیئے کہ اس کا محرک کیا ہے؟

یہ سوچ کر، محمد حضرت علی کی خدمت میں پہنچے، وہ اس وقت کافی متردد اور فکرمند نظر آرہے تھے، ایک کاغذان کے ہاتھ میں تھا، اسے الٹ پلٹ کر دیکھ لیتے تھے، محمد کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا،۔

"آؤ محمد ــــــــــــ اس وقت کیسے آ گئے تم"؟

محمد بن ابی بکر،۔

یا حضرت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ مجھے بھی دوسروں کے برابر سمجھا جائے!

حضرت علیؓ:۔

یہ تم نے کیسے سمجھا کہ ہم تمہیں کسی سے کم اور فروتر سمجھتے ہیں!

محمد بن ابی بکر:۔

پھر مجھے اس لشکر میں کوئی خدمت کیوں نہیں دی گئی جو دشمن کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔؟

حضرت علیؓ:۔

(مسکرا کر) بس یہی بات!

محمد بن ابی بکر:۔

"جی ہاں، اور مجھے اس کا بہت صدمہ ہے!

حضرت علی:۔

"میں تمہیں اپنی اولاد کی طرح سمجھتا ہوں، کیا تم یہ نہیں سمجھتے کیا تم میری

محبت اور شفقت میں کچھ کمی محسوس کرتے ہو؟

محمد بن ابی بکرؓ:۔

"ہرگز نہیں

حضرت علیؓ:۔

"پھر تم نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ تمہیں نااہلیت کی بناء پر نظر انداز کیا گیا ہے۔؟

محمد بن ابی بکرؓ:۔

"یہ میری غلطی تھی، اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں؛

حضرت علیؓ:۔

ہم نے تمہیں ایک اور خدمت کے لیے منتخب کیا ہے تمہیں ایک دوسرے مہم پر ہم بھیجیں گے، کیا جاؤ گے۔!

محمد بن ابی بکرؓ:۔

سر آنکھوں پر، آپ جہاں بھیجیں گے، ضرور جاؤں گا۔ اور جو کام میرے سپرد کریں گے اُسے دل و جان سے انجام دوں گا۔!

حضرت علیؓ:۔

"بس تو تیار رہو!

محمد بن ابی بکرؓ:۔

بالکل تیار ہوں، آپ کبھی اور کسی وقت مجھے متامل نہیں پائیں گے، لیکن میری ایک عرض تھی۔

حضرت علیؓ:۔

"ہاں شوق سے کہو کیا چاہتے ہو؟

محمد بن ابی بکرؓ:۔

"میں چاہتا تھا کہ شام کی مہم پر آپ مجھے بھیجتے، تاکہ میں وہاں اپنی تلوار کے جوہر معاویہ اور ان کے حمایتوں کے مقابلہ میں دکھا سکتا۔

حضرت علیؓ:۔

بیٹے، اس معاملہ میں اپنی رائے کو ترجیح دینے کی کوشش نہ کرو، میں تمہیں ایک بہت اہم خدمت سپرد کرنے والا ہوں، اور میرا خیال ہے تم اس کے لیے بہت موزوں اور مناسب ہو!

محمد بن ابی بکر:۔

"بہتر ہے۔ آپ تعمیل ارشاد کے لیے ہمہ وقت مجھے مستعد اور آمادہ پائیں گے!"

حضرت علیؓ:۔

"تمہاری سعادت سے ہمیں توقع بھی یہی ہے!

یہ کہہ کر حضرت نے وہ کاغذ جسے وہ اُلٹ پلٹ رہے تھے، محمد کی طرف بڑھا دیا، محمد نے اسے پڑھا تو وہ ام الفضل کا خط تھا، جس میں لکھا کہ طلحہ اور زبیر خلافت حیدری کے خلاف معروف سعی و کوشش ہیں، اس مقصد کے پیش نظر وہ عنقریب بصرہ روانہ ہونے والے ہیں، اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت عائشہ بھی ان لوگوں کے ساتھ ہیں، ام الفضل نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ یہ لوگ جنگی تیاریاں کر رہے ہیں لہٰذا آپ ہوشیار ہو جائیے۔

اس خط کو پڑھ کر محمد ہکا بکا رہ گیا، اُسے ہرگز یہ گمان نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے!

اسے محو حیرت دیکھ کر حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا:۔

"تم کھوئے کیوں گئے؟ کیا بات ہے؟ آخر اس قدر حیرت کا سبب؟"

محمد بن ابی بکر:۔

اس خط کے مندرجات پر غور کر رہا ہوں، اور سوچ رہا ہوں کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے

حضرت علیؓ :-

"دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن افسوس مجھے اس کا ہے کہ ام المومنین عائشہ بھی میرے بارے میں ایسا خیال رکھتی ہیں، کم از کم انہیں یہ یقین کرنا چاہئے تھا کہ میں اتنے بڑے جرم کا مرتکب نہیں ہو سکتا!

محمد بن ابی بکر :-

"میں خود بہت زیادہ حیران ہوں کہ ام المومنین نے جو میری بہن بھی ہیں۔ ایسی رائے کس بنیاد پر قائم فرمائی، ضرور اس کی تہ میں کسی کی سازش یا غلط بیانی کام کر رہی ہے

حضرت علیؓ :-

میں جانتا تھا، اگر عثمان قتل کئے گئے تو حالات بہت زیادہ نازک صورت اختیار کریں گے۔ نئے نئے دعویداران خلافت پیدا ہوں گے۔ اسی لیے میں کوشش کرتا رہا کہ یہ حادثہ رونما نہ ہو لیکن خدا کی مرضی پوری ہو ئی، وہ شہید کر دیئے گئے۔ فتنہ اُبھرا، اور حالات پلٹا کھا رہے ہیں، دیکھنا چاہئے خدا کو کیا منظور ہے، اور کیا ہوتا ہے ....!

محمد بن ابی بکر :-

"خدا جو کچھ کرے گا ٹھیک کرے گا۔

حضرت علیؓ :-

"ہاں اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ لیکن ذرا طلحہ اور زبیر کو دیکھو مدینہ میں میرے ہاتھ پر بیعت کی اور مکہ جا کر میرے خلاف جنگی تیاریاں کر رہے ہیں۔ لہٰذا اگر مجھے اس کا یقین ہو جائے کہ میرے دست بردار ہو جانے اور مسند خلافت سے کنارہ کش ہو جانے کا نتیجہ ہو گا کہ فتنے ختم ہو جائیں گے اور امن دامان قائم ہو

جائے گا، تو میں ابھی اور اسی وقت یہ مسند خالی کرنے کو تیار ہوں، میں نے یہ منصب کافی تامل اور انکار کے بعد ذاتی سربلندی کے لئے نہیں، خدمت اسلام و مسلمین کے لیے قبول کیا تھا۔

محمد بن ابی بکر :۔

"بجا ارشاد ہوا !"

حضرت علیؓ :۔

"اگر میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤں تو جانتے ہو کیا ہو گا۔؟"

محمد بن ابی بکر :۔

"آپ کا اندازہ درست اور صحیح ہے۔"

حضرت علیؓ :۔

"ایک طرف معاویہ خلافت کا امیدوار ہے اور دوسری طرف طلحہ اور زبیر اس منصب کے مدعی ہیں۔ ان لوگوں میں قیامت تک تصفیہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کسی ایک آدمی پر متحد نہیں ہو سکتے، ان میں سے ہر ایک اپنے لیے برسرِ جنگ رہے گا۔ ان حالات میں اگر میں دست بردار ہوتا ہوں، گویا مسلمانوں کو عام خون ریزی اور خانہ جنگی کی اجازت دیتا ہوں۔"

محمد بن ابی بکر :۔

بجا ارشاد ہوا، اب حالات کا تقاضا یہ ہے کہ آپ عزمِ مصمم کر لیں کہ جو بغاوت اور سرکشی کا ارادہ کرے گا، اس سے جنگ کریں گے تاکہ امن و امان بحال ہو، اور مجھے یقین ہے کہ اگر ان نئے امیدوارانِ خلافت کا کامیابی سے مقابلہ کر لیا جائے تو مسلمان سکون اور عافیت کی زندگی بسر کریں گے۔ اور ہر طرح کی ہنگامہ آرائی اپنی موت آپ مر جائے گی!۔

حضرت علیؓ:۔
تمہاری رائے صائب اور معقول ہے، میں نے یہی فیصلہ کیا ہے، اور اس فیصلہ پر میں سختی کے ساتھ قائم رہوں گا، اس کے سوا جو راستہ بھی اختیار کیا جائے۔ وہ غلط ہوگا!

محمد بن ابی بکرؓ:۔
بجا ارشاد ہوا!

حضرت علیؓ:۔
"تو تم مکہ جانے پر تیار ہو؟

محمد بن ابی بکرؓ:۔
ضرور جاؤں گا، میرا خیال ہے، ام المومنین عائشہ کو طلحہ اور زبیر نے مشتعل کیا ہے میں وہاں جا کر صحیح حالات ان کے گوش گزار کروں گا، اور ارادہ جنگ سے انہیں باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت علیؓ:۔
"ٹھیک خیال ہے، یہی کرنا چاہیئے تمہیں"۔

محمد بن ابی بکرؓ:۔
"لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ام المومنین مکہ معظمہ سے بصرہ جانے پر کیوں تیار ہو گئیں؟

حضرت علیؓ:۔
" مجھے معلوم ہوا ہے کہ مکہ کے لوگوں کو انہوں نے ترغیب دی ہے کہ وہ میری بیعت توڑ دیں، شاید بصرہ بھی اسی مقصد سے تشریف لیے جا رہی ہوں گی، ورنہ اس کے سوا تو کوئی اور وجہ نظر نہیں آتی!

محمد بن ابی بکرؓ:۔

"آپ قاصد سے تفصیلی حالات بھی دریافت فرما لیتے!
حضرت علیؓ:-
"پوچھا تھا، لیکن وہ خود شاید حالات سے ناواقف ہے، بہت کم حالات جانتا ہے، بہتر یہی ہے کہ تم مکہ جاؤ، ام المومنین عائشہؓ کو صحیح حالات سے باخبر کرو، اور انہیں اس ارادہ سے باز رکھنے کی سعی کرو، ممکن ہے تمہارے بیان سے وہ متاثر ہوں، اور اس ارادہ سے دستبردار ہو جائیں!
محمد بن ابی بکرؓ:-
"میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا، آگے اللہ مالک ہے!
حضرت علیؓ:-
"انسان کا کام کوشش کرنا ہے، نتیجہ ہر حالت میں خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔!
محمد بن ابی بکرؓ:
"تو میں صبح انشاء اللہ روانہ ہو جاؤں گا۔"

******

محمد بن ابی بکر:۔

"ہاں ہاں وہی ۔

قاصد:۔

وہ لڑکی تو بیمار ہے کافی عرصہ سے، اور اب یہ لوگ ام المومنین عائشہؓ کے ہاں رہتے بھی نہیں!

محمد بن ابی بکر:۔

(پریشان ہوکر) وہاں نہیں رہتے! پھر کہاں قیام ہے۔ ان کا؟

قاصد:۔

وہ لوگ اب ام الفضل کے ہاں مقیم ہیں۔

اب محمد میں زیادہ باتیں کرنے کا یارا نہ تھا، وہ قاصد کو چھوڑ کر واپس آیا۔ اور سامان سفر کی تیاری کرنے لگا، دوسرے روز اپنے خادم مسعود کے ساتھ وہ مکہ معظمہ روانہ ہوگیا۔ پہلے وہ قبا گیا، اور وہاں سے مکہ کی طرف چل دیا۔

شام ہوتے ہوتے وہ مکہ معظمہ کے قریب پہنچ گیا۔ چونکہ اب رات ہو چلی تھی، اور راستہ چلنا اندھیرے میں دشوار تھا، اس لیے محمد نے طے کیا کہ جب تک چاند نہ نکل آئے۔ ایک خس پوش مکان میں جو سر راہ واقع ہے قیام کیا جائے یہ مکان ایک غریب کاشتکار کا تھا، اس نے عربوں کی روایات کے مطابق اس ناخواندہ مہمان کی بڑی آؤ بھگت کی، اور سر آنکھوں پر جگہ دی۔ تھوڑی دیر میں چاند کی روشنی پھیلنے لگی، ضیائے ماہتاب کا منظر دیکھنے کے لیے محمد اپنے خادم مسعود کے ساتھ قریب کے ایک ٹیلہ پر چڑھا، یکایک اس کی نظر کچھ لوگوں پر پڑی جو مکہ کی طرف سے آرہے تھے، یہ لوگ جب قریب آگئے، تو محمد نے دیکھا، یہ کئی لوگ ہیں، اور بہت سے اونٹ ان کے ساتھ ہیں، ایک اونٹ پر ہودج

باب (۴۷)

ایک سفر

مکہ جانے کے خیال سے محمد کو اس لیے بھی خوشی ہوئی کہ وہاں اسماء ہو گی۔ اس سے ملاقات ہو گی، اور ساتھ ہی یہ کام بھی انجام پا جائے گا کہ ام المومنین عائشہ رض کو صحیح حالات سے باخبر کر دیا جائے۔

یہ سوچ کر وہ اس قاصد کے پاس گیا، جو ام الفضل کا خط لے کر مکہ سے آیا تھا، اس سے مزید حالات وہاں کے دریافت کرنے کی کوشش کی، لیکن قاصد بہت کم گو تھا، اس نے صرف یہ بتایا کہ

"وہاں سب خیریت ہے ——!"

پھر محمد نے بڑی بی اور اسماء کے حالات اس سے معلوم کرنا چاہے۔ پوچھا:۔

"وہاں ام المومنین عائشہ کے ہاں ایک بڑی بی تھیں جو مدینہ سے وہاں گئی تھیں، انہیں بھی جانتے ہو!

وہ بولا:۔

ہاں ایک بڑی بی تھیں تو، ان کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی ہے!

بھی کسا ہوا ہے، اس طرف پہنچ کر یہ لوگ بصرہ کے راستے پر پہنچے۔
ان لوگوں کے جانے کے تھوڑی دیر بعد، محمد نے اپنے خادم مسعود سے کہا:
"اب روشنی پھیل چکی ہے۔ وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل۔ چلو مکہ چلیں!"
مسعود نے فوراً سامان سفر درست کیا، اور یہ لوگ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔
رات کافی گذر چکی تھی، جب یہ لوگ مکہ پہنچے حضرت عائشہ کے کاشانہ پر پہنچ کر محمد نے دربان کو آواز دی، وہ اس آواز سے آشنا تھا۔ فوراً باہر نکلا، اور دروازہ کھول دیا، محمد گھر کے اندر داخل ہوا۔ اندر جا کر اس نے دیکھا سارا گھر خالی پڑا ہے اور بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ نہ کوئی آدمی ہے نہ آدم زاد، اس نے دربان سے پوچھا
"ارے یہاں تو کوئی نہیں ہے؟ کہاں گئے سب لوگ؟ ام المومنین عائشہ کہاں ہیں؟"

دربان:۔
وہ تو بصرہ تشریف لے گئی ہیں!
محمد بن ابی بکر:۔
"وہ بصرہ گئی ہیں؟ اور ان کے ساتھ کون کون ہے؟"
دربان نے ساری تفصیل بتا دی!
محمد نے اپنے خادم مسعود سے کہا:۔
"تم یہیں ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں!"
پھر وہ سیدھا ام الفضل کے ہاں پہنچا، وہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ گرم جوشی اور محبت و شفقت کے ساتھ انہوں نے خیر مقدم کیا، اور فرمایا:۔
ام الفضل:۔

"اے محمد ـــــــــــــــ تو کیسے آگیا؟ خیریت تو ہے؟
محمد بن ابی بکرؓ:۔
جی ہاں اللہ کا شکر ہے زندہ ہوں" اور صحیح سلامت ہوں؛

******

باب (۴۸)

اسماء کیا ہوئی؟

محمد بڑی دیر تک ام الفضل سے باتیں کرتا رہا، وہ بار بار کن انکھیوں سے بڑی بی اور اسماء کو دیکھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ لیکن اُن دونوں میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ ام الفضل بڑی دیر تک اس سے مدینہ منورہ اور حضرت علیؓ کے حالات دریافت کرتی رہیں، مگر حرف مطلب پر وہ بھی نہ آئیں، یعنی اسماء کے بارے میں انہوں نے بھی نہیں بتایا۔ آخر محمد کا پیمانۂ صبر چھلک گیا اس نے ہمت کر کے کہا،۔

محمد بن ابی بکرؓ:۔

یہ تو بتلایئے اسماء کہاں ہے؟

ام الفضل:۔

تم نے خود ہی تو اُسے بلوایا اور اب مجھ سے پوچھنے آئے ہو، وہ کہاں ہے؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو؟

محمد بن ابی بکرؓ:۔

(بے حد پریشان ہو کر) یہ آپ کیا فرما رہی ہیں؟

ام الفضل:۔

کیوں؟ ______ کیا تم نے اُسے نہیں بلوایا تھا۔

محمد بن ابی بکر :۔

"ہرگز نہیں، میں بھلا اسے وہاں کیوں بُلواتا ؟

ام الفضل :۔

"سخت تعجب ہے..... کل رات ہی کا تو واقعہ ہے، ایک قاصد تمہارا خط لے کر آیا، اسماء وہ خط پڑھ کر میرے پاس آئی، اور کہنے لگی، "مجھے محمد نے بلایا ہے میں نے کہا بھی، اس وقت رات کو کہاں جاؤ گی، صبح چلی جانا، لیکن وہ ایک نہ مانی، کہنے لگی، محمد نے بڑی تاکید سے بلایا ہے، بس ایک پل بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ میں تو ابھی جاؤں گی، پھر میں کیسے روکتی"، وہ چلی گئی !

محمد بن ابی بکر :۔

(بھرائی ہوئی آواز میں) ضرور فریب کیا گیا ہے !

امّ الفضل :۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے !

محمد بن ابی بکر :۔

"میں نے ہرگز نہیں بُلوایا تھا، نہ جانے وہ کون شیطان تھا جس نے میرا جعلی خط بنایا۔ اور فریب دے کر اسماء کو لے گیا۔ اب میں کہاں جاؤں؟ اسے کہاں تلاش کروں؟ نہ جانے اُس غریب کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہوگا۔ اور کیسے کیسے ظلم ٹوٹ رہے ہوں گے ؟

یہ کہتے کہتے محمد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پھر اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا :۔

"لیکن یہ تو بتائیے، وہ کس طرف گئی ہے ؟"

اُم الفضل :۔

مسعود نے عرض کیا:۔

"میرے آقا! بہت اچھی طرح' میری عمر ہی اس کام میں گذری ہے
محمد بن ابی بکر :۔

"اچھا ان دونوں راستوں پر غور کر کے بتاؤ، یہاں سے کتنے آدمی گذرے ہیں؟
کب گذرے ہیں؟ اور کس طرف گئے ہیں۔؟

یہ سن کر مسعود نے ان دونوں راستوں پر جھک کر ریت کے ذرّے دیکھنے شروع کیے، بڑی دیر اس کام میں لگا دی' پھر وہ اپنے آقا کے پاس آیا۔ اور کہا:۔
نشانات مل جُل کر گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ اس لیے شناخت میں دشواری پیش آ رہی ہے۔ لیکن میرا تجربہ بتاتا ہے کہ ایک مختصر سا قافلہ ادھر سے گذرا ہے جس کے چند اونٹ تھے، اور کچھ لوگ، نشانات سے معلوم ہوتا ہے، دو اونٹ برابر سے گئے ہیں، جن پر غالبًا ہودج تھا۔ کچھ پا پیادہ بھی قافلہ کے ساتھ تھے، قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اس مقام پر آ کر قافلہ والوں میں اختلاف رائے پیدا ہوا کہ کس طرف جائیں، بعض اُدھر جانا چاہتے تھے، بعض ادھر، چنانچہ دونوں اطراف میں کچھ دور تک الگ الگ گئے، لیکن معلوم ہوتا ہے پھر اختلاف رائے ہو گیا، اور سب لوگ ایک ہی سمت روانہ ہو گئے۔

محمد بڑے غور سے مسعود کی باتیں سُن رہا تھا، اُس نے پوچھا:۔
"کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ یہ قافلہ کس طرف گیا ہے؟

مسعود نے جواب دیا:۔
نشاناتِ قدم سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ بصرہ کی طرف گئے ہیں، اور سرِ شام یہاں سے روانہ ہوئے ہیں!
محمد بن ابی بکر:۔

"میرا خیال ہے، وہ مدینہ کی طرف گئی ہے، کیونکہ قاصد مدینہ ہی سے آیا تھا۔ اور یہی کہہ کر اُسے لے گیا ہے کہ محمد نے تمہیں مدینہ میں بلایا ہے۔

ام الفضل سے رخصت ہو کر پھر حضرت عائشہؓ کے در دولت پر پہنچا، اتنی ہی دیر میں مسعود، محمد کا بستر لگا کر خود خواب خرگوش میں مبتلا ہو چکا تھا، محمد نے مسعود کو بیدار کیا۔ اور سامانِ سفر تیار کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ رات کو چاندنی میں جو ہودج میں نے دیکھا تھا ضرور اس پر اسمار سوار تھی، اور یہ لوگ اس کو مدینہ بتا کر بصرہ لے گئے ہیں۔ اتنی دیر میں مسعود بھی تیار ہو گیا۔ دونوں مدینہ کے راستے پر پہنچے، اور اس جگہ پہنچ کر جہاں سے مدینہ اور بصرہ کے راستے جُدا ہوتے ہیں، اپنے اونٹ کو بصرہ کی طرف پھیر دیا۔

مسعود نے کہا:۔

"یہ تو بصرہ کا راستہ ہے، ہم مدینہ جا رہے ہیں، سواری موڑیئے۔!

محمد نے جواب دیا:۔

"نہیں ——— ہم بصرہ ہی جا رہے ہیں۔ چپ چاپ چلے آؤ!

اب دونوں بڑی تیزی کے ساتھ بصرہ کی طرف بڑھے، کچھ دور آگے جا کر، راستہ پھر دو شاخا ہو جاتا تھا، ایک راستہ کوفہ کی طرف جاتا تھا، دوسرا بصرہ کی طرف، اب محمد کی سمجھ میں نہیں آیا، کس طرف جائے؟ وہ اس تردد میں کھڑا تھا کہ اس کے مُسن اور معمّر و تجربہ کار خادم مسعود نے کہا:۔

میرے آقا آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ کچھ بتلایئے شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں ———؟

محمد نے پوچھا:۔

"کیا تم علم قیافۃ الاقدام (نشانات قدم کی شناخت) سے کسی حد تک واقف ہو؟

"اچھا یہ بتاؤ، اگر ہم اس قافلہ کا تعاقب کریں تو اسے پکڑ سکتے ہیں؟

مسعود:۔

"ضرور، اگر پوری تیز رفتاری کے ساتھ تعاقب کیا جائے تو یہ ممکن ہے!

محمد بن ابی بکر:۔

"کتنے روز میں ہم اس قافلہ کو پکڑ لیں گے؟"

مسعود:۔

"میرے خیال میں تیسرے دن ہم اس قافلہ کو جالیں گے!

محمد بن ابی بکر:۔

"تو بس بصرے کی طرف سانڈ کی مہار موڑ دو، ہمیں اس قافلہ کا تعاقب کرنا ہے۔ اور اسے پکڑنا ہے!

مسعود:۔

"میرے آقا مجھے تعمیلِ ارشاد میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن واقعہ تو بتائیے کیا ہے!

محمد بن ابی بکر:۔

"یہ لوگ میری محبوبہ اسماء کو دھوکہ دے کر اپنے ساتھ بھگا لے گئے ہیں۔

مسعود:۔

"(حیرت سے) اسماء کو دھوکہ دے کر لے گئے ہیں!

محمد بن ابی بکر:۔

"ہاں میرا اجعلی خط بنا کر ——— یہ سوچ لو اگر وہ نہ ملی، تو میں مر جاؤنگا اس کے بغیر کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتا، سوال ایک لڑکی اسماء کو تلاش کرنے کا نہیں ہے، سوال ہے محمد کی زندگی بچانے کا۔ اونٹ کو جتنا تیز بھگا سکتے ہو! بھگاؤ! اور ان نشاناتِ قدم پر رواں دواں چلے چلو!

مسعود:۔

"یہی ہوگا، لیکن ایک گذارش میری بھی سن لیجیے۔

محمد بن ابی بکر:۔

"کہو، لیکن بہت جلد، ہمارے لیے ایک منٹ بھی اس وقت ایک برس سے زیادہ قیمتی اور گراں مایہ ہے!

مسعود:۔

"آپ یہیں، اس خس پوش مکان میں میرا انتظار کیجیے۔

محمد بن ابی بکر:۔

"اور تم تنہا جاکر اسمار کو ان ظالموں، اور فریب کاروں سے چھین لاؤ گے؟ نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے، میں ضرور چلوں گا!

مسعود:۔

"ضد نہ کیجیے، کام نہ بگاڑیے آپ یہیں رہیے!

محمد بن ابی بکر:۔

"تم مجھے بزدلی کی تلقین کرتے ہو!

مسعود:۔

"اس کا بزدلی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

محمد بن ابی بکر:۔

"کیسے نہیں ہے، بغیر جنگ و پیکار کے وہ گوہر یک دانہ اسمار ہاتھ نہیں آ سکتی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہیں تن تنہا لڑائی کی آگ میں جھونک دوں، اور خود یہاں اطمینان سے بیٹھا رہوں، تم خود بتا چکے ہو کہ اس قافلہ میں کئی آدمی ہیں"!

مسعود:۔

اس سے کیا ہوتا ہے، آپ میرے اوپر چھوڑ دیجیے یہ کام، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسمار کو لے کر آؤں گا!

محمد بن ابی بکر:۔

"کیا تمہارے پاس جادو کی چھڑی ہے؟

مسعود:۔

جی ہاں ——— میری جادو کی چھڑی، میرا تجربہ ہے۔ میرا بڑھاپا ہے۔ آپ نوجوان ہیں، جوش، جذبہ اور خون سے بھرے ہوئے۔ میرا خون سرد ہے۔ میرا جذبہ مصلحت شناس ہے، میرا جوش عقل کا تابع ہے، آپ ساتھ جائیں گے تو خود بھی قتل ہوں گے، مجھے بھی قتل کریں گے، اور اسمار کی زندگی برباد کریں گے اور صرف مجھے روانہ کریں گے تو بڑی آسانی کے ساتھ بغیر کسی حادثہ کے دوچار ہوئے اسمار آپ کو مل جائے گی۔ کہنا مانیے آپ یہاں تشریف رکھیے، اور مجھے روانہ ہو جانے دیجیے۔ منزل کھوٹی ہو رہی ہے دیر نہ کیجیے۔ ابھی آپ کہہ چکے ہیں ایک ایک لمحہ ایک ایک برس سے زیادہ قیمتی اور گراں مایہ ہے؛

محمد بن ابی بکر:۔

(کچھ سوچتے ہوئے) واقعی تمہیں امید ہے کہ تم اسمار کو ان ظالموں اور دھوکے بازوں کے پنجہ سے صحیح سلامت نکال لاؤ گے؛

مسعود:۔

"اگر یہ امید نہ ہوتی، اگر یہ یقین نہ ہوتا، تو اتنا بڑا وعدہ آپ سے نہ کرتا۔ اتنی بڑی ذمہ داری قبول نہ کرتا ——— آخر میرے الفاظ اور وعدے کو کچھ تو وزن دیجیے۔

محمد بن ابی بکر:۔

"جاؤ، خدا تمہیں کامیاب کرے ـــــــــــــــــ!
ہم تمہارا یہیں انتظار کریں گے ـــــ؟"

******

کر رہے تھے۔ سو حضرت نے ان کی طرف توجہ بھی نہ کی، اور اپنی تیاریاں شدت کے ساتھ جاری رکھیں!

شام کی مہم پر جو لشکر روانہ کیا جانے والا تھا اُسے بھی اس لشکر میں شامل کر لیا گیا۔ سارا لشکر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ٹھہرایا گیا، اس لشکر کے سالار حضرت محمد بن الحنفیہ تھے، جو حضرت علی کے صاحبزادے تھے ان ہی تیاریوں کے دوران میں مکّہ سے محمد واپس آگئے، اور انہوں نے ساری تفصیل بتائی اور یہ لشکر امکانی تعجیل کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ اس لشکر کے ہمراہ نہ جائیں، لیکن آپ نے یہ بات نہ مانی اور فرمایا۔

"بزدلوں اور کم ہمتوں کی طرح گھر میں بیٹھ رہنا کسی طرح بھی میں گوارا نہیں کر سکتا"

محمد بن ابی بکر اس لشکر کے ساتھ تھے، اسماء کی یاد ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، وہ لاکھ لاکھ اپنی طبیعت کو بہلاتے تھے، خیالات کا رخ پلٹنے کی کوشش کرتے تھے، دوسری چیزوں میں مصروف و منہمک ہو جانے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اسماء کی یاد برابر ستاتی رہتی تھی، مسعود کا اب تک پتہ نہیں چلتا تھا وہ کتنے دعوے کے ساتھ گیا تھا کہ میں اسماء کو جلد از جلد واپس لے کر آؤں گا، لیکن نہ اسماءؑ کا پتہ تھا نہ مسعود کا۔

رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی، ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، ساری خلقت سو رہی تھی، لیکن محمد کروٹیں بدل رہا تھا۔

یکایک اُسے کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی اور کان کے پردہ سے ایک آواز ٹکرائی، یہ آواز کچھ جانی بوجھی سی نظر آئی، بالکل مسعود کی آواز سے مشابہ، محمد جلدی سے

باب (۴۹)

نیا رقیب

محمد کے مکہ روانہ ہو جانے کے بعد حضرت علیؓ نے حالات و معاملات پر مزید غور فرمایا، اور رائے یہ قرار پائی کہ شام کے معاملات سلجھانے سے پیشتر بہتر اور مناسب یہ ہوگا کہ حضرت عائشہ کی طرف سے یکسوئی حاصل کر لی جائے چنانچہ انہوں نے فی الحال شام کی مہم ترک کر دی، اور بصرہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جہاں اس وقت حضرت عائشہ تشریف فرما تھیں۔

اس رائے کے قائم کرنے کے بعد حضرت علی نے مدینہ کے لوگوں کو مجتمع کیا۔ اور انہیں مخاطب کر کے ایک اثر انگیز تقریر کی، آپ نے فرمایا،۔

مدینہ کے لوگو!

اپنی ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور مستعد ہو جاؤ، اسلام کا آغاز بھی تمہارے ہی ہاتھوں درست ہوا تھا، اور اب انجام بھی تمہارے ہی ہاتھوں ٹھیک ہوگا، لہٰذا پوری تیاری کے ساتھ اس مہم کو انجام تک پہنچاؤ، خدا تمہاری مدد کرے گا۔!"

حضرت علی کے اس ارشاد گرامی سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور تیاریوں میں معروف و منہمک ہو گئے۔ سوا چند لوگوں کے جو سستی اور غفلت کا اظہار

پیش آئی،!

محمد بن ابی بکر:۔

"تمہاری اس زحمت فرمائی کا بہت بہت شکر گذار ہوں، لیکن خدا کے لیے بتاؤ، تمہاری اس تگ و دو، اور سعی و کوشش کا نتیجہ کیا نکلا!

مسعود:۔

"وہی عرض کر رہا ہوں!

محمد بن ابی بکر :۔

"لیکن ذرا جلدی مجھ میں تابِ صبر نہیں ہے!

مسعود:۔

"بہرحال میں بصرہ پہنچ گیا، جہاں ام المومنین حضرت عائشہ کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا تھا!

محمد بن ابی بکر:۔

"تم موضوع گفت گو سے ہٹتے جا رہے ہو، اسماء کا تذکرہ کرو۔

مسعود:۔

(مسکرا کر) میرے سرکار، میں اپنے موضوع پر بالکل قائم ہوں، آپ مداخلت نہ کیجیے، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُسے سنتے رہیے خاموشی کے ساتھ!

محمد بن ابی بکر:۔

"اچھا میں کچھ نہیں بولوں گا، تم اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھو، ہاں پھر!

مسعود:۔

"جب بصرے میں اسماء کا کچھ سراغ نہ چلا، تو میں دوسرے راستہ پر پہنچا اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا!

محمد جلدی سے ہڑبڑا کر اٹھا، خیمہ سے باہر نکلا، تو دیکھتا کیا ہے کہ گرد سے اٹا ہوا مسعود کھڑا ہے، اور اس کے ساتھ بڑی بی بھی موجود ہیں، محمد میں تاب ضبط نہ رہی، وہ ان دونوں کو اپنے خیمہ میں لے آیا۔ اور بڑی بی سے کہا۔

"خدا کے لیے بتاؤ، اسماء کہاں ہے؟"

بڑی بی نے جواب دیا۔

"میں نہیں کہہ سکتی وہ کہاں ہے؟ کوفہ میں ہوگی، ورنہ بصرہ میں!

محمد نے بیتابی اور بے قراری کے ساتھ کہا۔

"تم اُسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لائیں، چھوڑ کیوں آئیں، بتاؤ وہ کہاں ہے! کس حالت میں ہے؟

بڑی بی نے پورے اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ جواب دیا۔

"بیٹے صبر کرو، ذرا دم لینے دو، سب کچھ بتائے دیتی ہوں ابھی۔!

محمد بن ابی بکر۔

(مسعود سے مخاطب ہوکر) یہ بڑی بی تمہیں کہاں ملیں؟ اور تم اتنے دن کہاں رہے؟"

مسعود۔

آپ نے ایک دم دو سوال کر ڈالے، پہلے کس سوال کا جواب دوں؟

محمد بن ابی بکر۔

دونوں کا ساتھ ساتھ ... !

مسعود۔

آپ سے رخصت ہوکر میں نشانات قدم دیکھتا ہوا روانہ ہوا، چونکہ یہ نشانات غلط ملط تھے، اس لیے صحیح سمت متعین کرنے اور سراغ لگانے میں بڑی دشواری

محمد بن ابی بکر :۔
"بہت اچھا کیا، کوفہ ہی کی طرف جانا چاہیے تھا!
مسعود :۔
"تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ راستہ میں بڑی بی مل گئی!
محمد بن ابی بکر :۔
"اچھا یہ وہاں ملیں؟ پھر انہوں نے کچھ بتایا!
مسعود :۔
"میں نے ان سے اسمار کے بارے میں پوچھا، کہنے لگیں، وہ لوگ اسے لے کر کہیں چلے گئے۔
محمد بن ابی بکر :۔
"یعنی بڑی کو چھوڑ کر اسمار کو لے گئے۔؟
مسعود :۔
"ہاں ________ میں نے ان لوگوں کے تعاقب کا ارادہ کیا، لیکن بڑی بی نے روک دیا۔
محمد بن ابی بکر :۔
"حد ہو گئی حماقت کی، یہ کیوں آخر۔؟
مسعود :۔
"کہنے لگیں اسما نے آپ کے نام خط دیا ہے!
محمد بن ابی بکر :۔
"میرے نام! اسما نے میرے نام کا خط دیا ہے!
مسعود :۔

"جی ہاں ——————— اب آپ بڑی بی سے لے کر وہ خط ملاحظہ کیجیے اور پھر جو کچھ پوچھنا ہو وہ ان سے پوچھیے۔

محمد بن ابی بکر :۔

"بڑی بی بتاؤ کیا ماجرا گزرا؟

بڑی بی :۔

"ام المومنین عائشہؓ کے کاشانہ سے واپس آ کر میں نے اور اسماء نے ام الفضل کے ہاں قیام اختیار کر لیا، اسماء اگرچہ بخار میں مبتلا تھی، لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ لوگ حضرت علیؓ سے قتل عثمان کا بدلہ لینا چاہتے ہیں تو وہ بہت برہم ہوئی"

محمد بن ابی بکر :۔

"ہاں میں اس کے مزاج اور طبیعت سے آشنا ہوں۔

بڑی بی :۔

"اسماء حضرت علیؓ کی حمایت میں حصہ لینا چاہتی تھی، وہ حضرت علیؓ کو اس صورت حال سے آگاہ کر دینا چاہتی تھی، جس روز ام المومنین مکہ سے بصرہ کے لیے روانہ ہوئی ہیں وہ دن کاٹنا اس کے لیے دوبھر ہو گیا، بار بار وہ کہتی تھی کاش میں کسی طرح امیر المومنین علیؓ کی مدد کر سکتی، ان پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔

محمد بن ابی بکر :۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ پھر آگے؟

بڑی بی :۔

دوسرے دن ایک شخص آیا، اس نے تمہارا ایک خط اسے دیا اور کہا محمد نے یہ خط بھیجا ہے، اور سواری بھیجی ہے، وہ اپنی ساری پریشانیاں اور فکریں

بھول گئی، اور فوراً سامان سفر تیار کر کے روانہ ہونے پر آمادہ ہوگئی۔

محمد بن ابی بکر:۔

"آہ معصوم، اور سادہ لوح اسماء!

بڑی بی:۔

"میں نے اور ام الفضل نے ہر چند اس ارادہ سے اسے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ بھلا کس کی سنتی تھی، خوشی سے اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، وفور مسرت سے اس کے بند قبا ٹوٹے جا رہے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا، اب تک وہ قید تھی، اور اب بند الم سے آزاد ہوئی ہے۔!

محمد بن ابی بکر:۔

"پھر وہ ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہوگئی؟

بڑی بی:۔

"جب میں نے دیکھا وہ کسی طرح نہیں مانتی، تو میں بھی اس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوگئی!

محمد بن ابی بکر:۔

"سبحان اللہ! اسماء اگر الھڑ اور نادان تھی تو تمہیں کیا ہوگیا تھا؟ یہ بال کیا دھوپ میں سفید کیے ہیں تم نے؟

(مسکرا کر) یہی سمجھ لو بیٹا ———— بہر حال ہم دونوں اس شخص کے ساتھ روانہ ہوئے، اور اس مقام پر پہنچے جہاں کے کسائے دو اونٹ کھڑے تھے اور ان پر ہودج رکھا تھا، اور بھی کئی آدمی وہاں موجود تھے۔

محمد بن ابی بکر:۔

"کون تھے وہ لوگ؟ پہچانتی ہو انہیں؟

بڑی بی :۔

"نہیں، میں نہیں پہچانتی ـــــــــ غرض میں اور اسماء ہودج میں بیٹھ کر روانہ ہوئے، بصرہ اور کوفہ کے دوراہے پر جب پہنچے تو سواروں کے ایک دستے نے ہمیں گھیر لیا۔ ان سواروں کا افسر یا سردار ایک خوش پوش اور خوش شمائل شخص تھا، ان سواروں نے ہمارا رخ بصرہ کی طرف کر دیا۔

محمد بن ابی بکر :۔

" بڑی عجیب بات ہے؟ کون تھا یہ شخص؟

بڑی بی :۔

"ہم مجبور تھے کیا کر سکتے تھے، وہ سوار جس راستے پر چاہتے تھے ہماری سواریاں ڈال دیتے تھے، اور مجبوری کے ساتھ یہ تماشہ دیکھتے رہتے تھے!

محمد بن ابی بکر :۔

" واقعی جب انسان مجبور ہو جائے تو کیا کر سکتا ہے؟

بڑی بی :۔

" خیر ـــــــــ، ہم خاموشی کے ساتھ اپنے اونٹوں پر بیٹھے ایک جنگل میں سے گذر رہے تھے، چاندنی چھٹکی ہوئی تھی، میں بہت پریشان تھی اور حسرت بھری نظروں سے اسماء کی طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ بالکل مطمئن تھی۔ ہراس نہ دہشت!

اسی طرح ہم راستہ چلتے رہے، رات اسی طرح گذر گئی۔ صبح کو میں نے ان آدمیوں کو غور سے دیکھکر پہچاننے کی کوشش کی، جو ہمیں ایسے غاصبانہ طریقہ پر لے جا رہے تھے۔ ان میں ایک غلام نظر آیا، جسے میں نے حضرت عائشہؓ کے ہاں دیکھا تھا۔ لیکن وہ خوش پوش اور خوش شمائل نوجوان سواروں کا افسر تھا اسے نہ پہچان

سکی، البتہ اتنا معلوم ہوا کہ اس کا نام سعید ہے؟

محمد بن ابی بکر:۔

"کیا نام بتایا ——— سعید ——— ؟

بڑی بی:۔

"ہاں ——— صبح کو وہ نوجوان اسمار کے ہودج کے قریب آیا اور اس نے پوچھا:۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

اسمار نے کوئی جواب نہیں دیا:۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نوجوان نے کھانا بھجوایا، کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر، ہم لوگ عراق کی طرف روانہ ہوئے۔

اسمار بالکل خاموش تھی، لیکن اس کے چہرے پر اطمینان اور استقلال کے آثار تھے، وہ ذرا بھی خوف زدہ یا سراسیمہ نہیں تھی!

اور وہ نوجوان سعید جو اس قافلہ کا سردار تھا، کچھ گھبرایا ہوا سا اور پریشان نظر آتا تھا۔ وہ بار بار اسمار کے ہودج کے قریب آتا تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لیکن کہہ نہیں پاتا، کہنے کی ہمت نہیں پڑتی۔

مجھے چونکہ اسمار کے ہودج سے ہٹ کر دوسرے ہودج میں بٹھا دیا گیا تھا اس لیے میں بڑی فکرمند تھی کہ کس طرح اس کے پاس پہنچوں؟ آخر جب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی، تو میں نے پیٹ کے درد کا بہانہ کرکے زور زور سے چلّانا اور چیخنا شروع کیا۔"

سعید نے میری چیخ پکار سن کر کہا:۔

"اس بڑھیا کو اتار دو، اس کا جہاں جی چاہے چلی جائے۔"

یہ سن کر میں چلائی:۔

بے دردو، خدا کے لیے مجھے اپنی بیٹی سے تو مل لینے دو!

میری آواز سن کر اسماء نے ہودج کا پردہ اُٹھایا اور مجھے اپنے پاس بلالیا، نوجوان نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا؛

میں نے اسماء سے کہا:۔

"بیٹی ہم کہاں پھنس گئے؛ بتاؤ اب کیا ارادہ ہے؟"

وہ بولی:۔

میں کیا کہہ سکتی ہوں؛ جس معیبت میں پھنس گئی ہوں، خدا ہی ہے جو اس سے نکالے، میں بے بس ہوں؛ ان کبختوں کے مقابلہ میں کچھ نہیں کر سکتی، نہ میرے پاس زہر ہے کہ کھا کر مر رہوں، نہ ہتھیار ہے کہ ان شیطانوں کو مزہ چکھا دوں، اب سوا اس کے کیا کر سکتی ہوں کہ جہاں یہ لے جائیں، جاؤں، ہاں اتنا کہے دیتی ہوں کہ اگر کسی نے بُری نیت سے دیکھا تو یا میں نہیں یا وہ نہیں۔ یہ لوگ اب تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ جُدائی قطعی اور یقینی ہے۔ لہٰذا اب تم جاؤ اور محمد تک میرا ایک پیام پہنچا دو:

میں نے کہا! پیام ویام تو مجھے یاد نہیں رہے گا تم خط لکھ دو، وہ میں دے دونگی؛ پھر شام کو ہمارا پڑاؤ ایک ایسے مقام پر ہوا جہاں کھائیاں بہت تھیں ان ہی میں سے ایک میں بیٹھ کر اسماء نے جلدی جلدی یہ مختصر سا خط گھسیٹ دیا تھا، میں نے اسے اپنے کپڑوں میں چھپالیا، اور قافلہ جب وہاں سے روانہ ہونے لگا، تو ان لوگوں نے مجھے اپنے ساتھ نہیں لیا۔ دو دن تک تو میں بھٹکتی رہی۔ پھر یہ مسعود مل گیا اس کے ساتھ یہاں چلی آئی۔

محمد بن ابی بکر :۔

"اور وہ خط ۔

بڑی بی :۔

"ہاں بیٹے وہ خط میرے پاس ہے۔ میں نے جان سے زیادہ اس کی حفاظت کی، لو، یہ رہی تمہاری امانت !۔

محمد بن ابی بکر نے بڑھیا کے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے خط لیا، خط میں لکھا تھا۔

"میں اس وقت ایسے لوگوں کے قبضہ میں ہوں، جن کے ارادوں کا مجھے علم نہیں۔ ہاں، یہ کہہ سکتی ہوں کہ ان کا ارادہ کچھ بھی ہو پورا نہیں ہو سکتا، یہ لوگ غالباً ام المومنین کے لشکر میں جا رہے ہیں تم میری طرف سے مطمئن رہو، مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے، ہاں ایک بات غور سے سن لو میرے اور تمہارے مابین محبت کا جو پیمان ہوا ہے وہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہم امیر المومنین علیؓ کی جانثاری اور اعانت کو کے انہیں ان کامیاب نہ بنا دیں "حضرت علیؓ پر جو الزامات لگائے جا رہے ہیں اُن کے غلط اور جھوٹ ہونے کا یقین تمہیں بھی ہے اور مجھے بھی ہے۔ بس ہم دونوں کا فرض ہے کہ اپنی ساری قوت ان کی نصرت اور اعانت میں صرف کر دیں۔ تب پھر اپنے بارے میں سوچیں کہ زندگی کی لذتیں کیونکر حاصل ہوں، یا بغیر اس کے زندگی کی ہر لذت اور آسائش ہم پر حرام رہنی چاہیے ۔!

محمد خط پڑھ رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات گر رہے تھے ۔

باب (۵۰)

عین موقع پر

سعید بہت دولت مند اور بااثر آدمی تھا۔ جس روز اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے مکّہ کے مختلف لوگ ملنے آئے تھے، اس روز سعید نے اسمار کو باغ میں گلگشت کرتے دیکھ لیا تھا۔ اور دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہوگیا تھا۔ پھر وہ اس ٹوہ میں لگ گیا کہ اس کے حالات دریافت کرے، چنانچہ اُس نے ایک غلام سے یہ کام لیا، اور اسمار و محمد کی ساری تفصیلات معلوم کرلیں۔ پھر اسے فریب سے محمد کے نام کا جعلی خط بھیج کر بُلوالیا۔

بڑی بی کو رخصت کرنے کے بعد سعید کا حوصلہ بڑھ گیا۔ وہ اسمار کے ہودج میں پہنچا، اور اس سے صاف صاف اظہار تعشق کرنے لگا:

سعید:۔

"اسمار میں تمہیں جان و دل سے چاہتا ہوں۔

اسمار:۔

"لیکن میں تم سے شدید نفرت کرتی ہوں۔

سعید:۔

"آخر کیوں! کیا میں محمد سے کم ہوں کچھ! ـــــــــ مجھے معلوم ہے تم اس

"عقل سے کام لو، نادانی کی باتیں نہ کرو۔"

اسماء:۔

"کاش اس نصیحت پر تو خود عامل ہوتا۔"

سعید:۔

"تم محمد سے محبت کرتی ہو اور اس کا حال یہ ہے کہ وہ عنقریب کیفرِ کردار کو پہنچایا جائے گا، وہ قتل کر دیا جائے گا، وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔"

اسماء:۔

"کوئی بھی نہیں جانتا موت کب آئے گی، نہ تو نہ محمد"

سعید:۔

"اوہو، ماشاء اللہ آپ کو فلسفہ طرازی بھی آتی ہے!"

اسماء:۔

"یہ اتنی معمولی بات ہے کہ ہر شخص اسے جانتا ہے۔"

سعید:۔

"تم منزل کھوٹی کر رہی ہو، میرے سوال کا جواب دو۔"

اسماء:۔

"دیے چکی، ایک ہی بات کو بار بار دہرانے سے کیا حاصل!"

سعید:۔

"رات گذر رہی ہے، صبح ہوتے ہی ہمارا قافلہ کوچ کر جائے گا، میں چاہتا ہوں کہ اب ہم اس طرح روانہ ہوں کہ ایک دوسرے کی زندگی کے رفیق بن چکے ہوں!"

اسماء:۔

"اس خوش فہمی کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے!"

سے محبت کرتی ہو، لیکن میں اس سے زیادہ محبت کیے جانے کا مستحق ہوں!

اسماء:-

"کیا اس لیے کہ محمد فریب کار نہیں ہے اور تو فریبی ہے؟ کیا اس لیے کہ محمد بزدل نہیں ہے، اور تو بزدل ہے؟ کیا اس لیے کہ محمد پاکباز، پاک نگاہ اور پاک دل ہے اور تیری نگاہ ناپاک ہے، دل ناپاک ہے، باتیں ناپاک ہیں؟ تیرا اور محمد کا مقابلہ کیا؟ کہاں ذرّہ کہاں آفتاب!

سعید:-

"(برہم ہوکر) اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم اب تک محمد کی محبت کا دم بھر رہی ہو!

اسماء:-

"ہاں اور کیا تو سمجھتا ہے کہ میں اس کی محبت سے دستبردار ہو جاؤں گی؟ اگر تو یہ سمجھتا ہے تو تیری یہ غلط فہمی ہے اور یہ جس قدر جلد رفع ہو جائے بہتر ہے،

سعید:-

"اسماء میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا!

اسماء:-

"اس سے بڑھ کر سختی اور کیا ہو گی کہ تو نے ایک شریف لڑکی کو فریب دے کر بلا لیا، اور اب اسے اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہتا ہے۔

سعید:-

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں!

اسماء:-

"اور میں تجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتی کہ تجھ سے جوتیاں بھی اٹھواؤں۔

سعید:-

سعید:۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہو۔

اسماء:۔

"یہی سمجھ لو، تم مجھے اپنا نہیں بنا سکتے۔ میں جس کی ہو چکی، ہو چکی!

سعید:۔

"یہ باتیں کر کے تم محمد کے حق میں بھی کانٹے بو رہی ہو، اس کی زندگی کو زیادہ مختصر کر رہی ہو!

اسماء:۔

"یعنی آپ محمد کو مار ڈالیں گے۔؟

سعید:۔

"ہاں، کیا تمہیں کچھ شک ہے۔ میرے اس قول میں؟

اسماء:۔

"ایک بُزدل ایک بہادر کو نہیں مار سکتا، تم بزدل ہو، محمد بہادر ہے، تم اس کے سامنے ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہر سکتے۔

سعید:۔

"میں بزدل نہیں ہوں۔ میری بہادری اور شجاعت سے ایک دنیا واقف ہے!

اسماء:۔

"تمہاری بہادری کا شاہکار یہ ہے کہ ایک انجان لڑکی کو تم نے فریب دے کر بلایا۔ اسیر دام کیا، اور اب اُسے دھمکی دے کر اپنا کام نکالنا چاہتے ہو؛ ______ کیا بہادری اور شجاعت اسی کا نام ہے؟!

سعید:۔

"میں جرم کا اعتراف کرتا ہوں، لیکن اس کی بنیاد فریب کاری نہیں ہے جیسا کہ تم سمجھتی ہو مجبوری ہے، جیسا کہ میں جانتا ہوں، محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے یہ جرم کیا، ورنہ کوئی ضرورت نہ تھی کہ یوں میں تمہارے سامنے ایک بھکاری بن کر بیٹھتا۔

اسما:۔

"ان چکنی چپڑی باتوں سے مطلب برآری نہیں ہو سکتی، اگر تم میں شرافت کا ایک شمہ بھی ہے تو مجھے آزاد کر دو۔

سعید:۔

"تمہارے ہر حکم کی تعمیل دل و جان سے کروں گا حکم دے کر دیکھ لو، لیکن یہ بات نہیں مان سکتا۔

اسما:۔

"اس کے سوا میرا کوئی اور مطالبہ نہیں ہے، اگر تم میں انسانیت اور شرافت نہیں ہے، تو کم ازکم خوفِ خدا تو ہوگا؟ کیا تم اس طرح، ایک غیر لڑکی کو پھانس کر خدا سے نہیں ڈرتے؟ بے شک میں بے بس ہوں، تمہارا کچھ نہیں کر سکتی، لیکن خدا تو بے بس نہیں ہے، وہ تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

سعید:۔

"مانتا ہوں ـــــ لیکن اسما، میرا کوئی بُرا ارادہ نہیں ہے، میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا یہ ناجائز ہے؟ کیا یہ بُری بات ہے؟

اسما:۔

"ہاں، جبری طور پر نہ محبت کی جاتی ہے نہ شادی، تم نے مجھے مجبور کر رکھا ہے اور چاہتے ہو کہ تمہاری ہاں میں ہاں ملا دوں، یہ نہیں ہو سکتا۔

سعید:۔

"اسماء! آخری مرتبہ کہتا ہوں ضد سے کام نہ لو!

اسماء:-

"ورنہ تم کیا کرو گے؟ کیا مجھے قتل کر دو گے؟

سعید:-

"کاش میں تمہیں قتل کر سکتا، لیکن یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

اسماء:-

"کچھ بھی ہو، تم اپنے مقصد میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک میں زندہ ہوں"۔

سعید:-

"(بلند آواز سے) اسماء وقت کم ہے اور تم اس مختصر سے وقت کو ضائع کر رہی ہو۔

اسماء:-

"میں خاموش ہوئی جاتی ہوں، اور اب تمہاری کسی بات کا جواب نہ دوں گی خواہ تم کتنی ہی بک بک کرو۔

سعید:-

"تم میرے قبضہ میں ہو، تم میرے پنجہ میں ہو، تم میری گرفت سے آزاد نہیں ہو سکتیں۔ مجھے تشدد پر مجبور نہ کرو"۔

اسماء:-

"میری بے بسی کا جواب خدا کی طاقت دے گی۔

سعید:-

"تو میں سمجھ لوں، تم راہِ راست پر نہیں آؤ گی!"

اسماء:۔

"کاش یہ تم نے پہلے ہی سمجھ لیا ہوتا، اب بھی اگر سمجھ لو، تو بڑی عقلمندی کا ثبوت دو گے!"

سعید ہودج سے اُتر آیا۔ اس نے ملازموں کو حکم دیا کہ وہ اسماء کو رسیوں سے جکڑ دیں، اور پھر اسے درخت کے تنا سے باندھ دیں، اس حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگی، سعید پھر اسماء کے پاس پہنچا اور بہت درشت لہجہ میں گویا ہوا!

"میں ایک مرتبہ پھر تم سے پوچھتا ہوں، مجھے قبول کرتی ہو یا نہیں؟ اگر جواب اقرار میں ہے، تو تم میرے جان و دل کی مالک بن کر میرے ساتھ چلو گی۔ اور اگر انکار میں ہے تو تمہیں ایسی عبرت انگیز سزا ملے گی کہ مرنے کے بعد بھی اسے فراموش نہ کر سکو گی!"

اسماء کوئی جواب نہیں دے پائی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز فضا میں گونجنے لگی، سعید کے کان کھڑے ہوئے اور وہ اسماء سے غافل ہو کر اس طرف دیکھنے لگا جدھر سے یہ آواز آ رہی تھی۔

ابھی وہ کوئی رائے نہیں قائم کر پایا تھا کہ اس کے قافلہ کا ایک آدمی ہانپتا کانپتا حاضر ہوا۔ وہ بہت زیادہ گھبرایا ہوا تھا، اُسے اس حالت میں دیکھ کر سعید بھی گھبرا گیا، اس نے کہا:۔

"کیا ہے؟ ______ کیوں تو اس قدر گھبرایا ہوا نظر آتا ہے؟"

وہ کہنے لگا:۔

"ایک لشکر آ رہا ہے، اور یہ لشکر علی ابن طالب کا ہے!"

یہ سن کر سعید حواس باختہ ہو گیا، اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا:۔

"کیا یہ سچ ہے؟"
وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا:۔
"جی ہاں، بالکل سچ، وقت بہت کم ہے۔ اگر آپ اپنی جان بچانا چاہتے ہیں تو، فوراً . . .!"

سعید

"ہاں، یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں چلو!"
خادم نے کہا:۔
"قافلہ میں وقتِ ضرورت کے لیے ایک اونٹ ہمیشہ تیار رکھتے ہیں آپ اس پر سوار ہو کر نکل جائیے۔ ہم لوگ اِدھر اُدھر ہو جائیں گے!"
سعید نے اونٹ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا:۔
"میں بصرہ جاتا ہوں، تم لوگ وہیں آجاؤ دیکھو، اس ضدی اور خود سر لڑکی کو بھی اپنے ساتھ لیتے آؤ۔!"
یہ کہہ کر سعید جلدی سے اونٹ پر بیٹھا اور روانہ ہو گیا، خادم نے اور اُس کے ساتھیوں نے اسماء کی طرف توجہ نہ کی، جلدی جلدی سامان لپیٹا، اور وہ بھی اِدھر اُدھر رفوچکّر ہو گئے، اب ٹاپوں کی آواز بہت قریب آ چکی تھی، چنانچہ ان لوگوں کے جانے کے بعد ذرا بعد چند سوار ——— جنہیں دہشت کے باعث سعید کے آدمی "لشکر" سمجھے تھے۔ ادھر سے گذرے۔
اسماء کو موقعہ مل گیا، اُس نے سوچا اگر میں خاموش رہی اور یہ سوار ادھر سے گذر گئے، تو ضرور سعید بھی واپس آ جائے گا، اور اس کے ملازم بھی اور پھر یہ لوگ واقعی تشدّد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے، چنانچہ اس نے زور زور سے چلّانا اور دُہائی دینا شروع کیا، وہ سوار سڑک چھوڑ کر اس پگڈنڈی کی طرف آئے

جہاں ایک درخت سے اسماء بندھی ہوئی تھی۔ اسماء نے کہا:۔
"اگر تم مسلمان ہو تو ایک بے بس مسلمان عورت کی مدد کرو۔!
ایک سوار گھوڑے سے اُتر کر بجلی کی سی تیزی سے اسماء کی طرف بڑھا۔
جب وہ قریب پہنچا، تو بے ساختہ اسماء کے منہ سے نکل گیا۔
"محمد ــــــــ؟!" آہ، تم نے آنے میں بہت دیر کی!
اور وہ بے ہوش ہو گئی!

******

باب (۵۱)

حالات بگڑنے لگے

محمد اور اس کے سواروں کو دیکھ کر پہلے سعید نے پھر اُس کے ساتھیوں نے راہِ فرار اختیار کی، اسماء کو بے ہوش دیکھ محمد کے اوسان جاتے رہے۔ لیکن اس نے حوصلہ مندی سے کام لیا، اور اُس کے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسماء ہوش میں آ گئی، اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے محمد کو دیکھا، اور کہا۔

اسماء:۔

"یہ میں خواب دیکھ رہی ہوں یا عالم بیداری ہے، محمد کیا واقعی تم میرے پاس ہو؟"

محمد بن ابی بکر:۔

"ہاں اسماء میں تمہارے پاس ہوں، تمہارا خط مجھے مل گیا تھا۔ اور اُسے پاتے ہی میں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر تمہیں ڈھونڈھنے نکلا، اور بالآخر میں نے تمہیں پالیا۔!"

اسماء:۔

"کیا سعید بھاگ گیا؟"

محمد بن ابی بکر:۔

"سعید۔ سعید کون؟ کس شخص کو پوچھ رہی ہو تم؟"

اسماء:۔

"وہی بزدل اور فریبی، جو تمہارے نام کا دھوکہ دے کر مجھے یہاں لایا تھا۔"

محمد بن ابی بکر:۔

"ہاں واقعی وہ بزدل تھا۔ بھاگ گیا، اب تم کوئی اندیشہ نہ کرو، اگر وہ پھر آیا تو محمد کے دست و بازو اتنے قوی ہیں کہ اس سے سمجھ لیں گے، اسے ایسی سزا دیں گے کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔

محمد کے پاس ایک اور شخص کھڑا تھا، اب اسماء کی نظر اس پر پڑی، اور اس نے شرما کر نظر نیچے جھکالی۔

محمد بن ابی بکر:۔

"اسماء تم شرماتی کیوں ہو؟ یہ صاحب کوئی نہیں، امیر المومنین کے چچا زاد بھائی محمد بن جعفر ہیں، ہم دونوں ایک بہت ضروری کام سے کوفہ جا رہے ہیں!

اسماء:۔

"کوفہ جانے کی کیا ضرورت در پیش آئی ہے؟

محمد بن ابی بکر:۔

"یہ داستان میں ابھی سناؤں گا، پہلے تم اپنی بپتا سناؤ، تم پر کیا گذری، کیا حادثات پیش آئے ہیں۔؟ یہ تفصیل معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوں!

اسمانے محمد کو اپنی ساری کہانی از اوّل تا آخر سنا ڈالی!

اسماء:۔

"تم نے میرا خط پڑھ لیا تھا جو بڑی بی کے ہاتھ میں نے تمہیں بھیجا تھا؟

محمد بن ابی بکر:۔

شخص کون ہو سکتا ہے؛ اس نے حضرت علیؑ اور حاضرین کو حیران اور متحیر دیکھ کر کہا:۔

میرا نام عثمان ابن حنیف ہے، کیا آپ نے مجھے کوفہ کا گورنر بنا کر نہیں بھیجا تھا
امیر المومنین نے عثمان کو اس حالت میں دیکھ کر بہت حیرت کا اظہار کیا۔

حضرت علیؑ:۔

"لیکن عثمان یہ واقعہ کیا ہوا؛ تمہیں اس حال میں کس نے پہنچایا؛ پورا واقعہ کیوں نہیں بتاتے؛

عثمان بن حنیف:۔

"جب میں بصرہ پہنچا، تو وہاں کے لوگوں کو آپ کا مدّاح اور ثنا خواں، عقیدت مند اور جاں نثار پایا، لیکن کچھ دنوں کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کا رویّہ بدل گیا، ان کی عقیدت ختم ہوگئی۔ ان کا جذبہ مدح و ثنا باطل ہوگیا، اور وہ آپ کے مخالف ہو گئے۔

حضرت علیؑ:۔

"لیکن کیوں؛ کس بات نے انہیں میرا مخالف بنا دیا۔؛

مروان:۔

"ام المومنین حضرت عائشہ نے اہل بصرہ کے نام ایک پیام بھیجا، جس میں حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ کرنے کی ترغیب دی گئی تھی، لوگوں نے یہ پیام قبول کر لیا، اور آپ کے خلاف ہو گئے۔ پھر چند روز بعد حضرت عائشہؓ خود بصرہ میں وارد ہوئیں۔ بصرہ سے چند میل کے فاصلے پر قیام کیا، اور اہل بصرہ سے کہلا بھیجا کہ میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہی ہوں، یہ خبر پا کر میں نے دو آدمی حضرت عائشہ کی خدمت میں روانہ کیے۔ اور اس طرز عمل سے انہیں باز رکھنا چاہا۔ لیکن انہوں نے

"ہاں ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف پڑھ لیا! اسے پڑھنے کے بعد میرے ہوش و حواس جاتے رہے، امیرالمومنین بصرہ جانے کے لیے آمادہ تھے۔ اور میں بھی ان کے ساتھ جانے والا تھا، لیکن تمہارا خط پاکر میں نے رائے بدل دی، اور کوفہ جانے کی ٹھان لی"

اسماء:-

"(مسکراکر) تمہیں کیا معلوم میں کوفہ میں کہاں ہوتی؟

محمد بن ابی بکر:-

"تم کہیں بھی ہوتیں، میں تلاش کر لیتا!

اسماء:-

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا، تمہیں امیرالمومنین کے ساتھ جانا چاہیے تھا۔

محمد بن ابی بکر:-

"لیکن خود بخود کوفہ کا کام نکل آیا اسے میری خوش قسمتی سمجھ لو۔

اسماء:-

"آپ باتیں بنا رہے ہیں!

محمد بن ابی بکر:-

"نہیں اسماء سچ کہتا ہوں، سنو تو، میں امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوا کہ کوفہ جانے کی اجازت لوں، وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ بیٹھے ہیں، اور مختلف امور پر باتیں ہو رہی ہیں، اتنے میں ایک آدمی چادر اوڑھے ہوئے آیا، اس کا منہ ڈھکا ہوا تھا وہ آکر امیرالمومنین کے پاس بیٹھ گیا، اسے امیرالمومنین نے بالکل نہیں پہچانا، تو اس نے اپنا منہ کھول دیا، اس کی ڈاڑھی اکھڑی ہوئی تھی، پلکیں غائب اور بھویں صاف تھیں حاضرین اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے کہ یہ عجیب وغریب

یہ بات نہ مانی۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی ان کے ساتھ تھے، اور وہ بھی آپ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

حضرت علیؓ :-

"لیکن یہاں سے تو وہ میرے ہاتھ پر بیعت کر کے گئے تھے۔

عثمان بن حنیف :-

"بجا ارشاد ہوا، لیکن اب وہ کہتے ہیں کہ ہم سے جبراً بیعت لی گئی، کیا واقعہ ہے؟"

حضرت علیؓ :-

"ہرگز نہیں، یہ ایک رضا کارانہ فعل تھا، اس میں جبر و مجبور کا کیا دخل۔ خیر پھر کیا ہوا؟

عثمان بن حنیف :-

"اس کے بعد میں خود ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت وہاں بہت مجمع تھا، میں نے دریافت کیا اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ میرے اس سوال کے جواب میں حضرت طلحہ کھڑے ہوئے، انہوں نے پُرزور اور پُراثر تقریر کر کے حاضرین پر ایک عجیب کیفیت طاری کر دی، انہوں نے حضرت علیؓ کے فضائل بیان کیے۔ اور پھر ان کے خون کا انتقام لینے پر لوگوں کو اُبھارا۔

"حضرت علی :- تعجب ہے ——— انقلابات ہیں زمانہ کے!

عثمان بن حنیف :- حضرت طلحہ کے بعد حضرت زبیر بن العوام کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی ایک ایسی ہی تقریر کی۔

حضرت علیؓ :- آہ دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے!

عثمان بن حنیف :- پھر ام المومنین نے ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی۔ سارا مجمع

جوش سے بے قابو ہوگیا، لوگ جوش انتقام سے دیوانے ہوگئے۔ اور ایک ہنگامہ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی، اور پھر میری جو گت بنی وہ آپ دیکھ رہے ہیں!

اسماء:-

"حالات نے اتنی نازک اور تکلیف دہ صورت اختیار کرلی ہے۔

محمد بن ابی بکر:-

"بلکہ جتنا ہم سمجھ رہے ہیں اس سے بھی زیادہ!

اسماء:-

"پھر اس کا تدارک امیرالمومنین نے یا آپ نے کیا سوچا؟

محمد بن ابی بکر:-

"اس کے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن جعفر اور مجھ سے فرمایا، اب کہ بصرہ ہمارے خلاف ہے، ہمیں کوفہ کی طرف توجہ مبذول رکھنی چاہیے کہ وہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ چنانچہ ہم دونوں کو اس کام پر مامور فرمایا کہ اہل کوفہ کو حق کی امداد و نصرت پر آمادہ کریں، یہ حکم پاتے ہی ہم لوگ کوفہ کی طرف چل پڑے، خدا کا شکر ہے کہ غیر متوقع طور پر راستہ میں تم مل گئیں، ایک فکر تو ختم ہوئی۔

اسماء:-

"(کچھ سوچتے ہوئے) تو آپ کوفہ جا رہے ہیں؟

محمد بن ابی بکر:- ہاں ——— ہمیں جلد از جلد کوفہ پہنچ جانا چاہیے، تم بھی میرے ساتھ چلو، وہاں سے تمہیں مدینۂ منورہ روانہ کردیں گے۔

اسماء:- آپ کوفہ جائیے، اور جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے اُسے انجام دیجئے میرا اور آپ کا معاملہ اس وقت طے ہوگا جب امیرالمومنین کو خدا کامیاب کرے گا۔ کیا آپ نے میرا خط نہیں پڑھا تھا، اس میں سب کچھ میں نے لکھ دیا تھا۔

اسماء:۔

"میں بصرہ جاؤں گی"

محمد بن ابی بکر:۔

"بصرہ جاکر کیا کروگی؟

اسماء:۔

"اُم المومنین کی خدمت میں حاضر ہوکر انہیں صحیح واقعات سے آگاہ کروں گی، ان کی رائے بدلنے کی کوشش کروں گی، میں دیانت داری اور سچائی کے ساتھ حضرت علیؓ کو قتل عثمانؓ کے الزام سے بَری سمجھتی ہوں۔

محمد نے لاکھ لاکھ اصرار کیا۔ لیکن اسماء نے ایک نہ سنی، آخر محمد نے مسعود کو اسماء کے ساتھ کردیا۔ اور وہ بصرہ روانہ ہوگئی!

******

محمد بن ابی بکر:۔

"پڑھ بھی لیا تھا، اور میں تمہیں اس فیصلہ پر مبارکباد دیتا ہوں، لیکن اس فیصلے اور میرے ساتھ جانے سے کیا تعلق؟

اسماء:۔

"آپ اپنا کام کیجئے، مجھے اپنا کام کرنے دیجیے، آخر میں بھی تو اپنا فرض ادا کروں ۔؟

محمد بن ابی بکر:۔

"تم بہت کچھ کر چکی ہو، تم بیمار ہو، کمزور ہو، تمہارے دل و دماغ، اور اعصاب پر بہت بار پڑ چکا ہے، تمہیں آرام کی ضرورت ہے، ضد نہ کرو،

اسماء:۔

"میں ضد نہیں کرتی۔ لیکن اپنا فیصلہ بدل بھی نہیں سکتی۔

محمد بن ابی بکر:۔

"تو اب تم کیا کرنا چاہتی ہو؟

اسماء:۔

"جو کچھ بھی کر سکی، کروں گی،

محمد بن ابی بکر:۔

"اچھا کر لینا جو تمہارا جی چاہے۔ لیکن اس وقت تو کوفہ چلو؛

اسماء:۔

"وہاں جا کر میں کیا کروں گی؟ وہاں کیوں نہ جاؤں، جہاں کچھ کر سکوں گی؟

محمد بن ابی بکر:۔

"آخر تم کہاں جانا چاہتی ہو، کیا کرنا چاہتی ہو؟

باب (۵۲)

یہ تیر کس کا تھا؟

اسماء اور مسعود محمد سے رخصت ہو کر تیزی کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مسعود اچھی اچھی باتیں کر کے راستہ بھر اس کا جی بہلانے کی کوشش کرتا رہا، دن بھر کہیں ٹھہرے بغیر سفر جاری رہا۔ جب سورج نے مغرب میں اپنا منہ چھپا لیا، اور رات کا اندھیرا شروع ہوا تو اسماء نے مسعود سے پوچھا:۔

"آخر بصرہ کب آئے گا؟ اتنی دیر تو ہو گئی چلتے چلتے!

مسعود نے تسلی دیتے ہوئے کہا:۔

"بیٹی ہم نے یہ کڑی منزل سر کر لی، اب بصرہ چند میل کے فاصلہ پر ہے، لیکن راستہ خراب ہے، اور رات شروع ہو چکی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ رات کو پڑاؤ کریں اور صبح ہوتے ہی منزل مقصود کی طرف چل پڑیں۔

اسماء:۔

"مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔ لیکن ٹھہریں گے کہاں؟"

مسعود:۔

"دیکھو، وہ سامنے آگ جلتی ہوئی نظر آ رہی ہے، اور ایک عمارت کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں، وہیں چلتے ہیں، شب گذاری کا وہیں بندوبست کر لیں گے!

اسماء:۔ چلیے، لیکن نہ جانے وہ کیسے لوگ ہوں؟

مسعود:۔ (ہنس کر) دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے، وہ کوئی لوگ بھی ہوں ہمیں کچھ گزند نہیں پہنچا سکتے۔!

دفعتہً اسماء کے منہ سے دردناک آواز میں ایک آہ نکلی، اور وہ زمین پر گرنے لگی۔!

مسعود نے جلدی سے اُسے سنبھالا اور پوچھا:۔

"کیا ہوا بیٹی! ——— ارے یہ خون! تم زخمی کیسے ہو گئیں؟"

اسماء:۔ (کراہتے ہوئے) کسی کا تیر میرے بازو میں پیوست ہو گیا ہے۔ خون ہے کہ بند ہی نہیں ہوتا، پہلے تیر نکالنے کی کوشش کیجیے۔

مسعود نے غور سے دیکھا تو واقعی ایک تیر اس کے بازو میں ترازو تھا، اس نے وہ تیر کھینچ کر نکالا، خون اور زیادہ بہنے لگا، اور اسماء پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔"

مسعود نے جلدی سے زخم کو کپڑے سے باندھا، اور معالجہ کے لیے سامنے کی عمارت کی طرف بڑھا، یہ ایک کلیسا تھا جس کا دروازہ اس وقت بند ہو چکا تھا، مسعود نے جب دروازہ بند دیکھا تو اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اس نے سوچا اگر اس وقت اسماء کا علاج نہ ہوا تو صبح ہوتے ہوتے یہ مر جائے گی۔ لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ کلیسا کے دروازے پر بالعموم ایک گھنٹہ رکھا رہتا ہے جس سے ایسے مواقع پر کام لیا جاتا ہے، چنانچہ اُس نے بے تحاشا گھنٹہ بجانا شروع کیا۔ اندر سے ایک راہب ذرا دیر میں برآمد ہوا۔

راہب:۔ تم کون ہو؟ اور ایسے ناوقت کیوں آئے؟

مسعود:۔ میرے ساتھ ایک مریضہ ہے اور وہ نزع کے عالم میں ہے۔

اگر جلد اس کی خبر نہ لی گئی، تو ایک قیمتی جان ضائع ہو جائے گی۔

راہب نے فوراً دروازہ کھول دیا، اور مسعود اس کی مدد سے اسماء کو لے کر اندر پہنچا۔ وہاں ایک حجرے میں لے جا کر فرش پر لٹا دیا۔ پھر رئیس دَیر یعنی کلیسا کے مرد بزرگ کے پاس پہنچا اور ساری صورتحال بیان کی، اور اس سے امداد کا طالب ہوا۔ وہ مسعود کے ساتھ ہو لیا۔ اور مریضہ کے حجرے میں پہنچا۔

اسماء فرش پر بے ہوش پڑی تھی، اور درد کی شدت سے کراہ رہی تھی، رئیسِ دیر نے اس کا زخم کھولا، اور اسے اچھی طرح دھو کر باندھا، اور اوپر سے پھایا لگا دیا، تاکہ ہوا زخم پر اثر نہ کر سکے، پھر اس نے اس چراغ میں سے جو حضرت عیسیٰؑ کے بت کے سامنے روشن تھا، تھوڑا سا روغن زیتون نکالا، اور اسماء کے منہ پر برکت اور شفا کے لیے مل دیا۔ وہ یہ کام کر رہا تھا اور بار بار متجسسانہ نظر سے اسماء کے چہرے کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا، بار بار اس کے ذہن میں یہ خیال آتا تھا کہ اس نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے۔

لیکن کہاں دیکھا ہے یہ نہیں یاد آتا،

آخر وہ اپنے جذبۂ استفسار کو ضبط نہ کر سکا، اس نے مسعود سے دریافت کیا"

"یہ کس کی لڑکی ہے؟"

مسعود:۔ اس کے باپ کے نام سے تو میں واقف نہیں ہوں، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بنو امیہ کے کسی بڑے آدمی کی لڑکی ہے۔

رئیسِ دیر:۔ کیا یہ لڑکی مسلمان ہے؟

مسعود:۔ کیا آپ اسے غیر مسلم تصور کرتے ہیں۔؟

رئیسِ دیر:۔ حیرت ہے آپ اسے مسلمان کہتے ہیں اور میں اس کی کلائی پر صلیب کا نشان، اور گلے میں مسیحی تعویذ دیکھ رہا ہوں، کیا یہ ایک مسلمان کی نشانی ہے۔

اب تو مسعود نے بھی غور کیا۔ تو بڑے پادری، یعنی رئیسِ دیر کی بات کو صحیح پایا اسے بھی حیرت ہوئی، لیکن وہ جواب کیا دے سکتا تھا!

مسعود:۔ میں اس کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ یہ مسلمان ہے اسے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے، اور یہ ہم میں سے بہتوں سے زیادہ پرجوش مسلمان ہے۔!

رئیس دیر:۔ لیکن اس نشانِ صلیب اور تعویذ کی آپ کیا توجیہہ کریں گے!

مسعود:۔ یہ میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے اس کا کوئی خاص سبب ہو!

رئیس دیر (یعنی بڑا پادری) ان باتوں سے مطمئن نہیں ہوا لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا! اُس نے اس نے موضوع کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

خیر ہوگا.... اب تم جا کر آرام کرو، اور مطمئن رہو، زخم زیادہ گہرا نہیں ہے لڑکی خدا نے چاہا تو جلد اچھی ہو جائے گی....، ہاں تم نے کھانا بھی تو نہیں کھایا ہوگا، آؤ چلو پہلے کھانا کھا لو!

مسعود نے اس ہمدردی سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ کی اس گرم گستری کا شکریہ، لیکن مجھے اس وقت ذرا بھی بھوک نہیں ہے آپ آرام کریں جا کر، میں یہیں مریضہ کے پاس بیٹھا رہوں گا۔

لیکن بڑا پادری نہ مانا، اس نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

میں کہتا ہوں، لڑکی خطرے سے باہر ہے، تم جاگ کر خود کو بیمار ڈالنے کی کوشش نہ کرو، جاؤ سو رہو، صبح انشاءاللہ وہ تمہیں چاق و چوبند ملے گی!

مسعود نے ضد کرنی مناسب نہ سمجھی، وہ حجرے کے دروازے کے پاس لیٹ گیا۔ بڑا پادری چھوٹے پادری سے کلدانی زبان میں کچھ باتیں کرنے لگا۔

یہ دونوں دیر تک اسی طرح باتیں کرتے رہے، پھر راہب، بڑے پادری

کے حکم سے جاکر ایک کتاب نکال لایا۔ بڑا پادری کتاب کی ورق گردانی کرنے لگا ورق گردانی کرتے کرتے وہ غور سے اسماء کو دیکھنے لگتا، اور پھر ورق الٹنے پلٹنے لگا!

یکایک اسماء نے کروٹ بدلی، اور مسعود کو آواز دی، وہ اب تک نہیں سویا تھا، اسماء کی آواز سنتے ہی تیزی سے اندر پہنچا اور اس کے پاس جاکر بیٹھ گیا، اس کے پہنچتے پہنچتے اسماء نے پھر غفلت کے باعث آنکھیں بند کرلیں، اور کچھ نہ کہہ سکی۔!

****

باب (۵۳)

راز

صبح کو مسعود بیدار ہو کر سب سے پہلے اسماء کے حجرے میں پہنچا، وہ بیدار ہو چکی تھی، چہرے پر کمزوری اور نقاہت کے آثار تھے لیکن درد کل سے کم تھا اسے نسبتہً بہتر حالت میں دیکھ کر مسعود خوش ہو گیا، اس نے کہا:۔

بیٹی تم نے بڑی تکلیف اٹھائی، خدا کا شکر ہے اب تم اچھی ہو رہی ہو، لیکن وہ کون بد بخت تھا جس کا تیر لگا؟

اسماء:۔ میں اسے جانتی ہوں، وہ سعید کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، وہ بزدل ہے۔ بزدل ہی اس طرح سے چھپ کر وار کرتے ہیں، وہ بھی عورتوں پر۔!

مسعود:۔ تُف ہے اس شخص پر، یہ انسان نہیں درندہ ہے ــــ میں اب واپس جاتا ہوں، اور محمد کو لے کر واپس آتا ہوں!

اسماء:۔ نہیں نہیں، خدا کے لیے ایسا نہ کرنا!

مسعود:۔ بیٹی تم ہر بات میں ضد کرتی ہو، مجھے جانے دو، ورنہ محمد خفا ہو جائے گا مجھ سے،!

اسماء:۔ خفا ہونے دیجیے، لیکن میں آپ کو نہیں جانے دوں گی، وہ امیر المومنین کے کام سے گئے ہیں، وہ کام میری زندگی سے کہیں زیادہ ضروری اور اہم ہے۔

مسعود:۔

"۔ اچھا تم منع کرتی ہو تو نہیں جاتا، لیکن محمد جب سنے گا، اسے شکایت ضرور ہوگی!

اسماء:۔ میں اس شکایت کا کوئی اثر تم پر نہیں پڑنے دوں گی۔ میں اب اچھی ہوں اور انشاء اللہ دو تین دن میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی!

مسعود:۔ اس کمبخت حادثہ کی وجہ سے تم کو رُک جانا پڑا یہاں۔

اسماء:۔

"خدا کی مرضی میں کون دخل دے سکتا ہے۔ ورنہ اس وقت میں اُم المومنین کے پاس ہوتی، خدا اس ظالم کو غارت کرے، جو میرے عزائم کی راہ میں سنگِ گراں بن کر حائل ہوا، یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے،

مسعود:۔ بیٹی محمد نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں تمہاری حفاظت اور راحت رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کروں!

اسماء:۔ آپ نے کوئی کوتاہی نہیں کی، میں آپ کی بہت شکر گذار اور ممنون ہوں ——— البتہ میری ایک درخواست ضرور ہے!

مسعود:۔ تو کہتی کیوں نہیں بیٹی!

اسماء:۔ میں چاہتی ہوں، آپ محمد کے پاس چلے جائیں، اُسے مطمئن کر دیں اور اسی کے پاس رہیں، میں کل پرسوں تک یہاں سے اچھی ہو کر ام المومنین کے پاس چلی جاؤں گی، یہاں میں بہت آرام سے ہوں، میرا بہت خیال رکھا جاتا ہے آپ ذرا بھی فکر نہ کریں۔

پہلے تو مسعود نے یہ بات ماننے میں تامل کیا۔ لیکن جب اسماء نے زیادہ اصرار کیا، اور بڑے پادری نے بھی سمجھایا تو بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ اور وہ

کوفہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

مسعود کو رخصت کرکے جب بڑا پادری واپس آیا، تو پھر حیرت اور استعجاب کے ساتھ اسماء کو دیکھنے لگا، اب اسماء نے جو غور کیا تو وہ بھی محسوس کرنے لگی کہ اُس نے اس شخص کو کہیں ضرور دیکھا ہے چنانچہ اُس نے پوچھا:۔

اسماء:۔ محترم بزرگ، کیا آپ نے مجھے کہیں دیکھا ہے؟

بڑا پادری:۔ ہاں بیٹی ضرور دیکھا ہے، لیکن یاد نہیں آتا کہاں دیکھا ہے دو دن سے اسی سوچ میں ہوں!

اسماء:۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ آپ نے گزشتہ سال مجھے دمشق میں دیکھا تھا!

بڑا پادری:۔ (کچھ سوچتے ہوئے) ٹھیک کہتی ہو بیٹی، یاد آگیا، وہیں دیکھا تھا۔ جب تم اپنی ماں کے ساتھ میری یوحنا میں قیسیس برقس کی زیارت کرنے آئی تھیں .... ہے نا!

اسماء:۔ جی جی آپ صحیح فرما رہے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے!

بڑا پادری:۔ لیکن تمہاری والدہ کہاں ہیں!

اسماء:۔ (پُرالم آواز میں) ان کا انتقال ہوگیا!

بڑا پادری:۔ کیوں بیٹی تمہیں اپنے باپ کا نام بھی معلوم ہے!

اسماء کے دل میں ایک نئی اُمنگ پیدا ہوئی۔

شاید یہ میرے باپ سے اور اُس کے نام سے واقف ہے!

اسماء:۔ افسوس یہ راز میری والدہ اپنے ساتھ قبر میں لے گئیں، اور میں اپنے باپ کا نام نہ معلوم کرسکی، کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟

بڑا پادری:۔ نہیں بیٹی، میں ان سے واقف نہیں ہوں!

اسماء :- کم از کم ان کا نام تو جانتے ہوں گے آپ ؟
بڑا پادری :- نہیں بیٹی ، میں اُن کا نام بھی نہیں جانتا ، البتہ ایک اور شخص ہے جو ان کے نام سے واقف ہے ۔
اسماء :- میں تو سمجھی تھی ، یہ راز میری ماں کی قبر میں دفن ہوگیا ۔ آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور بھی ہے جو اس سے آشنا ہے ۔ خدا کے لیے آپ جو جانتے ہیں ضرور بتا دیجیے ، میں زندگی بھر آپ کی شکرگزار رہوں گی ،
بڑا پادری :- میں جھوٹ نہیں بولتا ، میں تمہارے باپ سے یا ان کے نام سے قطعًا ناواقف ہوں ، کیا وہ شخص جو تمہاری ماں کے ساتھ یوحنا میری کے گرجا میں آیا تھا ، تمہارا باپ نہ تھا ؟
اسماء :- نہیں ، وہ یزید اُموی تھا ، لوگ اُسی کو میرا باپ سمجھتے ہیں اور میں بھی عرصہ تک یہی سمجھتی رہی ، لیکن خود میری ماں نے بتایا ، وہ میرا باپ نہیں ہے
بڑا پادری :- اچھا یہ بات ہے ؟
اسماء :- محترم بزرگ ، اگر آپ اس سلسلہ میں کچھ نشان دہی کریں گے تو میں بہت ممنون ہوں گی ، اس وقت میری حیثیت یہ ہے کہ میں ایسے شخص کی بیٹی ہوں جسے میں نہیں جانتی ، میرا نسب مجہول ہے ۔ لہٰذا اُس شخص کا اتہ پتہ بتایئے جو اس راز سے واقف ہے ۔
بڑا پادری :- میں اگر واقف ہوتا تو ضرور بتا دیتا ، لیکن یہ بات میں نے کیوں کر جانی کہ تیرا باپ کوئی اور ہے وہ بتائے دیتا ہوں ۔
اسماء :- وہی سہی ، کچھ تو کہیے ، شاید اُسی سے کچھ سُراغ لگے ۔
بڑا پادری :- تجھے یاد ہوگا ، تیری ماں قیس مرقس سے ملی تھی ؟
اسماء :- ہاں خوب یاد ہے ۔

بڑا پادری :- اس سے رخصت ہو کر جب وہ چلی گئی تو قیس نے مجھ سے کہا، "اس عورت کا راز ہے، جسے میں ۲۵، ۳۰ سال سے چھپائے ہوئے ہوں یہ اب مدینہ اس لیے جا رہی ہے کہ وہاں اس راز کو حضرت علی کے سامنے ظاہر کرے لیکن اس کی صحت بہت خراب ہے۔ مجھے اندیشہ ہے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی کہیں مر نہ جائے۔

اسماء :- (گلوگیر آواز میں) اور ایسا ہی ہوا۔

بڑا پادری :- مرقس نے کہا، اگر یہ مر گئی تو اس کا راز صرف میرے سینہ کے صندوق میں محفوظ رہے گا۔ اور میری موت کے بعد جو اب بہت قریب ہے، یہ ضائع ہو جائے گا۔ اور اگر یہ راز ضائع ہو گیا تو بڑی افسوسناک بات ہو گی، کیونکہ یہ اس لڑکی کے لیے بہت اہم ہے۔

یہ کہہ کر مرقس چُپ ہو گئے، میں نے عرض کیا۔

"یہ راز آپ مجھے بتا دیجیے۔ تاکہ ضائع نہ ہو، میں اس کی حفاظت کروں گا۔ اور یہ امانت اس کے مالک تک ضرور پہنچا دوں گا"

مرقس نے کہا :- یہ شخص جو اس لڑکی کے ساتھ آیا تھا اس کا باپ نہیں ہے۔ اس کا باپ کوئی اور شخص ہے۔ ——— بہت بڑا شخص، ایک عالی مرتبہ صحابی ہے۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے، میں نے پھر اصرار کیا تو فرمایا :-

اگر اس عورت کی زندگی نے وفا نہ کی، اور اپنا راز بیان کرنے سے پہلے یہ مر گئی تو تمہیں اس راز سے آگاہ کر دوں گا، لیکن اس وقت نہیں!

میں بھی خاموش ہو گیا، کیونکہ اصرار لاحاصل تھا۔

اسماء نے کہا :- لیکن میں کیسے مان لوں کہ میرا باپ ایک عالی مرتبہ صحابی ہے

والدہ نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

بڑے پادری نے کہا ،۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہاری ماں اس راز کو پوشیدہ رکھتی تھی۔ وہ رومانی نسل سے تھی۔ مسلمانوں نے جب شام فتح کیا تو وہ گرفتار ہو گئی۔ سپہ سالار لشکر اسلام نے اسے ہدیۃً تیرے حقیقی باپ کے پاس بھیج دیا جہاں سے تمہاری ماں کا سگا بھائی اُسے بھگا لایا۔ اور مصر لے گیا۔ قیس مرقس اس زمانہ میں مصر کے گرجا میں تھے، تمہاری ماں ان ہی کے پاس جاکر رہیں، تم وہیں پیدا ہوئیں پھر جب مسلمانوں نے مصر بھی فتح کر لیا، تو وہ پھر گرفتار ہو گئیں۔ اس وقت تمہاری عمر صرف دو سال کی تھی، یزید اموی نے ان سے شادی کر لی، اور تم اور وہ یزید کے ہاں رہنے لگیں۔

اسماء نے بیتابی کے ساتھ عرض کیا۔

" مجھے بتائیے قیس مرقس کہاں ہیں تاکہ میں ان کے پاس جاؤں، اور سارا حال معلوم کروں؟

بڑے پادری نے کہا ،۔ تم قیس مرقس کے پاس چلی جاؤ، وہ تمہیں بڑے گرجا میں ملیں گے!

اسماء ،۔ میں ضرور جاؤں گی!

مرقس ،۔ لیکن اس کام میں تمہیں جلدی کرنی چاہیے۔ کیونکہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، آج مرے کل، دوسرا دن، کسی کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور خاص کر وہ تو اب آفتاب لب بام ہیں۔!

یہ باتیں سنتے سنتے اسماء فرش پر لیٹ گئی، وہ بہت کمزور تھی، بیٹھے بیٹھے تھک گئی۔

تھوڑی دیر میں بڑا پادری بھی حجرے سے نکل کر اپنے کمرے

میں چلا گیا۔

اسماء بالکل تنہا رہ گئی ________ لیکن نہیں وہ اپنے خیالات کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔ کچھ سوچ رہی تھی ________ نہ جانے کیا؟

******

باب (۵۴)

طلحہ، زبیر، علی

اسماء کو اس دیر یعنی گرجا میں آئے ہوئے کئی دن ہو چکے ہیں، وہ یہاں بہت آرام سے ہے، کسی طرح کی تکلیف نہیں، بڑا پادری، راہب اور کلیسا کے دوسرے متعلقین برابر اس کی خدمت گذاری میں لگے رہتے ہیں۔ وہ بار بار سوچتی ہے کہ طبیعت ٹھیک ہو، تو ام المومنین کی خدمت میں جائے، اور انہیں صحیح حالات سے مطلع کر کے اس ہولناک خوں ریزی، اور خانہ جنگی کو روکنے کی کوشش کرے جس کا خطرہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ لیکن زخم ابھی تک پورے طور پر مندمل نہیں ہوا، اس حالت میں کسی طرح بھی وہ نہیں جا سکتی، اپنی اس مجبوری پر دل مسوس کر رہ جاتی ہے۔

ایک روز بیٹھے بیٹھے اس کی طبیعت گھبرائی، تو کلیسا کے چمن میں، ذرا گلگشت کے لیے نکلی، سامنے ہرا بھرا چمن تھا۔ پھولوں کے تختے کھلے ہوئے تھے۔ بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی، اور مشامِ جاں کو معطر کر رہی تھی، وہ کھلتی ہوئی ذرا آگے تک نکل گئی۔ اس کی نگاہ چمن سے باہر کے وسیع میدان میں پڑی، تو اُسے خیمے ہی خیمے نظر آئے اور وہ سوچنے لگی، یہ خیمے کس لشکر کے ہیں! کس گروہ کے ہو سکتے ہیں، کہیں اُم المومنین کے ساتھی تو نہیں ہیں! اگر یہ خیال صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جنگ کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں، اور وہ ہر وقت پوری خونریزی کے ساتھ چھڑ سکتی ہے۔

غروب آفتاب کے بعد کلیسا میں وہ واپس آ گئی، لیکن طبیعت مضمحل تھی اور خیالات پریشان، وہ یکسوئی جو یہاں اتنے دن قیام میں حاصل ہوئی تھی، ختم ہو گئی، اور وہ پھر تردّد اور فکر و پریشانی میں مبتلا ہو گئی۔

کلیسا میں واپس آنے کے بعد اس نے کھانے سے فراغت کی، اور تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کر کے وہ بسترِ استراحت پر دراز ہو گئی۔ یہ بستر واقعی اب تک اس کے لیے بسترِ راحت تھا۔ لیکن یہ کانٹوں کی سیج بنا ہوا تھا۔ کروٹیں بدلتی تھی، مگر نیند نہیں آتی تھی۔ خیالات کی یورش سے پریشان ہو کر خوابِ غفلت کے آشیانے میں پہنچ جانا چاہتی تھی، لیکن اس آشیانے میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی، خیالات پریشان کن تھے کہ اُبل رہے تھے اور وہ کروٹوں پر کروٹیں بدل رہی تھی۔

اسی طرح پھر دو روز گذر گئے، ایک روز وہ حسبِ معمول صبح صبح کلیسا کے باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی کہ اُس کی نظر ایک لشکر پر پڑی جو بصرہ سے اس طرف پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، اب تک وہ سوچ رہی تھی کہ ذرا توانائی آ جائے تو امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو، اور انہیں اپنے مشاہدات سے باخبر کرے، اس کام سے فارغ ہو کر مرقس راہب سے ملاقات کرے۔ اور اس سے اپنے باپ کا نام و نشان دریافت کرے۔ لیکن اس لشکر کو دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئی اس نے سوچا، ہو نہ ہو، یہ امیر المومنین حضرت علی کا لشکر ہے۔

یہ سوچ کر جوشِ اشتیاق میں وہ اس لشکر کی طرف بڑھی ———— ———— اس نے سوچا لشکر میں جا کر وہاں کے صحیح حالات معلوم ہو سکیں۔ حضرت علی کے عزائم کا اندازہ بھی ہو سکے گا۔ اور محمد سے ملاقات بھی ہو سکے گی۔ یہ سوچ کر کمزوری اور نقاہت کے باوجود وہ لشکر کی طرف خراماں خراماں بڑھنے لگی۔

اسماء نے پھر سوال کیا:۔ امیر المومنین کے لشکر کی تعداد کیا ہے؟ اور ام المومنین کے لشکر کی تعداد کیا ہے؟ اور ام المومنین کے لشکر میں کتنے آدمی ہیں؟
اُس نے جواب دیا:۔ امیر المومنین کے لشکر میں بیس ہزار سپاہی ہیں اور ام المومنین کے لشکر میں تیس ہزار۔
اسماء:۔ تمہارے خیال میں دونوں میں سے کس کا پلہ بھاری رہے گا؟
وہ شخص کہنے لگا:۔ پلہ تو امیر المومنین ہی کا بھاری رہے گا۔ اس لیے کہ وہ خود بھی بہت بڑے سپہ سالار ہیں۔ اور ان کے ساتھیوں میں بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کار آزمودہ اور تجربہ کار ہیں۔ لیکن اب انشاء اللہ جنگ کی نوبت نہیں آئے گی!
یہ سُن کر اسماء خوش ہو گئی، اُس نے اس اشتیاق کے ساتھ پوچھا:۔
آپ نے یہ کیوں کر جانا؟ ویسے یہ چیز تو بڑی اچھی اور دل خوش کن ہے!
اس نے جواب دیا:۔ اس لیے کہ دونوں میں صلح ہو گئی ہے!
اسماء:۔ صلح ہو گئی! یہ بڑا اچھا ہوا۔ ہر مسلمان کو سجدۂ شکر بجالانا چاہیئے۔ لیکن صلح ہوئی کس طرح؟
وہ بولا:۔ عجیب واقعہ ہوا ـــــــ فریقین میں صف آرائی شروع ہوئی، ہمارا لشکر بھی کیل کانٹے سے مسلح اور دوسرا لشکر بھی، یکایک ام المومنین کے لشکر سے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر گھوڑوں پر سوار برآمد ہوئے اور مبارزت طلب کی، امیر المومنین نے اس مبارزت طلبی کے جواب میں گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ دونوں لشکروں کے افراد اس منظر کو بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ بجائے اس کے کہ لڑائی ہوتی ان تینوں میں بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا:۔
"اس سے قبل کہ تم لوگ ہتھیاروں سے میرا مقابلہ کرو، کوئی ایسا عذر تلاش

ابھی تھوڑی دور ہی گئی ہوگی کہ ایک اونٹ بھاگتا ہوا نظر آیا اور اس کے پیچھے پیچھے کوئی شخص دوڑ رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔

پکڑو، پکڑو، میری مدد کرو، یہ بھاگنے نہ پائے۔

اتنے میں وہ اونٹ بالکل اسماء کے سر پر آگیا، اسماء کے لیے اب بچنا اور بھاگنا مشکل تھا۔ آخر راہ فرار نہ دیکھ کر اس نے اپنی بانہیں اُچک کر اس کی لمبی گردن میں حمائل کر دیں۔ کچھ دور تک تو وہ گھسٹتی رہی، پھر اس کی گردن سے بالکل لپٹ گئی اتنے میں وہ شخص بھی آگیا۔ اور اس نے بھاگتے ہوئے اونٹ کو پکڑ لیا۔

ان حرکتوں اور جھٹکوں سے اسماء کے زخم کھُل گئے۔ اور ان سے پھر خون جاری ہوگیا۔ اُس نے آہ کی، اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

اونٹ کے مالک نے اس سے پوچھا،۔

تم کون ہو بیٹی ؟۔!

وہ بولی ؛۔ مجھے بھی اسی نواح کا ایک فرد سمجھیے۔ لیکن آپ کون ہیں۔

وہ شخص کہنے لگا ؛۔ میں قبیلۂ بنو عبدالقیس کا ایک آدمی ہوں !

اسماء کا شوقِ تجسّس ابھی ختم نہیں ہوا تھا، اس نے پھر دریافت کیا۔

اور یہ لشکر کس کا ہے ؟

وہ شخص گویا ہوا ؛۔ یہ امیرالمومنین علی علیہ السلام کا لشکر ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں، امیرالمومنین، اور ام المومنین کے لشکروں میں جنگ ہونے والی ہے ؟!

اسماء بولی ؛۔ ہاں میں جانتی ہوں ______ تو یہ امیرالمومنین کا لشکر ہے؟

وہ شخص کہنے لگا ؛۔ ہاں ! یہ امیرالمومنین کا لشکر ہے، ہم لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ وہ حق پر ہیں۔ اور انہیں خواہ مخواہ جنگ پر مجبور کیا گیا ہے۔

کر لینا چاہیے۔ جو بارگاہ خداوندی میں اس جنگ و پیکار کو جائز قرار دے، میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ تمہاری کوششیں اکارت جائیں: بتاؤ کیا میں تمہارا بھائی نہیں ہوں؟ کیا تمہارا خون مجھ پر اور میرا خون تم پر حرام نہیں ہے؟

اس کے جواب میں حضرت طلحہ نے فرمایا:۔

"کیا حضرت عثمانؓ کے قتل کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے!

حضرت علیؓ:۔ خدائے علیم و خبیر اس حقیقت سے واقف ہے کہ یہ مجھ پر صرف ایک اتہام ہے، میں قاتلینِ عثمان کو خدا کے حوالے کرتا ہوں، میں قاتلین عثمان پر خدا کی لعنت بھیجتا ہوں، اور ہاں بتاؤ، کیا تم وہی نہیں ہو جنہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی!

حضرت طلحہ:۔ ہاں کی تھی، لیکن وہ جبری بیعت تھی، ہم نے خوشی سے نہیں کی تھی۔

حضرت علیؓ:۔ (حضرت زبیر سے مخاطب ہو کر) تمہارے عزائم کیا ہیں!

حضرت زبیر:۔ میرے مقابلے میں تم خلافت کے سزاوار نہیں ہو!

حضرت علیؓ:۔ میں تمہیں اولاد عبدالمطلب میں سے سمجھتا ہوں، افسوس تمہارے بیٹے نے ہم میں تفرقہ پیدا کر دیا، کیا تم رسولؐ اللہ کی اس پیش گوئی کو بھول گئے جو اس جنگ کی نسبت انہوں نے فرمائی تھی؟

حضرت زبیر:۔ (کچھ سوچتے ہوئے) ہاں مجھے یاد آیا ــــــــ میں جنگ سے کنارہ کش ہوتا ہوں، میں اب اس میں کوئی حصہ نہیں لوں گا!

---

(۱) یہ تاریخی واقعہ ہے اور مستند تاریخی کتابوں میں مذکور ہے۔ اس پیش گوئی کا ذکر سنتے ہی حضرت زبیر میدان جنگ سے الگ ہو گئے۔ (مترجم)

اسماء (مسرت کے ساتھ) خدا ان مخلص اور ایمان دار لوگوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے ــــــــــ ہاں پھر اس کے بعد کیا ہوا!

وہ بولا :۔ اس کے بعد کیا ہوا! حضرت زبیر اس گفت گو کے بعد رزم گاہ سے واپس چلے گئے، ان کے ساتھ حضرت طلحہ بھی واپس ہو گئے۔ ان دونوں نے جا کر حضرت عائشہؓ کو یہ ماجرا سنایا، وہ بھی جنگ کے خیال سے دست بردار ہو گئیں۔ اور اس طرح بغیر کسی خون ریزی کے جنگ رُک گئی۔

اسماء :۔ الحمدللہ، الحمدللہ ــــــــــ!

پھر اس کے دل میں آیا کہ اس شخص سے محمد کے بارے میں دریافت کرے، شاید کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔ چنانچہ اس نے پوچھا :۔

"کیا کوفہ سے بھی کچھ سپاہ امیرالمومنین کے ساتھ ان کی مدد کے لیے آئی ہے؟

اس نے جواب دیا :۔ ہاں ہزار آدمی کے قریب آئے ہیں، لیکن بڑی مشکل سے بڑی لیت و لعل کے بعد!

"اسماء :۔ (حیرت سے) لیت و لعل کے بعد! بڑی مشکل سے! یہ کیوں کیا وہ امیرالمومنین کی امداد و اعانت، اپنا فرض نہیں سمجھتے؟

وہ گویا ہوا :۔ بات یہ ہوئی کہ شروع میں امیرالمومنین نے اپنی طرف سے محمد بن ابی بکر، اور محمد بن جعفر کو، کوفہ روانہ کیا تھا، ان دونوں نے کوفہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری کو امیرالمومنین کا پیام پہنچایا، اور ان سے استدعا کی کہ لشکر کی فراہمی میں مدد کریں، لیکن ابو موسیٰ اشعری نے مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔

اسماء :۔ انکار کی کوئی وجہ بھی تو ہو گی؟

وہ بولا :۔ ہاں انہوں نے فرمایا، ایک طرف علیؓ امیرالمومنین ہیں۔ دوسری جانب ام المومنین عائشہ ہیں، میں کس کی مدد کروں، اور کس کی نہ کروں، میں ہرگز

خانہ جنگی، اور باہمی رزم و پیکار کے سلسلہ میں کسی فریق کی مدد نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے کوفہ والوں کو ہدایت کر دی کہ وہ کسی فریق کی مدد نہ کریں؛

اسماء:۔

"اچھا یہ بات تھی، خیر پھر کیا ہوا!

اس نے بتایا؛

"پھر یہ ہوا کہ جب محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر واپس آ گئے تو امیرالمومنین نے اشتر نخعی اور عبداللہ بن عباسؓ کو روانہ کیا کہ وہ ابوموسیٰ کے پاس جائیں اور انہیں سمجھائیں۔ لیکن ——————!

اسماء:۔

"وہ بھی ناکام واپس آ گئے ہوں گے!

اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:۔ ہاں وہ بھی ناکام واپس آ گئے بعد ازاں امیرالمومنین نے عمار بن یاسر اور اپنے لختِ جگر حضرت حسنؓ کو بھیجا۔ وہ گئے۔ اُدھر یہ کوفہ پہنچے، اُدھر ام المومنین کے آدمی وہاں وارد ہوئے، فریقین کے آدمی اپنی اپنی کوشش کرنے لگے۔

اسماءؓ:۔

"افسوس: یہ کیا ہونے لگا، کاش یہ کوششیں باہمی اتحاد و اتفاق پر صرف ہوتیں۔!

وہ بولا:۔ کاش ایسا ہوتا —— پھر حضرت امام حسنؓ کی تقریر دل پذیر رنگ لائی، ان کی جادو بیانی نے لوگوں کے قلوب کو امیرالمومنین علیؓ کی طرف پھیر دیا اور نو ہزار آدمی اس وقت ہر طرح سے امداد و اعانت کو تیار اور آمادہ ہو گئے اور کوفہ میں حضرت علیؓ کی دعوت عام طور پر مقبول ہو گئی۔

اس گفتگو کے بعد بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ محمد کہاں ہے! کوفہ میں یا بصرہ میں، آخر وہ ضبط نہ کر سکی، پوچھ بیٹھی۔

"تو محمد وغیرہ بھی امیر المومنین کے ساتھ یہاں آئے ہوں گے؟"

اس نے جواب اثبات میں دیا۔ اور یہ دونوں اپنے اپنے راستہ پر ہو لیے۔

******

باب (۵۵)

جنگِ جمل

یہاں سے رخصت ہو کر اسماء سیدھی کلیسا میں واپس آئی یہاں بڑا پادری اس کا منتظر تھا، اس نے جو اسماء کو آتے دیکھا تو اضطراب کے ساتھ آگے بڑھا۔ اور کہا،۔

"بیٹی تم کہاں چلی گئی تھیں! ہم لوگ سب پریشان تھے ——— زخموں کی طرف دیکھ کر ——— ایسے یہ تمہارے زخم کیسے کھل گئے! آؤ میں مرہم پٹی کردوں!"

بڑا پادری اسماء کو اپنے ساتھ لے کر ایک دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں احتیاط اور ہمدردی کے ساتھ اس کے زخموں کو پھر سے دھویا، اور مرہم پٹی کی پھر پوچھا۔

"بتاؤ تم کہاں گئی تھیں ؟"

اسماء نے ساری کہانی اوّل تا آخر سنادی، جو کچھ اس نے اونٹ والے سے سنا تھا۔

اسماء اب جنگ باہمی کے اندیشہ کی طرف سے بالکل مطمئن ہوگئی تھی۔ محمد کے بارے میں بھی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ وہ بخیریت ہے۔ اور امیر المومنین کے لشکر میں موجود ہے اب اُسے صرف ایک ہی فکر تھی کہ کسی طرح مرقس راہب کے پاس پہنچے

اور اس سے اپنے باپ کا نام و نشان معلوم کرے، اس فکر نے اُسے بہت زیادہ پریشان و مضطرب رکھا تھا۔

اسی سوچ بچار میں کئی دن گذر گئے!

اسماء کو اُمید تھی کہ مسعود نے محمد سے اس کا سارا حال زخمی اور بیمار اور صاحبِ فراش ہونے کا کہہ دیا ہوگا۔ لہٰذا قدرتًا یہ توقع تھی کہ جب وہ بصرہ آئے گا تو اس سے ملنے ضرور آئے گا۔ اس اونٹ والے سے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ محمد امیر المومنین کے لشکر کے ساتھ بصرہ آیا ہوا ہے۔ اس لیے اور زیادہ اشتیاق اور بے چینی کے ساتھ وہ محمد کی راہ تکا کرتی تھی۔ لیکن وہ نہ آیا۔

اسی انتظار اور حیص بیص میں کئی دن گذر گئے۔

وہ سوچتی سب سے پہلے قیس بن قیس کے پاس جائے، پھر خیال آتا۔ محمد سے ملے بغیر جانا ٹھیک نہیں۔!

آخر اُس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی، اس نے اپنا سارا ماجرا ایک خط میں لکھا اور کلیسا کے ایک خادم کو بلا کر اس کے حوالہ کیا، اور اُس سے تاکید کی وہ لشکرِ علوی میں جائے۔ اور وہاں محمد بن ابی بکر کو تلاش کر کے یہ خط صرف ان ہی کے ہاتھ میں دے، اور جلد از جلد جواب لے کر واپس آئے۔

خادم خط لے کر چلا گیا، اور اسماء اب اس اُمید میں بیٹھ گئی کہ جواب میں محمد خود آتا ہوگا!

لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہ خادم گھبرایا ہوا، مضطرب اور بدحواس حاضر ہوا اسماء اس حالت میں اسے دیکھ کر گھبرا گئی، اس نے پوچھا:-

"کیا ہوا، تو اتنا گھبرایا ہوا اور پریشان کیوں نظر آرہا ہے؟

"خادم کے منہ سے صرف یہ نکلا:- لڑائی ——————!

اور اس کے بعد وہ کچھ نہ کہہ سکا، اس مبہم سے لفظ نے اسماء کو اور زیادہ پریشان کر دیا، اُس نے پوچھا:۔

"کیا تیری اور محمد کی لڑائی ہو گئی کمبخت ــــــــ؟

اب وہ ذرا حواس میں آچکا تھا، اس نے کہا:۔

نہیں، میں ان سے مل ہی نہیں سکا، دونوں لشکروں میں لڑائی چھڑ گئی ہے!

اسماء خود اپنے کانوں سے صلح کا سارا ماجرا سُن کر آچکی تھی، اسے یقین نہ آیا، اس نے خادم کو جھڑکتے ہوئے کہا:۔

تو جھوٹا ہے، باتیں بناتا ہے، تو وہاں لشکر میں گیا ہی نہیں، الامیر انعطا واپس کر، میں کسی اور کو بھیج دوں گی۔!

خادم نے وہ خط اسماء کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا!

سیدہ میں جھوٹ نہیں بولتا، آپ خود چل کر ملاحظہ فرما لیجیے، بڑے زور شور سے لڑائی ہو رہی ہے، دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح لشکر میں گھس جاؤں، لیکن کامیاب نہ ہو سکا، اگر کسی طرح وہاں پہنچ بھی جاتا، تو زندہ اور صحیح سلامت واپس آنا ناممکن تھا، اس لیے یہ خط لے کر واپس آگیا۔ اگر آپ حکم دیں تو اس حالت میں پھر کوشش کروں، لیکن کامیابی ناممکن ہے۔

اسماء:۔ (تعجب سے) نہ جانے یہ لڑائی کس طرح چھڑ گئی، چند روز بھی صلح نہ قائم رہ سکی۔؟

خادم:۔ میں نے بعض لوگوں سے دریافت کیا تھا!

اسماء:۔ تو کیا معلوم ہوا تجھے؟

خادم:۔ مجھے بتایا گیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ میں صلح ہوئی تھی وہ

ٹوٹ گئی اور لڑائی زور شور سے شروع ہو گئی۔

اسماء :۔ لیکن یہ بھی تو معلوم کیا ہوتا، صلح کیوں ٹوٹی؟ کس نے توڑی؟

خادم :۔ افسوس ہے جتنا کچھ میں نے عرض کیا، اس سے زیادہ میں کچھ نہ معلوم کرسکا، ہاں یہ بات ضرور معلوم ہوئی کہ آج صبح یک بیک حضرت عائشہؓ کی فوج نے حضرت علی کی فوج پر حملہ کردیا۔

******

باب (۵۶)

بہروپ

خادم کی یہ باتیں سن کر اسماء اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی، اب تک وہ اس رائے پر قائم تھی کہ ہر حالت میں اسے قیس مرقس کے پاس جاکر اپنے باپ کا حال معلوم کرنا چاہیے، لیکن اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ تیروں کی بوچھاڑ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوگی، اور انہیں صحیح واقعات سے آگاہ کرے گی، انہیں بتائے گی کہ حضرت علیؓ پر جو اتہامات لگائے گئے ہیں وہ یک سر غلط، لغو، اور بے بنیاد ہیں، اُسے یقین تھا، صحیح حالات معلوم ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ ضرور جنگ ترک فرما دیں گی!

وہ سیدھی بڑے پادری کے پاس پہنچی اور ان سے کہا:-

"افسوس صلح پیمان شکست ہوگیا، اور لڑائی شروع ہوگئی!

بڑا پادری:- ہاں یہ خبرِ بد مجھے بھی ابھی ابھی ملی ہے۔

اسماء:- میں چاہتی ہوں، آپ میری مدد کریں۔

بڑا پادری:- میں ہر طرح سے مدد کو تیار ہوں، بتاؤ، بیٹی میں کیا کر سکتا ہوں!

اسماء:-

"ایک اونٹ کا انتظام کر دیجیے۔

بڑا پادری :۔ ایک نہیں دس اونٹوں کا بندوبست کروں گا۔ لیکن تمہارا ارادہ کیا ہے؟ کیا کرو گی تم اونٹ کو؟

اسماء :۔

میں اُم المومنین عائشہؓ صدیقہ کے پاس جاؤں گی ــــــ !

بڑا پادری :۔ وہاں جا کر کیا کرو گی تم؟ جب اتنے بڑے لوگوں کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی، تم تو عورت ذات کیا کرو گی؟

اسماء :۔ یہ میں جانتی ہوں کہ کیا کروں گی، مجھے میرے ارادہ سے روکنے کی کوشش نہ کیجیے۔ اگر اونٹ کا انتظام ہو سکتا ہے تو خیر، ورنہ میں پاپیادہ چلی جاؤں گی ــــــ !

بڑا پادری :۔ نہیں بیٹا تمہیں پاپیادہ جانے کی ضرورت نہیں، ایک تیز رفتار سانڈنی کا انتظام ابھی ہوا جاتا ہے ۔!

یہ کہہ کر بڑا پادری حجرے سے باہر چلا گیا، اتنی دیر میں اسماء نے جلدی جلدی مردانے کپڑے زیب تن کیے، تلوار کمر سے لگائی، سر پر عمامہ باندھا، اس میں بال چھپائے۔ اسی اثناء میں بڑا پادری آگیا، پہلے تو وہ اسماء کے بجائے ایک جوان رعنا کو اس حجرہ میں دیکھ کر ٹھٹکا، اور گھبرایا۔ لیکن بہت جلد صورت حالات اس پر منکشف ہو گئی، وہ مسکراتا ہوا، اسماء کی طرف بڑھا اور گویا ہوا۔

واقعی تم نے بڑا اچھا بہروپ بھرا ہے۔ کوئی نہیں پہچان سکتا کہ تم مرد نہیں لڑکی ہو، میں خود مغالطہ میں آگیا تھا۔

اسماء مسکرانے لگی پھر اس نے پوچھا :۔

" کہیے سانڈنی کا کیا ہوا؟

بڑے پادری نے جواب دیا :۔ وہ باہر تیار کھڑی ہے ــــــ !

اسماء:۔ میں آپ کی بہت شکرگذار اور ممنون بلکہ زیر بار احسان ہوں۔ زندگی بھر آپ کی اس کرم فرمائی کو یاد رکھوں گی، اگر کبھی بھی آپ کی مجھ سے خدمت بن آئی تو اس سے دریغ نہ کروں گی ـــــــــ اچھا اب اجازت دیجیے۔"

یہ کہہ کر اسماء پادری سے رخصت ہو کر اونٹ پر بیٹھی، اور رزم گاہ کی طرف روانہ ہو گئی ـــــــــ!

******

باب (۵۷)

اپیل

اسماءؓ جب میدان جنگ کے قریب پہنچی تو اُس نے دیکھا لڑائی کا بازار شور سے گرم ہے، ایک ہنگامۂ دار و گیر برپا ہے۔ ہر طرف سے شور و غوغا بلند ہو رہا ہے۔ غل کی وجہ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ اور یہ تیر، تیر قضا کی صورت میں برس رہے، اور لوگوں کے سینہ میں پیوست ہو کر روح اور جسم کا رشتہ منقطع کر رہے ہیں۔

اسماء اس کیفیت میں بھی اپنے ہوش و حواس قائم رکھے ہوئے تھی۔ وہ احتیاط کے ساتھ ایک ایک شخص کو غور سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی، اس نے دیکھا اور محسوس کیا کہ حضرت علیؓ کی فوج غالب آرہی ہے اور پوری قوت سے حملہ آور ہو رہی ہے

یکایک اسماء کی نظر مروان پر پڑی جو گھوڑے پر سوار تھا۔ اور اس کے آگے ایک اور شخص میدانِ کارزار کی طرف جوش اور ولولہ کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ مروان نے شست باندھ کر ایک تیر چلّاسے کھینچ کر مارا، وہ اس کی ران میں لگا خون بہنے لگا۔ اور وہ گھوڑے کی پیٹھ پر ڈانوا ڈول ہونے لگا، گھوڑا سمجھ دار تھا، اپنے آقا کی کیفیت تاڑ گیا۔ اور اُسے لے کر بھاگ نکلا۔ گھوڑا جب اسماء کے پاس سے گذرا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ جس شخص کو گھوڑا لے کر بھاگا جا رہا تھا، وہ کوئی اور نہ تھا، حضرت

جواس لیے میدانِ جنگ سے تشریف لیے جا رہے تھے کہ وہ حضرت علیؓ سے رسولؐ اللہ کی پیش گوئی سننے کے بعد جنگ میں حصّہ نہ لینے کا وعدہ کر چکے تھے۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو میدان سے واپس جاتے دیکھ کر اسماء کو خیال آیا، اب امّ المومنین ضرور جنگ ترک کر دینے پر رضامند ہو جائیں گی، اور حقائق معلوم ہو جانے کے بعد وہ جنگ کا خیال بھی نہ کر سکیں گی' یہ سوچ کر وہ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھی، قریب پہنچ کر اس نے سُنا کہ اُم المومنینؓ نے کعب کو آواز دی، اور ان سے فرمایا:۔

"لوگوں کو قرآنِ کریم کا واسطہ دے کر، جنگ پر آمادہ کرو!"

یہ فرما کر انہوں نے ہودج سے اپنا دستِ مبارک باہر نکالا، اور قرآنِ کریم، حضرت کعب کی طرف بڑھا دیا۔ حضرت کعب قرآن لینے کے لیے آگے بڑھے ہی تھے کہ بجلی کی تیزی سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا، اور حضرت کعب کے سینہ پر صفا میں پیوست ہو گیا، وہ لڑکھڑا کر گرے اور وہیں شہید ہو گئے۔

اسماء یہ حال دیکھ کر فوراً اپنی سانڈنی سے اُتری اور امّ المومنین کے ہودج کے قریب پہنچی، تیروں کی بارش جاری تھی، اور اُم المومنین کے ہودج سے تیر ٹکرا ٹکرا کر واپس جا رہے تھے۔

اسماء نے ہودج پر چڑھنے کا ارادہ کیا، لیکن ایک شخص نے بہ زور اسے اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی، وہ سمجھ گئی ایسا کیوں ہوا؟ اُس نے فوراً مردانہ لباس اُتار دیا، اور اُمّ المومنین کو آواز دی، انہوں نے اسماء کی آواز پہچان لی، اور اُسے ہودج کے اندر بلا لیا۔

ام المومنین نے اسماء کو دیکھ کر اظہارِ حیرت فرمایا۔ اسماء نے اُن کے قدم مبارک پر سر رکھ دیا اور رو رو کر عرض کرنے لگی:۔

طلحہ تھے، اسماء کو سخت حیرت ہوئی، کہ مروان نے اپنے لشکر کے ایک سردار اور بزرگ شخص پر بزدلانہ وار کیا!

آخر اس حرکت کی وجہ اس کی سمجھ میں آگئی۔

اس نے سوچا، مروان نے یہ حرکت اس لیے کی ہے کہ حضرت علی کے بعد خلافت کی دو ہی اُمیدوار میدان میں رہ جائیں گے، طلحہ اور زبیر ان دونوں بزرگوں کی موجودگی اور زندگی میں امیر معاویہ منصب خلافت پر فائز نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا جنگ کی اس افراتفری کے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر اس نے حضرت طلحہ کو میدان سے گویا ہٹا دیا۔ یہ حضرت زبیر ان پر بھی اگر موقعہ پائے گا تو ضرور حملہ کرے گا، اور پھر خود بخود خلافت کا میدان امیر معاویہ کے لیے صاف ہو جائے گا۔"

اسماء یہ دل خراش اور جگر سوز مناظر دیکھتی ہوئی، دلیری اور جرأت کے ساتھ برابر آگے بڑھتی رہی، یہاں تک کہ وہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کے لشکر میں داخل ہو گئی، اب وہ سیدھی اُمّ المومنین کے خیمہ کی طرف بڑھی۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ خیمہ خالی پڑا ہے، سامنے نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک اونٹ کے گرد ہزاروں عقیدت مندوں کا مجمع دیکھا، وہ سمجھ گئی ضرور اس کے ہودج میں اُمّ المومنین رونق افروز ہیں، وہ اپنی بدقسمتی پر ہاتھ ملتی رہ گئی، کہ ام المومنین کی خدمت میں بر وقت نہ حاضر ہو سکی، اور اب ایسے وقت پہنچی ہے کہ کسی طرح کی بات چیت نہیں ہو سکتی۔

پھر بھی وہ ہمت کر کے ام المومنین کے اونٹ کی طرف بڑھی، ابھی وہ اونٹ تک نہ پہنچی تھی کہ اس نے بے تحاشا ایک شخص کو اونٹ بھگا کر، جنگ کے میدان سے نکلتے دیکھا! اس نے غور سے دیکھا تو یہ حضرت زبیر تھے۔

اُم المومنین !

حکم دیجیے کہ جنگ ختم کر دی جائے، مسلمان آپ کی اولاد ہیں، آپ ان کی ماں ہیں، اگر آپ بھی ان پر رحم نہ کریں گی تو اور کون کرے گا؟ کیا ماں سے بڑھ کر بھی کوئی اولاد کو چاہتا اور پیار کرتا ہے؟ ماں ہی ہے جو ہر قیمت پر اپنی اولاد کو ہلاکت، تباہی اور قتل سے بچانے کی کوشش کرتی ہے۔

اُم المومنین !

دیکھیے دیکھیے یہ بے گور و کفن نعشیں کن لوگوں کی ہیں؟ یہ آپ کے بچوں کی لاشیں ہیں، یہ اُن لوگوں کی لاشیں ہیں جو ایک خدا کو مانتے ہیں، اُس کے آخری رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں جن کے دلوں میں اسلام گھر کر چکا ہے جو سچے دل سے اسلام کے پرستار ہیں۔

اُم المومنین ———!

اب تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی میدان جنگ سے تشریف لے جا چکے ہیں، اب آپ حکم دیں کہ یہ جنگ ختم کر دی جائے ———!

******

باب (۵۸)

حضرت علیؓ کا اعلان

اُم المومنین حضرت عائشہؓ اسماء کی باتیں بڑے غور اور توجہ سے سُن رہی تھیں، اگرچہ جنگ شدت اور تیزی سے جاری تھی، تیروں کی بارش بدستور ہو رہی تھی، حضرت علیؓ کا لشکر برابر آگے بڑھ رہا تھا، لیکن ان حالات سے کچھ دیر کے لیے غافل ہو کر انہوں نے فرمایا:۔

"اسماء تم حالات سے ناواقف ہو؟

اسماء:۔

"میں سب کچھ جانتی ہوں، اُم المومنین۔

اُم المومنین:۔ تمہیں شاید معلوم نہیں ہم نے علیؓ سے صلح کر لی تھی اور اس صلح پر قائم تھے۔ لیکن بغیر کسی وجہ اور سبب کے کوئی اطلاع پہلے سے دیے بغیر آج علیؓ کے لشکر نے حملہ کر دیا، نہیں معلوم ایسا کیوں کیا؟ لیکن جب لڑائی چھیڑ دی جائے تو اسے کس طرح ٹالا جا سکتا ہے؟

اسماء:۔ ام المومنین بالکل یہی بات حضرت علیؓ کے لشکر کے لوگ کہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ:۔ وہ کیا کہتے ہیں؟

اسماء:۔ وہ کہتے ہیں صلح ہو چکی تھی، اور اس صلح پر ہم قائم تھے، لیکن نہ جانے

کیوں آج صبح یک بیک حضرت عائشہؓ کے لشکر نے حملہ کر دیا جب حملہ شروع ہو جائے اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو جائے تو اس کا جواب پھر تلوار کے سوا کس چیز سے دیا جا سکتا ہے!

حضرت عائشہؓ:۔ یہ غلط ہے ہماری طرف سے کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی ہم نے برابر صلح پر قائم رہنے کی کوشش کی، پورے اخلاص اور صداقت کے ساتھ۔

اسماء:۔ میں جانتی ہوں یہ کن لوگوں کی حرکت ہے، کن لوگوں نے پانی کی طرح مسلمانوں کا خون بہانے کی سازش کی ہے؟

حضرت عائشہؓ:۔ بتاؤ وہ کون لوگ ہیں؟

اسماءؓ:۔ مفسد اور منافق ــــــــ یہ کارروائی ان لوگوں کی ہے جو منافق ہیں جو اسلام کی سربلندی سے خفا ہیں، جو نہیں چاہتے کہ مسلمان پھلیں پھولیں، اسلام پروان چڑھے، اور اس کے حدود وسیع ہوں۔ اُم المومنین اب بھی وقت ہے موقع ہے، آپ کے ایک اشارہ پر جنگ رُک سکتی ہے!

حضرت عائشہؓ:۔ اب صلح کا وقت گذر چکا، اب ہر کوشش رائیگاں ہے اب کچھ نہیں ہو سکتا، جو کچھ ہونے والا تھا، وہ ہو رہا ہے، اور ہوگا!

اب اسماء خاموش ہو گئی، اس کے سوا اور چارۂ کار بھی اس کے لیے کیا تھا!

یکایک ہودج کے قریب زیادہ شور برپا ہوا، اسماء نے جھانک کر دیکھا، تو محسوس کیا، حالات تیزی سے بدل رہے ہیں حضرت علیؓ کی فوج آگے بڑھ رہی ہے اور اُم المومنین کے لشکری پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ایک گروہ اس طرف آگیا ہے! اور وہ ان لوگوں سے دست بدست لڑائی میں مصروف ہے، جو اُمّ المومنین کے ناقہ کی حفاظت کر رہے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کے کانوں میں حضرت علیؓ کی آواز گونجی۔

آپ اپنے سپاہیوں سے فرما رہے تھے۔
ام المومنین کے ناقہ کی کونچیں کاٹ دو، تاکہ مجمع منتشر ہو جائے، اور جنگ کی بھڑکتی ہوئی آگ فرو ہو جائے۔!

دفعتہً اسماء نے محسوس کیا کہ اونٹ گر پڑا، اُس نے پھر ہودج سے منہ نکال کر دیکھا تو حضرت علیؓ کو قریب کھڑے ہوئے پایا، وہ اپنے سردارانِ سپاہ کو ہدایت دے رہے تھے کہ،۔

"سارے لشکر میں اعلان کر دو کہ ہماری فوج کا کوئی آدمی کسی ایسے آدمی کا تعاقب نہ کرے، جو میدانِ جنگ چھوڑ کر جا رہا ہو، نہ وہ کسی مجروح کو ہلاک کرنے کی سعی و کوشش کرے، نہ کسی کے گھر میں داخل ہو کر مالی اور جانی نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے۔!

******

باب (۵۹)

حضرت عائشہؓ کا احترام

اب جنگ عملاً ختم ہو چکی تھی، حضرت علیؓ نے اپنے سردارانِ سپاہ کو جو حکم دیا تھا۔ اس کی پوری پوری تعمیل ہوئی، پھر انہوں نے اپنے لشکر کے آدمیوں کو حکم دیا۔

اُم المومنین کا ہودج کسی محفوظ مقام پر رکھ دو۔

اِس حکم کی فوری طور پر تعمیل ہوئی، فوراً ہودج اونٹ سے اُتار لیا گیا، اور ایک محفوظ مقام پر رکھ دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت علی نے محمد بن ابی بکر سے فرمایا:۔

ہودج کے چاروں طرف پردہ کرادو اور جاؤ معلوم کرو، اُم المومنین کو کہیں چوٹ تو نہیں آئی ہے؟

اسماء ہودج میں بیٹھی بڑی توجہ سے امیرالمومنین کی باتیں سن رہی تھی، جب اس نے محمد کا نام سُنا تو خوش ہوگئی، اور معلوم ہوگیا کہ وہ یہیں ہے۔

محمد نے فوراً ہی امیرالمومنین کے احکام کی تعمیل کی، پردہ گرایا، اور ہودج کے پاس امّ المومنین اور اپنی خواہر محترمہ، حضرت عائشہؓ کے قریب کھڑا ہوگیا۔

ام المومنین نے دریافت فرمایا:"کون ہے؟"

محمد بن ابی بکرؓ:"آپ کا بھائی محمد بن ابی بکرؓ"

حضرت عائشہ ؓ:۔ خدا کا شکر ہے کہ تم محفوظ رہے۔
محمد بن ابی بکر :۔ میں یہ دریافت کرنے حاضر ہوا تھا کہ آپ تو بعافیت ہیں۔؟
حضرت عائشہ :۔ ہاں خدا کا شکر ہے، بخیریت ہوں۔
محمد ادب سے پیچھے ہٹ گیا، پھر اُس نے اسماء سے اشارتاً کہا کہ وہ بھی ہودج سے اُتر آئے۔

اتنے میں امیر المومنین حضرت علیؓ ہودج کے قریب تشریف لائے۔ اور نہایت ادب واحترام کے ساتھ دریافت فرمایا:۔
"ام المومنین ؓ میں آپ کی صحت وعافیت دریافت کرنے حاضر ہوا ہوں؛
حضرت عائشہ ؓ :۔ اللہ کا شکر ہے۔
حضرت علی ؓ:۔ میری دعا ہے کہ خدا آپ پر اپنی رحمت نازل کرے۔
حضرت عائشہ ؓ:۔ یہی دعا میں تمہارے لیے بھی کرتی ہوں۔
پھر حضرت علی ؓ نے محمد کو حکم دیا:۔ تم ام المومنین کو بصرے لے جاؤ تاکہ وہ وہاں چند روز آرام فرمائیں۔ پھر جہاں وہ رہنا چاہیں گی تشریف لے جائیں گی!
یکایک امیر المومنین کی نظر اسماء پر پڑی اُسے دیکھ کر انہوں نے فرمایا:۔
حضرت علی:۔ ایسے اسماء تو!______ کہاں تھی اب تک!
حضرت عائشہ ؓ:۔
"یہ لڑکی اسماء نہایت ذکی اور فہیم، اور بہت زیادہ حق پسند اور پرجوش مسلمان ہے، میں نے آج تک اتنی غیرت مند اور حمیت پسند لڑکی کوئی اور نہیں دیکھی۔ یہ عین اس وقت میرے پاس آئی، جب میدانِ کارزار گرم تھا۔ تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ یہ میرے پاس آئی، اور اس نے بڑی منت سے مجھ سے التماس کی کہ لڑائی بند کردی جائے۔ مسلمانوں

کو ہلاکت سے بچایا جائے، اُس نے تمہاری بے گناہی پر بھی بہت زیادہ زور دیا، اور اس تقریر کا حوالہ دیا، جو تم نے حجرۂ نبوی میں کی تھی اسماء نے اپنی توصیف سُن کر شرم سے گردن جھکالی، حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا:-

"بلاشبہ یہ بڑی قابلِ قدر لڑکی ہے! پھر اسماء سے فرمایا:-

"آؤ بیٹی میرے ساتھ آؤ!

یہ کہہ کر حضرت علیؓ آگے بڑھے۔ اور اسماء ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی، یہاں سے نکل کر حضرت علیؓ نے زخمیوں کو اُٹھانے، ان کی مرہم پٹی کرنے اُنہیں آسایش پہنچانے اور مُردوں کو دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا:-

اسماء نے حضرت علیؓ کو اثنائے راہ میں مروان کی اس حرکت سے باخبر کر دیا۔ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر کے واقعات سے بھی آگاہ کر دیا، ان واقعات کو سن کر حضرت علیؓ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا:-

تمام فتنہ وفساد کی جڑ صرف مروان، ہی ہے، اسی نے لوگوں کو مبتلائے فریب کیا، اور یہی ایک شخص ہے جس نے ساری ملت اسلامیہ کو ایک فتنہ میں مبتلا کر رکھا ہے!

حضرت علیؓ باتیں کرتے ہوئے تشریف لیے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص ملا۔ اور اس نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے انتقال کی خبر سُنائی، یہ خبر سُن کر آپؓ اشک بار ہوگئے۔ اور آپ نے بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا:-

"کاش یہ حادثہ وقوع میں نہ آیا ہوتا۔ لیکن اللہ کی مرضی۔!

اناللہ وانا الیہ راجعون ——!

لشکر کے تمام ضروری کاموں سے فراغت کے بعد، حضرت علی بصرہ کی طرف روانہ ہوئے، اسماء بھی ان کے ساتھ تھی بصرے میں آپ اس مکان میں ٹھہرے، جو مسجد سے بالکل متصل تھا، کیونکہ یہیں آپ کے اہل و عیال ٹھہرے ہوئے تھے، اسماء کو آپ نے زنان خانہ میں بھیج دیا، یہاں آ کر وہ بڑی گرم جوشی اور عقیدت و محبت کے ساتھ سب سے ملی، گھر کی خواتین بھی اِس سے مل کر بہت مسرور ہوئیں ۔

******

باب (۶۰)

حدیثِ محبّت

اسماء کئی روز تک حضرت علی کی دولت سرا پر مقیم رہی، لیکن اس اثنا میں ایک مرتبہ بھی محمد اس سے ملنے نہیں آیا۔ آخر جب وہ کسی طرح نظر نہ آیا تو اس نے خود ارادہ کیا کہ اُم المومنین کی قیام گاہ پر جائے اور اس سے ملے، چنانچہ وہ حضرت علی کے پاس پہنچی اور ان سے یہ کہہ کر جانے کی اجازت لی کہ وہ اُم المومنین سے ملنا چاہتی ہے کیونکہ کئی دن ہو گئے وہ ان کی خدمت میں نہیں حاضر ہو سکی۔ حضرت علی نے بے تامل یہ درخواست قبول کر لی اور اسے اجازت دے دی کہ چلی جائے۔

اسماء سیدھی اُم المومنین کے در دولت پر پہنچی، وہاں اس کی محمد سے بھی ملاقات ہوئی۔ محمد نے حسبِ معمول خلوص اور محبت کی باتیں شروع کیں لیکن اسماءً روٹھی ہوئی تھی، اس نے کہا:۔

اسماء: جانے دیجیے اپنی باتیں، آپ کو اور آپ کی محبت کو دیکھ لیا۔

محمد بن ابی بکر: کیوں؟ کیا کمی پائی میری محبت میں؟

اسماء: کمی کیوں زیادتی ہی زیادتی پائی، بھلا آپ میں کوئی کمی پائی جا سکتی ہے؟

محمد بن ابی بکر: یہ طنز کی باتیں رہنے دو، بتاؤ کیا شکایت ہے تمہیں مجھ سے؟ میری محبت کیوں مشکوک ہوگئی ہے تمہاری نظر میں؟ مجھ سے خفا کیوں ہوگئی ہو تم؟

اسماء: میں زخمی ہوئی، بیمار پڑی، ایک غیر جگہ یعنی ایک کلیسا میں مجھے مرہم پٹی اور علاج کے سلسلہ میں رہنا پڑا، لیکن آپ کو تو یہ توفیق بھی نہ ہوئی کہ آتے، میری خیریت دریافت کرتے، میری خبر لیتے ـــــ اور پھر بھی آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی محبت پر اعتماد کرتی رہوں؟

محمد بن ابی بکر: اسماء! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟

اسماء: داستان سنا رہی ہوں ایک بے مزہ سی داستان!

محمد بن ابی بکر: بخدا مجھے ان میں سے کسی بات کا علم نہیں، نہ تمہارے زخمی ہونے کا، نہ تمہارے بیمار پڑنے، نہ تمہارے کلیسا میں مقیم ہونے کا۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ تم بصرہ میں ہو اور اُم المومنین کے ہاں مقیم!

اسماء: بہت خوب! کیا مسعود نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟

محمد بن ابی بکر: وہ مجھے کہاں سے بتاتا؟ کیا آدمی ایک دوسرے سے دور رہ کر بھی بات چیت کر سکتا اور حالات بتا سکتا ہے؟

اسماء (حیران ہوکر) کیا وہ تمہارے پاس نہیں پہنچا؟

محمد بن ابی بکر: قطعاً نہیں ـــــ تمہارے پاس اسے نہ دیکھ کر میں متعجب ضرور ہوا تھا، لیکن یہ خیال کرکے خاموش ہو رہا کہ بصرہ میں ہوگا کہیں۔

آخر یہ ماجرا کیا ہے؟

اسماء : میں کیا بتاؤں میری عقل خود حیران ہے ـــــ آخر وہ کہاں گیا؟ کسی نے کہیں غریب کو مار تو نہیں ڈالا؟ اسے تو میرے پاس سے گئے ہوئے بہت دن ہو چکے ہیں، عجب معاملہ ہے۔

محمد بن ابی بکر : بے حد عجیب! واقعی کہیں ایسا نہ ہوا ہو کہ راہ میں کسی نے اسے ہلاک کر دیا ہو؟

اسماء : خدا نہ کرے، بیچارہ بہت اچھا آدمی ہے۔ بے حد وفادار اور ہمدرد!

محمد بن ابی بکر : یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن اب اسے ڈھونڈا کہاں جائے؟

اسماء : کچھ بھی ہو، اسے تلاش کرو!

محمد بن ابی بکر : اچھا خیر، اس کی تلاش ہوتی رہے گی، یہ تو بتاؤ اب تمہارا ارادہ کیا ہے؟

اسماء : میرا ارادہ کیا ہوگا؟ میں نہیں سمجھی اس سوال کا مطلب!

محمد بن ابی بکر : تم نے یہ شرط لگائی تھی کہ جب تک فتنہ وفساد ختم نہ ہو جائے، جب تک حضرت علی کامیاب نہ ہو جائیں، جب تک امن وامان بحال نہ ہو جائے، تم میری نہیں بن سکو گی، لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ امن وامان کی کارفرمائی ہے، اب تمہیں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے، یہ جدائی کے دن نہیں برداشت ہوتے، یہ فراق کی گھڑیاں کاٹے نہیں کٹتیں، یہ من و تو کی تفریق کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا میرا دل!

اسماء یہ باتیں سن کر شرما گئی۔

اسمار: چھوڑیے بھی ان باتوں کو، کچھ اور باتیں کیجئے۔

محمد بن ابی بکر: واہ، جن باتوں سے زندگی وابستہ ہے انہیں چھوڑ دوں، پھر کہوں کیا؟

اسمار: (مسکرا کر) کہانی... اور پھر وہ ہنس دی۔

محمد بن ابی بکر: خدا کے لیے رحم کرو، مجھے زیادہ پریشان نہ کرو، ویسے بھی میں نے کم پریشانیاں نہیں جھیلی ہیں۔

اسمار: جی ہاں، آپ کو اپنی پریشانیاں تو خوب یاد ہیں، دوسروں کی پریشانیوں کا خیال بھی نہیں۔

محمد بن ابی بکر: کیوں نہیں ہے، بہت ہے!

اسمار: (مسکرا کر) صرف بہت نہ کہیے، بہت زیادہ کہیے!

محمد بن ابی بکر: پھر وہی شوخی، ارے بھئی ان باتوں کے لیے زندگی پڑی ہے، پہلے حرفِ مدّعا زبان پر آنے دو، پہلے کام کی بات سنو، پھر دل بھر کے یہ شوخیاں کرتی رہنا... ہاں بتاؤ پھر کیا کہتی ہو تم؟

اسمار: ابھی تو میں ذرا شام کی طرف جا رہی ہوں، وہاں سے واپس آؤں تب اطمینان سے باتیں ہوں گی۔

محمد بن ابی بکر: شام میں کیا کام ہے تمہیں؟

اسمار: بہت ضروری کام ہے۔ ایسا کام جو میرے لیے زندگی اور موت کے سوال سے کم اہم نہیں ہے۔

محمد بن ابی بکر: آخر وہ کیا کام ہے، کچھ بتاؤ تو؟

اسمار نے بڑے پادری سے اپنے یزید، مریم اور نامعلوم باپ کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، سب بیان کر دیا۔ ان واقعات کو سن کر محمد نے کہا۔

ہاں ٹھیک ہے، معقول بات ہے۔ تمہارے اس ارادہ میں میں مزاحم نہیں ہونا چاہتا۔ ضرور جاؤ، لیکن خدا کے لیے جلد جاؤ اور جلد تر آؤ۔ اب یہ زندگی تمہارے بغیر میرے لیے وبال بن گئی ہے۔

اسماء: پھر وہی بے سروپا قسم کی باتیں آپ نے شروع کر دیں!

محمد بن ابی بکر: جی ہاں ــــــــ

کب تک آجاؤ گی؟

اسماء: (تاثر کے ساتھ) بہت جلد... کیا تم سمجھتے ہو مجھے یہ جدائی کی زندگی مرغوب ہے؟

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں، لیکن محمد کا دل رکھنے کے لیے وہ مسکرا دی۔ وہ مسکرا رہی تھی اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

باب (۶۱)

حضرت عائشہؓ کی تقریر

اختتامِ جنگ کے بعد چند روز تک حضرت عائشہ بصرہ میں مقیم رہیں۔ حضرت علی نے ان کے ادب واحترام اور آرام وآسائش کا پورا پورا لحاظ رکھا اور انہیں کسی طرح کی تکلیف نہیں ہونے دی۔ پھر انہوں نے مدینہ منورہ جانے کا عزم فرمایا۔ حضرت علی نے فوراً سامان درست کرا دیا اور طے کر دیا کہ بصرہ سے ساٹھ عورتیں اور بہت سے لوگ اُم المومنین کے جلو میں جائیں۔ جب سامانِ سفر تیار ہو گیا تو حضرت علی انہیں رخصت کرنے تشریف لائے۔ حضرت عائشہ ان کے آنے کے بعد اونٹ پر سوار ہوئیں۔ جب ہودج میں بیٹھ لیں تو انہوں نے حاضرین کو مخاطب کر کے ایک پُراثر تقریر فرمائی۔ اُم المومنین کو رخصت کرنے کے لیے ایک اژدہام کثیر اس وقت مجتمع ہو گیا تھا۔ حضرت عائشہ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

مسلمانو!

تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو، اسلام نے تم سب کو حقیقی بھائی کی مانند بنا دیا ہے، اس لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے عداوت رکھیں۔ مجھ سے اور علی سے نہ کسی طرح کی خصومت اور عداوت اب ہے نہ پہلے تھی۔ میں انہیں اس وقت تمام مسلمانوں سے بہتر اور برتر تصور کرتی ہوں۔ ہم میں کچھ اختلاف رائے تھا وہ بھی بدنیتی پر مبنی نہ تھا۔ بہرحال اب گزشتہ باتوں کو یاد کرنا قرین دانش نہیں۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب کوشش اس کی ہونی چاہیے کہ مسلمان بھائیوں کی طرح رہیں، اپنے اختلافات کو اس حد تک نہ بڑھنے دیں کہ معاملہ خوں ریزی اور جنگ و جدال تک پہنچ جائے!

باب (۶۲)

حضرت علی کا خطبہ

حضرت عائشہ کی اس پُراثر تقریر سے حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ بہت سے لوگ اشکبار نظر آ رہے تھے۔ اس تقریر میں صداقت تھی، سچائی تھی، وقار تھا، بزرگی تھی، عظمت تھی! اس تقریر کے بعد حضرت علی اٹھے اور انہوں نے ایک تقریر فرمائی۔

حضرت علی نے اپنی تقریر کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے حمد و نعت کے بعد فرمایا:۔

مسلمانو!

تم نے اُم المومنین کی تقریر سُن لی۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ درست ہے اور حقیقت پر مبنی ہے۔ نہ مجھے ان کی ذاتِ گرامی سے کسی طرح کی عداوت تھی، نہ انہیں مجھ سے کسی طرح کی خصومت تھی۔ جو کچھ ہوا، یہ منافقوں کے نفاق اور شرارت کا

نتیجہ تھا۔ بلاشبہ اُم المومنین ہم سب مسلمانوں کی ماں کا درجہ رکھتی ہیں وہ واجب التعظیم اور واجب الاحترام شخصیت کی حامل ہیں۔ آپ دنیا میں آں حضرتؐ کی اہلیہ محترمہ تھیں اور آخرت میں بھی یہ شرف آپ کو حاصل ہوگا۔ بہرحال جیسا کہ اُم المومنین نے فرمایا، پچھلی باتوں کو اب نہ یاد کرنا ہی اولیٰ و انسب ہے۔ اب ہم سب کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ بھائیوں کی طرح رہیں اور اپنے اتحاد سے اسلام کو مضبوط کریں!

•

اس تقریر کا حاضرین پر بہت اچھا اثر پڑا۔

حضرت عائشہ جب تشریف لے جانے لگیں تو حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا "تم بھی اُم المومنین کے ساتھ جاؤ تاکہ راستہ میں انہیں کسی طرح کی زحمت نہ ہو!"

محمد نے اس حکم کی دل و جان سے تعمیل کی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

اسماء ابھی تک شام کے سفر پر روانہ نہیں ہوئی تھی۔ اس موقع پر وہ بھی موجود تھی، وہ محمد کو اس وقت تک ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کی پاک محبت اب اس منزل پر پہنچ چکی تھی جہاں سے من و تو کے تفرقے ختم ہو جاتے ہیں۔

•

باب (٦٣)

عمرو بن العاصؓ

تخت خلافت پر حضرت علی کے متمکن ہونے کے بعد شام کے ایوانِ امارت میں تہلکہ مچ گیا۔ امیر معاویہ باقاعدہ جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ شام میں انہوں نے حضرت علی کے خلاف عام فضا پیدا کردی تھی حضرت عثمان کا خون آلود پیرہن اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں برابر حاضرین کے سامنے مسجد میں پیش کی جاتی تھیں اور ان کا جذبۂ انتقام برانگیختہ کیا جاتا تھا۔ تاکہ وہ قصاص کے لیے تیار ہو جائیں اور اس مقصد کے لیے جو لڑائی لڑی جائے اس میں جان و دل سے حصہ لیں۔

جب شام میں جنگ کی تیاریاں پورے طور پر مکمل ہو گئیں تو حضرت علی کو امیر معاویہ کی طرف سے ایک خط ملا۔ اس خط کی حیثیت درحقیقت ایک قسم کے الٹی میٹم کی تھی۔ حضرت علی نے اس الٹی میٹم کو قبول کرلیا اور خود بھی جنگی تیاریاں کرنے لگے۔

لیکن امیر معاویہ پورے طور پر عسکری تیاریوں کے باوجود اب تک حملہ کرنے کی اور لڑائی چھیڑنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ان کے تامل کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ دو جلیل القدر صحابی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر ابھی موجود تھے اور جب تک یہ زندہ تھے کسی طرح بھی یہ ممکن نہ تھا کہ لوگ انہیں چھوڑ کر امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے، لیکن مروان کی ہوشیاری اور چالاکی نے اس خطرہ کا خاتمہ کر دیا، یعنی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر شہید ہو گئے۔ ادھر سے مطمئن ہو جانے کے بعد اب امیر معاویہ کو فکر یہ تھی کہ دیکھیں حضرت علی اور حضرت عائشہ کے مابین معاملات کیا صورت اختیار کرتے ہیں چنانچہ جنگِ جمل کے نتیجہ کا انتظار کسی کو اتنا زیادہ نہیں تھا جتنا امیر معاویہ کو، اور جب یہ جنگ اختتام کو پہنچی اور حضرت عائشہ اور حضرت علی کے مابین صفائی ہو گئی تو اب امیر معاویہ اور زیادہ یکسو ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ جنگِ جمل نے جو عام تاثرات قصاص عثمان کے بارے میں پیدا کر دیے ہیں، وہ اس صلح صفائی کے بعد بھی قائم رہیں گے اور حسب موقع ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے گا۔

چنانچہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی شہادت اور جنگِ جمل کے اختتام کا حال معلوم کرنے کے بعد امیر معاویہ نے علانیہ طور پر جنگ و پیکار کی تیاریاں شروع کر دیں۔ انہوں نے فوجوں کو آراستہ کیا اور لڑائی پر مستعد ہو گئے کیونکہ اب کوئی ایسا شخص میدان میں موجود نہ تھا جس سے انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی خطرہ ہو۔

اس موقع پر عمرو بن العاص کا ذکر کرنا ضروری ہے!

حضرت عثمان کے زمانہ میں بھی یہ مصر کے گورنر تھے لیکن انہوں نے

ان کو معزول کر دیا اور اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو مصر کا گورنر بنا دیا۔
عمرو بن العاص نے خالد بن ولید کی طرح استقلال و عزیمت کے ساتھ یہ صورت حال نہیں برداشت کی۔ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے۔ مصر فتح بھی انہی نے کیا تھا۔ بڑے بڑے جنگی معرکوں میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ اب جو وہ بغیر کسی وجہ کے برطرف کیے گئے تو یہ بات انہیں کھل گئی اور وہ ان لوگوں کے شریک کار بن گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے۔ مصر سے جو وفد عبداللہ بن سعد کی معزولی اور برطرفی کا مطالبہ کرنے مدینہ آیا تھا اس میں بھی عمرو بن العاصؓ شریک تھے۔

لیکن جب ہنگامہ آرائی اور شورش زیادہ بڑھی تو انہوں نے عافیت اسی میں دیکھی کہ کسی مقام پر خاموشی سے بیٹھ کر حالات کا مشاہدہ کریں اور نتائج کا انتظار کریں چنانچہ وہ فلسطین چلے آئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔

پھر جب حضرت عثمان شہید کر دیے گئے تو وہ اس کا انتظار کرنے لگے کہ اب خلیفہ کون منتخب ہوتا ہے؟ وہ خلافت کے لیے حضرت طلحہؓ کو حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ کے مقابلہ میں زیادہ موزوں اور اہل سمجھتے تھے لیکن جب انہیں یہ اطلاع ملی کہ حضرت طلحہؓ تو شہید ہو گئے اور خلافت حضرت علی کے ہاتھ میں آ گئی تو وہ بہت پریشان ہوئے، لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ امیر معاویہ نے نہ صرف یہ کہ بیعت نہیں کی ہے بلکہ جنگ و پیکار کی تیاریاں کر رہے ہیں تو وہ مطمئن ہو گئے اور اپنے دونوں بیٹوں محمد اور عبداللہ کو ساتھ لے کر دمشق چلے آئے اور شام کے لوگوں میں قتل عثمانؓ کے خلاف جذبہ اور جوش پیدا کرنے لگے۔

باب (۶۴)

اسماء اور امیر معاویہ

محمد کے چلے جانے کے بعد اسماء سیدھی دمشق پہنچی۔ اپنے خادم کو اس نے ہدایت دی کہ وہ سرائے میں جا کر ٹھہرے اور خود کلیسائے یوحنا میں قیس برقی سے ملاقات کرنے اور اپنے باپ کا حال دریافت کرنے چلی گئی۔

شام پر مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے یہ بہت بڑا کلیسا تھا۔ دمشق میں مسلمان جب داخل ہوئے تو نصف حصہ پر صلح کے ذریعہ اور نصف پر زور و قوت سے انہوں نے قبضہ کیا۔ اس کلیسا میں بھی دو طرف سے مسلمان فوجیں داخل ہوئیں۔ ایک فوج وہ تھی جو بڑھی چلی آ رہی تھی اور فتح اس کے قدم چوم رہی تھی، دوسری وہ تھی جو صلح کر کے آئی تھی اور اصول صلح کو قائم رکھنے پر مُصر تھی جو فوج فاتحانہ طور پر داخل ہوئی تھی اسے صلح کا علم یہاں پہنچ کر ہوا، چنانچہ اس نے بھی فوراً صلح کر لی اور پھر کسی عیسائی پر حملہ نہیں کیا۔ چنانچہ اس کلیسا کا نصف حصہ جو فاتح فوج کے قبضے میں تھا مسجد بنا

لیا گیا اور باقی نصف بدستور گرجا رہنے دیا گیا۔

اسماء اس گرجا میں داخل ہوئی۔ دربان ایک رومی نژاد شخص تھا اُس سے رومی زبان میں باتیں کرنے میں اسماء کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی کیونکہ یہ زبان خود اس کی بھی مادری زبان تھی۔ دربان سے اس نے کہا:۔

قیس مرقس کو اطلاع کردو کہ ایک مسلمان عورت آپ سے ملنے کی آرزو لے کر آئی ہے۔

دربان نے کہا: قیس تو تشریف نہیں رکھتے لیکن میں اطلاع کیے دیتا ہوں۔

تھوڑی دیر میں خادم واپس آیا اور اس نے کہا:

"آیئے اندر تشریف لایئے!"

اسماء اندر داخل ہوئی اور اس کمرہ میں پہنچی جہاں عام طور پر قیس مرقس اپنی مجلسیں منعقد کیا کرتا تھا۔ لیکن اس وقت مرقس کے بجائے اس کا بیٹا شماس بیٹھا تھا۔ شماس نے اسماء کو بڑے احترام اور اعزاز کے ساتھ بٹھایا اور کہا۔

افسوس ہے کہ والد یہاں تشریف نہیں رکھتے، وہ کئی روز سے بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں۔

یہ سن کر اسماء کا خون خشک ہوگیا۔ اسے اپنی محنت اکارت ہوتی معلوم ہوئی۔ پھر بھی اس نے دل بہلانے کے لیے پوچھا۔

"وہ کب تک تشریف لے آئیں گے، مجھے انہی سے ملنا ہے۔

شماس: وہ بیت المقدس کسی کام سے نہیں گئے ہیں۔ آرام کے لیے گئے ہیں۔ یہاں ان کی صحت پر ہر روز کے شور و غوغا سے بہت برا اثر پڑ رہا تھا، اس لیے وہ بیت المقدس تشریف لے گئے۔

اسماء: یہ تو بڑی پُرسکون جگہ ہے، یہاں شور اور شور کے ساتھ بیماری

کی شکایت سمجھ میں نہیں آئی؟

شماس: آپ کو شاید نہیں معلوم کہ حضرت عثمان قتل کر دیے گئے، ان کا خون آلود پیراہن اس مسجد میں نمائش کے لیے رکھا گیا اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں بھی! لوگ پانچوں وقت نماز کے بعد ان دونوں چیزوں کو دیکھتے اور روتے ہیں، پُرزور تقریریں کی جاتی ہیں اور انہیں خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔

یہ باتیں اسمار کو پہلے سے معلوم تھیں لہٰذا اس نے ان سے زیادہ دلچسپی نہیں لی۔

اسمار: جی ہاں! یہ تو ٹھیک ہے مگر یہ بتایئے قیس مرقس کے کب تک تشریف لانے کی توقع ہے؟ مجھے ان سے بہت ضروری کام ہے۔

شماس: یہ تو میں نہیں عرض کر سکتا کہ وہ کب تک آئیں گے، لیکن آپ یہاں ان کے آنے تک قیام فرمایئے۔ وہ بہرحال آئیں گے اور غالباً جلد ہی آئیں گے کیونکہ کچھ ضروری کام ایسے ہیں جو ان کے بغیر انجام نہیں پا سکتے۔

اسمار کو رضامند پاکر شماس نے ایک خادم کو بلایا اور اسے حکم دیا۔

"یہ ہماری بہت معزز مہمان ہیں! انہیں عزت اور احترام، آسائش اور راحت کے ساتھ ٹھہراؤ۔ اگر انہیں ذرا بھی شکایت پیدا ہوئی تو تمہاری خیریت نہیں!"

خادم اسمار کو اپنے ساتھ لے گیا اور ایک کمرہ میں لے جاکر ایک معمر خاتون کے حوالہ کر دیا جو اس گرجا میں نن کے طور پر رہتی تھی۔ اس خاتون نے اسمار کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کے ٹھہرنے کا بہت اچھی طرح بندوبست کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد اسمار ایک کھڑکی کے پاس جاکر بیٹھ گئی۔ اس کھڑکی کے بالکل سامنے مسجد کا صحن تھا، نظر ذرا اور بڑھایئے تو دمشق کے بہار اندر بہار

مناظر، دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچنے لگتے تھے۔ اسمار خاموشی سے بیٹھ کر ان مناظر سے لطف اندوز ہونے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد مسجد کے مینار سے صدائے اذاں بلند ہوئی اور پھر جوق در جوق لوگ آنا شروع ہوئے۔ ان آنے والوں میں صرف مرد ہی نہیں، بوڑھی عورتیں بھی تھیں؛ بچے بھی تھے، جوان مرد اور جوان عورتیں بھی تھیں۔

ذرا دیر میں مسجد آدمیوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ اتنے میں ایک شخص بہت سے آدمیوں کے حلقہ میں پیکرِ جاہ و جلال بنا داخل ہوا۔ اسمار سمجھ گئی، یہ شخص امیر معاویہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ امیر معاویہ کے ساتھ ساتھ عمرو بن العاص بھی تھے۔

نماز کے بعد امیر معاویہ منبر پر چڑھے، انہوں نے حاضرین کو حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیراہن دکھاتے ہوئے کہا:۔

"جانتے ہو یہ خون آلود پیراہن کس کا ہے؟ یہ خلیفہ مظلوم حضرت عثمانؓ کا پیراہن ہے جنہیں بے خطا قتل کر دیا گیا۔ یہ جناب نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں ہیں جو حضرت عثمانؓ کو قاتلوں کے وار سے بچاتے ہوئے کام آئیں۔ کیا یہ خون بالا بالا جائے گا؟ کیا مسلمان اس ظلم و جور کو برداشت کر لیں گے؟ کیا خونِ عثمانؓ کا قصاص نہیں لیا جائے گا؟"

ان الفاظ نے جادو کا اثر کیا، حاضرین جوش سے بے خود ہو گئے۔ ایک شور اور ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ بے تاب ہو کر چیخ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

"ہم انتقام لیں گے!"

"خونِ عثمانؓ رائگاں نہیں جا سکتا!"

اس کے بعد پھر امیر معاویہ نے ایک تقریر کی اور اس تقریر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے قاتلانِ عثمان کو پناہ دی اور ان کے ساتھ لطف و کرم کا برتاؤ کیا۔

اسماء یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ یہ باتیں سُن کر وہ ضبط نہ کر سکی اور فوراً مسجد کے صحن میں پہنچی۔ اس نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

مسلمانو!

امیرالمومنین علی پر جو الزامات امیر معاویہ کی طرف سے لگائے گئے ہیں، وہ غلط ہیں، ناانصافی پر مبنی ہیں۔ میں اس حقیقت کی شاہدِ عینی ہوں کہ حضرت علیؓ نے باغیوں اور مفسدوں کی دراندازیوں اور فساد انگیزیوں کو روکنے کی پوری کوشش کی۔ انہوں نے اپنے بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو حضرت عثمان کے گھر پر پہرا دینے کے لیے بھیجا اور یہ دونوں یہ خدمت انجام دیتے ہوئے زخمی ہوئے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے انہیں زخمی اور خون میں لت پت دیکھا ہے۔ اگر حضرت عثمانؓ نے خود آواز دے کر انہیں اپنے پاس سے واپس نہ بھیج دیا ہوتا تو کچھ بعید نہ تھا کہ وہ ان کی حفاظت کرتے کرتے ہلاک ہو جاتے۔ یہ میں مانتی ہوں کہ حضرت عثمانؓ ظلماً قتل کیے گئے اور جن لوگوں نے انہیں قتل کیا، وہ بڑے سفاک اور خطا شعار تھے، لیکن اس الزام سے حضرت علیؓ کا دامن بالکل پاک صاف ہے۔

اسماء کی تقریر حاضرینِ مسجد نے دم بخود ہو کر سنی۔ امیر معاویہ کو اس کی

باتیں سُن کر طیش آگیا۔ انہوں نے برہمی کے عالم میں پوچھا:۔

"یہ کون ہے جس نے ہماری تقریر میں مداخلت کی؟"

اسماء آگے بڑھی اور اس نے امیر معاویہ کو مخاطب کر کے کہا:۔

یا امیر...! اس جرم کا ارتکاب میں نے کیا ہے۔ میں ایک عورت ہوں اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہ سرتاسر حق و صداقت پر مبنی ہے!

امیر معاویہ کو اسماء کی اس دلیری اور بیباکی پر بڑی حیرت ہوئی، لیکن انہوں نے حکم دیا۔

"اسے گرفتار کر لیا جائے!"

یہ آواز فضا میں بلند ہی ہوئی تھی کہ اسماء گرفتار کر لی گئی اور اسی وقت قید خانہ میں بھیج دی گئی، لیکن نہ اس کے چہرے پر ہراس تھا نہ دہشت وہ پورے اطمینانِ خاطر کے ساتھ جیل خانہ کی طرف روانہ ہو گئی جیسے کوئی گھر کی طرف جاتا ہے۔

●

باب (۶۵)

پھر مروان!

یہ قید خانہ ایک قدیم عمارت میں تھا۔ اس کے ایک تنگ و تاریک کمرے میں اسماء بند کردی گئی۔ یہاں آنے کے بعد اسے افسوس ہوا کہ کاش اس جسارت کا اظہار اس نے قیس مرقس سے ملنے کے بعد کیا ہوتا بار بار اس کے دل میں خیال آتا تھا۔ وہ قیس پیر خاکی ہے' نہ جانے کب مرجائے، اگر وہ مرگیا تو پھر میرا اور میرے باپ کا راز قیامت تک منکشف نہ ہوسکے گا۔

رات کو بڑی دیر تک وہ ان ہی خیالاتِ پریشاں کے باعث سو نہ سکی، بہت دیر میں اسے نیند آئی۔ رات بھر ہولناک اور ڈراؤنے خواب دیکھتی رہی۔ صبح ہوتے ہوتے اس نے پھر ایک بھیانک خواب دیکھا۔ اس بھیانک خواب سے وہ چونک کر اُٹھ بیٹھی۔ آنکھیں ہتھیلیوں سے ملیں اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ یکایک اس کے کان میں یہ صدا گونجی۔

اسماء! نادانی سے کام نہ لو، ضد چھوڑ دو، معقولیت اختیار کرو۔ اب بھی

وقت ہے۔ اب بھی تم بچ سکتی ہو، تمہاری جان بچ سکتی ہے۔

یہ آواز سن کر اسمار مضبوط دل کی مالک ہونے کے باوجود کانپ گئی۔ اس نے دیکھا، مروان سامنے کھڑا ہے!

اسمار نے اسے دیکھا اور آنکھیں نیچی کر لیں۔

مروان: دیکھا اسمار تم نے خدا بچھڑوں کو یوں ملاتا ہے۔ آخر تم ہمارے پاس آگئیں۔ اسے کہتے ہیں دل کی کشش، ورنہ میں تو مایوس ہو چکا تھا۔

اسمار خاموش رہی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

مروان: اگر تم اب بھی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز آجاؤ تو سارے بگڑے کام بن سکتے ہیں۔ تم کس خیالِ خام میں مبتلا ہو اسمار! شاید تم سمجھتی ہو کہ محمد تمہیں مل جائے گا، وہ نہیں مل سکتا۔ اس کے لیے موت مقدر ہو چکی ہے۔

مروان کے یہ الفاظ تیر کی طرح اسمار کے قلب میں پیوست ہو گئے۔ اس نے ترکی بہ ترکی جواب دینا چاہا، اس نے مروان کا منہ نوچ لینا چاہا لیکن وہ بے بس تھی۔ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی، کچھ نہ کہہ سکی، کچھ نہ کر سکی۔ وہ مروان کی بے تکی باتوں کو جن میں شرارت اور خباثت بھری ہوئی تھی، خاموشی سے سنتی رہی، زبان سے ایک حرف بھی نہ نکالا۔

مروان نے اس کی خاموشی سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ اپنی پچھلی زبان درازیوں اور گستاخیوں پر نادم ہے۔ اب وہ اپنی غلطی محسوس کر رہی ہے، محمد کی محبت اس کے دل سے نکل چکی ہے اور مروان کا عشق اس کے قلبِ ویراں میں اپنا نشیمن بنا رہا ہے۔

مروان: اسمار بولو، جواب دو، سنو، میں کیا کہہ رہا ہوں؟

اسمار: سن رہی ہوں۔ جو کچھ آپ نے کہا سب میں نے سن لیا۔

مروان: پھر تمہاری رائے کیا ہے؟

اسماء: ایک بے بس قیدی کی رائے بھی کوئی چیز ہے؟

مروان: تم میرے محل کی مالک ہو، بے بس قیدی کہاں سے ہوگئیں۔ تمہاری ایک ہاں اس مصیبت کا خاتمہ کرسکتی ہے۔ کہہ دو ہاں، اور پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں؟

اسماء نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ داروغۂ زنداں آیا اور اس نے کہا:۔

"جناب امیر معاویہ نے اسماء کو یاد فرمایا ہے۔

یہ سنتے ہی اسماء کھڑی ہوگئی اور داروغۂ زنداں اور دوسرے سپاہیوں کے ساتھ دربار کی طرف روانہ ہوئی۔ مروان بھی ساتھ تھا اور بہت خوش تھا۔ اس کا خیال تھا چڑیا اب جال میں پھنس گئی ہے، لاکھ تڑپے، پھڑپھڑائے، لیکن کچھ نہیں کرسکتی، اسے رہائی نہیں حاصل ہوسکتی۔ رہائی کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ میری بن جائے۔

مروان کو یقین تھا کہ وہ امیر معاویہ سے یہ کہہ سن کر اسماء کو اپنے لیے حاصل کرلے گا، اور پھر عیش و تنعم کی زندگی بسر کرے گا!

باب (٦٦)

اسماء امیر معاویہ کے دربار میں

ایک عالی شان اور عالی مرتبت محل کے دروازے پر اسماء پہنچائی گئی یہاں سپاہی بدل گئے۔ جو لوگ اسے لے کر یہاں آئے تھے، وہ واپس چلے گئے اور نئے سپاہیوں نے اسے امیر معاویہ کے دربار میں پہنچا دیا۔ البتہ مروان سایہ کی طرح ساتھ تھا۔

امیر معاویہ ایک مسند کے صدر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ داہنی طرف عمرو بن العاص تشریف فرما تھے۔ بائیں جانب دوسرے امراء اور اکابر موجود تھے۔

امیر معاویہ نے غور سے اسماء کو دیکھا اور اس کی صورت و سیرت کی بلندی پر دل ہی دل میں عش عش کر اٹھے۔ چند لمحات کے بعد انھوں نے اسماءؑ کو مخاطب کیا:-

امیر معاویہ: لڑکی! وہ کون سی چیز تھی جس نے تجھ میں اتنی جرأت پیدا کر دی کہ تُو نے ایک عام مجمع میں میری باتوں کی تردید نتائج سے بے پروا ہو کر

کر دی؟

اسمار: وہ جذبۂ حق وصداقت تھا۔

امیر معاویہ: یعنی تونے جو کچھ کہا وہ سب سچ تھا، اور ہم نے جو کچھ کہا وہ غلط تھا؟

اسمار: یا امیر میں جھوٹ نہیں بولتی، مجھے اس پر اصرار ہے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا، وہ سچ تھا اور حق وصداقت پر مبنی تھا۔ آپ ایک ایسے شخص پر قتل کا الزام لگا رہے ہیں جو اس الزام سے بالکل پاک ہے۔ میں یہ بات برداشت نہ کر سکی اور میں نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو امر واقعہ تھا۔

امیر معاویہ: کیا تیرے نزدیک علی بے گناہ ہیں؟

اسمار: جی ہاں! میری یہی رائے ہے اور یہ رائے غلط نہیں صحیح ہے۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے ہرگز حضرت عثمانؓ کو قتل نہیں کرایا، بلکہ انہیں بچانے کی آخر وقت تک سخت کوشش کی۔

امیر معاویہ: تُو انہیں امیر المومنین کہتی ہے؟

اسمار: میں کیا دنیا کہتی ہے۔

امیر معاویہ: ہم نے تو ابھی ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔

اسمار: یہ جانتی ہوں لیکن آپ کے بیعت نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ سارا مدینہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہے۔ سارا مکہ ان کے ساتھ ہے۔ مصر کے لوگ ان کی اطاعت کا حلف اٹھا چکے ہیں۔ کوفہ اور بصرہ میں ان کا پرچم لہرا رہا ہے، ان کی بیعت پر ایک عالم جمع ہو چکا ہے۔

عمرو بن العاص: (زور سے) غلط، بالکل غلط!

اسمار: کوئی بات اگر بلند آواز سے کی جائے تو وہ صحیح نہیں ہو جاتی!

عمرو بن العاص : گستاخ چھوکری، تجھے اس دریدہ دہنی کی سزا ملنی چاہیے۔
اسماء : حق وصداقت کے اعلان پر ہمیشہ سے لوگوں کو سخت اور حیرت انگیز سزائیں ملی ہیں، ان کی زبانیں کاٹی گئی ہیں، گردنیں اُڑائی گئی ہیں، جانیں لی گئی ہیں، آپ اگر مجھے سزا دینا چاہتے ہیں تو شوق سے یہ حسرت پوری کر لیجیے لیکن حق حق رہے گا اور باطل باطل ... ! کیا میں یہ دریافت کرنے کی جرأت کر سکتی ہوں کہ عمرو بن العاص آپ ہی ہیں ؟
عمرو بن العاص : ہاں میرا نام عمرو بن العاص ہے۔
اسماء : پھر یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ایک طرف تو آپ خود باغیوں میں شریک تھے مصر سے مدینہ پہنچے تھے، وہاں جا کر مخالفین عثمانؓ سے میل جول پیدا کیا تھا اور آج آپ ہی ان کے خون کا دعویٰ کر رہے ہیں ؟
عمرو بن العاص یہ پتہ کی بات سُن کر لاجواب ہو گئے۔ انہوں نے بات کا پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔
عمرو بن العاص : لڑکی ! تیرا نام کیا ہے ؟
اسماء : میرا نام اسماء ہے۔
عمرو بن العاص : تو رہنے والی کہاں کی ہے ؟
اسماء : اس شہر کی، یعنی دمشق کی جہاں اس وقت آپ تشریف فرما ہیں۔
عمرو بن العاص : تیرے والد کا نام کیا ہے ؟
مروان : یہ یزید کی لڑکی ہے، یہ بھی اموی ہے !
امیر معاویہ : (اسماء سے مخاطب ہو کر) کیا واقعی تو اموی خاندان سے ہے ؟
اسماء : اب تک تو میں یہی سمجھ رہی ہوں۔
امیر معاویہ : نہیں تو اموی نہیں ہو سکتی، تیری رفتار و گفتار، انداز و اطوار

کسی چیز میں امویت کے آثار نہیں نظر آتے ... اور اگر واقعی تو اُموی ہے تو کیا یہ بات تیرے لیے باعث شرم نہیں ہے کہ مسلمان تو عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا چاہیں اور تو اموی ہو کر اس کی مخالفت کرے اور علی کا ساتھ دے، ان کی توصیف کرے، ان کی خلافت کے گُن گائے، ہم کس طرح مان لیں کہ تو اموی ہے؟

اسمار: میں کب کہتی ہوں کہ آپ مجھے اموی مان لیں؟

امیر معاویہ: کیا ابھی تیرے سامنے مروان نے اس کی شہادت نہیں دی ہے؟

اسمار: میں اموی ہوں یا نہیں ہوں، یہ دوسری بات ہے، بہر حال میں مسلمان ہوں، اور کسی حالت میں کبھی حق و صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ میرا اعتقاد ہے کہ امیر المومنین علی حق پر ہیں، اور آپ حضرات حق کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں! آپ میری اس صاف گوئی سے خوش ہوں یا ناراض، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں، حق گوئی کے جرم میں آپ جو سزا بھی مجھے دیں، میں شکریہ کے ساتھ اسے قبول کروں گی!

عمرو بن العاص: اچھا تیرا حوصلہ اتنا بلند ہے؟

اسمار: الحمدُ للہ ... یہ زندگی بہر حال ایک دن ختم ہو گی اور اس کے بعد جو زندگی شروع ہو گی وہ دائمی ہو گی، موت تک نہیں پہنچ سکے گی۔ عارضی زندگی کے لیے میں دائمی زندگی نہیں برباد کر سکتی۔

مروان یہ باتیں سُن کر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خائف ہو رہا تھا کہیں اسمار کی یہ بے باکانہ باتیں امیر معاویہ کو مشتعل نہ کر دیں اور وہ اسی وقت اس کے قتل کا حکم صادر کر دیں تو یہ ہاتھ آیا ہوا شکار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھن جائے گا، یہ سوچ کر وہ امیر معاویہ کے قریب آیا اور آہستہ سے عرض گزار ہوا۔

اس لڑکی کو میں بہت دنوں سے جانتا ہوں؛ یہ دمشق کی رہنے والی ہے، ادھر کچھ عرصہ سے مدینہ میں رہ رہی تھی۔ اسے آپ میرے حوالے کردیں؛ میں اسے راہِ راست پر لے آؤں گا۔

عمرو بن العاص: لیکن اس کے حالات اس قابل نہیں ہیں کہ اسے آزاد کیا جائے۔ اس کی بہترین جگہ جیل ہے۔

مروان: بجا ارشاد ہوا.... بات یہ ہے کہ مدینہ میں یہ خاندانِ علی میں رہی اس لیے اس کے خیالات وہی ہو گئے جو ان لوگوں کے ہیں، لیکن خیالات کی یہ رو بہت جلد پلٹ جائے گی؛ آپ اسے میرے پاس آنے تو دیجیے۔

امیر معاویہ نے سوالیہ نظروں سے عمرو بن العاص کی طرف دیکھا، گویا وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ مروان کی استدعا منظور کی جائے یا رد کر دی جائے۔ انہی کی رائے پر اس مسئلہ کا فیصلہ تھا۔ مروان نے بڑی بے چارگی کی نظر سے عمرو بن العاص کی طرف دیکھا اور آنکھوں آنکھوں میں سب کچھ کہہ دیا۔ انھیں اس کے حالِ زار پر ترس آ گیا۔

عمرو بن العاص: کیا حرج ہے، اس لڑکی کو جیل بھیجنے کے بجائے مروان کے حوالے کر دیجیے۔ شاید یہ اپنا کہا پورا کرے اور اسے راہِ راست پر لے آئے، ورنہ یہ بھاگ تو سکتی نہیں، پھر جیل بھی جا سکتی ہے۔

امیر معاویہ نے حکم صادر کیا کہ اسماء؛ مروان کے حوالہ کر دی جائے۔

لیکن اسماء کو یہ فیصلہ منظور نہ تھا، اس نے کہا۔

"کیا مروان کا گھر قید خانہ ہے؟

امیر معاویہ: (زیرِ لب تبسم کے ساتھ) کہیں مکان بھی قید خانہ ہوا کرتا ہے؟

اسماء: اگر مکان قید خانہ نہیں ہو سکتا تو از راہِ کرم مروان کے ہاں بھیجنے

کے بجائے مجھے جیل بھیج دیجیے، میں وہیں رہنا پسند کرتی ہوں!

امیر معاویہ: یہ کیوں؟ آخر اس کی وجہ؟

اسماء: وجہ نہ پوچھیے تو بہتر ہے بہرحال میری مرضی یہی ہے۔

اسماء کے یہ الفاظ سن کر مروان دہل گیا۔ اس نے سوچا، اگر اس نے اصرار جاری رکھا تو بہت ممکن ہے اسماء ساری باتیں اُگل دے اور اس کے لینے کے دینے پڑ جائیں، لہٰذا اس نے اپنی رائے بدل دی اور امیر معاویہ سے عرض کیا۔

میں خود ایسی خودسر اور گستاخ لڑکی کو اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا، مولانا الامیر نے بالکل صحیح رائے قائم کی تھی، یہ جیل ہی کی سزاوار ہے، اسے وہیں بھیج دیجیے۔

امیر معاویہ نے حکم صادر کر دیا۔

یہ پھر جیل خانے واپس کر دی جائے!

اسماء پھر جیل بھیج دی گئی... اور مروان سوچنے لگا، یہی بہتر ہوا، اب میں جیل ہی میں جا کر اس سے فیصلہ کن گفتگو کروں گا، راضی ہو گئی تو خیر، ورنہ پھر یہ وہاں سے زندہ نہ نکل سکے گی۔

●

باب (٦٧)

خوانِ نعمت

اسماء پھر جیل پہنچ گئی۔ وہی تنگ و تاریک کوٹھری تھی، وہی ظلم اور سفاکی کا ماحول! کوٹھری میں نہ کوئی چراغ تھا، نہ روشن دان! دن بھر اسماء بھوکی بیٹھی رہی تھی، ایک کھیل تک اُڑ کر اس کے منہ تک نہ گئی تھی۔ وہ سخت کمزور اور ضعیف ہوگئی تھی۔ وہ چُپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی اور اپنے ماضی حال اور مستقبل پر غور کر رہی تھی۔ کبھی محمد کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی، کبھی مریم کی موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا، کبھی یزید کی زیادتیاں اور ظلم آرائیاں یاد آنے لگتیں، کبھی حضرت عثمانؓ کی شہادت کا دل فگار اور جگر سوز تصور پریشان کرنے لگتا، کبھی نائلہ کی بے بسی اور بے کسی پر طبیعت کڑھنے لگتی، کبھی اُم المومنین عائشہ کی شفقت کی یاد ستانے لگتی، کبھی حضرت علی کی بے گناہی اور خاندان بنو امیہ کے افراد کی ستم رانیاں دل پر چوکے لگانے لگتیں، کبھی اپنے حالِ زار پر غور کرنے لگتی کہ اب کیا ہوگا، زندگی اسی قید میں کٹے گی یا جلاد کی

تلوار اس کا خاتمہ کرے گی یا محمد کا دیدار کبھی ہو سکے گا؟ اسی محرومی کی حالت میں زندگی کا چراغ گل ہو جائے گا؟

وہ بیٹھی یہی باتیں سوچ رہی تھی کہ اسے روشنی نظر آئی، پھر ایسا محسوس ہوا جیسے وہ روشنی اس طرف آ رہی ہے۔ وہ چونکنا ہو کر بیٹھ گئی کہ دیکھیے اب کیا پیش آتا ہے؟ ذرا دیر میں وہ روشنی بالکل قریب آ گئی اور اسمار نے دیکھا کہ داروغۂ زنداں چلا آ رہا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اتنے ناوقت اس کے آنے کے کیا معنی ہیں؟ وہ سمجھی یہ داروغہ نہیں پیکِ اجل ہے اور اب زندگی کا رشتہ منقطع ہوا چاہتا ہے۔

داروغہ کے ساتھ ایک آدمی اور تھا، اس کے سر پر ایک سرپوش خوان رکھا تھا۔

داروغہ: اسمار! تم نے دن بھر کھانا نہیں کھایا، ہم کھانا لائے ہیں، اٹھو کھا لو!

اسمار کو بہت بھوک لگی ہوئی تھی، وہ کھانا لینے کے لیے اٹھی۔ اتنے میں پھر داروغہ نے کہا:-

امیر مروان کو آپ کی بہت زیادہ فکر ہے، وہ خود بھی صبح سے بھوکے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے طے کر لیا ہے کہ جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گی وہ بھی نہیں کھائیں گے۔ ایسے محبت کرنے والے آدمی اس دور میں کہاں ملتے ہیں؟

یہ سن کر اسمار وفورِ غضب سے تلملا گئی۔ اس نے حقارت سے کہا:-

یہ کھانا جہاں سے لائے ہو وہیں لے جاؤ۔ ہمیں نہیں چاہیے یہ خوانِ نعمت! تمہیں اور تمہارے آقائے ولی نعمت مروان کو مبارک!

داروغۂ زنداں: اتنا ظلم نہ کیجیے، یہ ظلم آپ اپنے اوپر بھی کر رہی ہیں اور

ایک دوسرے شخص پر بھی!

اسمار : (غصہ سے) تمہیں یہ باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں ہے!

ایاز قدرِ خود بشناس!

جاؤ، لے جاؤ میں نہیں کھاتی۔

دارغۂ زنداں: کس طرح لے جاؤں؟ اگر آپ کو بغیر کھلائے ہوئے چلا گیا تو امیر مروان کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ انہیں کیا جواب دوں گا؟ ضد نہ کیجیے کھا لیجیے۔

اسمار: تم داروغۂ محبس ہو یا دلال! تمہیں شرم آنی چاہیے، اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے۔

داروغۂ زنداں: شرم! اس میں شرم کی کیا بات ہے؟

اسمار: کیا تمہاری کوئی بہن نہیں ہے؟ کوئی لڑکی نہیں ہے؟ خدا سے ڈرو، یہ دن جو آج مجھے دیکھنا پڑ رہا ہے، ممکن ہے کل تمہاری بہن اور بیٹی کو بھی پیش آئے! کیا اس وقت بھی تم کسی مروان کی جانب سے سر پہ خوانِ نعمت اٹھوا کر لاؤ گے؟

داروغہ تلملا گیا، اس نے غصہ سے کہا:۔

خاموش!... گستاخ لڑکی! تو نہیں جانتی کس سے مخاطب ہے تُو؟

اسمار: بہت اچھی طرح جانتی ہوں، میرا مخاطب ایک ذلیل اور کمینہ شخص ہے۔

داروغۂ زنداں: تیرے سر پہ موت منڈلا رہی ہے!

اسمار: موت سے کیوں ڈراتا ہے؟ اس سے بزدل ڈرتے ہیں۔

داروغۂ زنداں: کیسی قینچی کی طرح زبان چل رہی ہے۔ جی چاہتا

ہے گدی سے کھینچ لوں تیری زبان تاکہ پھر تو بول ہی نہ سکے۔
اسماء: جو جی چاہے کر، لیکن یہاں سے دفعان ہو، میں تیری صورت دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔
داروغۂ زنداں نے ملازم سے برہم لہجہ میں کہا:۔
رکھ دے یہ خوان یہاں!
اس بندۂ فرمان نے فوراً تعمیلِ حکم کی۔
داروغہ نے جانے کے لیے مڑتے ہوئے کہا:۔
یہ کھانا رکھا ہے، جی چاہے کھاؤ، جی چاہے پھینک دو! تم جانو اور تمہارا کام۔ میں نے اپنا فرض ادا کردیا۔ یہی جاکر میں امیر مروان سے عرض کردوں گا۔
یہ کہہ کر وہ غصہ کے عالم میں زور زور سے پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا۔
اسماء نے کھانا ایک طرف رکھ دیا اور پھر اپنے خیالات میں کھو گئی!
تھوڑی دیر کے بعد اسماء کو پھر کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی اور وہ سہمے ہوئے انداز میں ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔
اندھیرے میں یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کون ہے کیونکہ روشنی داروغہ کے ساتھ چلی گئی تھی، لیکن صاف طور پر یہ محسوس ہوا کہ کوئی شخص اس طرف آرہا ہے۔ اسماء نے گھبرائے لہجہ میں کہا۔
"کون ہے؟"
آواز آئی:۔
میں ہوں تمہارا ہمدرد، گھبراؤ مت!
اسماء اٹھ کر ایک کونے میں کھڑی ہوگئی۔

پہلے اپنا نام بتاؤ!
ہلکی سی ہنسی کی آواز، پھر اس نے کہا۔
" میں ہوں مسعود... !!

•

مسعود : کچھ نہ پوچھو بس زندگی تھی جو بچ گیا!

اسماء : پھر بھی آخر اُفتاد کیا پیش آئی؟

مسعود : میں تمہارا خط لے کر چلا، مجھے بڑی جلدی تھی۔ میں جلد از جلد محمد کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مشکل سے چند میل گیا ہوں گا کہ چند سوار ایک جھاڑی سے نکلے اور انہوں نے مجھے گھیر لیا۔ ان کا سردار ایک خوش شکل اور خوش شمائل شخص تھا۔

اسماء : اس کا نام کیا تھا... سعید تو نہیں؟

مسعود : ہاں وہی تھا، خوب پہچانا تم نے۔

اسماء : تو کیا اس نے تمہیں گرفتار کر لیا؟

مسعود : ہاں... اس نے پوچھا تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ میں نے جواب دیا، نہ بتاؤں گا، کون ہوں، نہ یہ انکشاف کروں گا کہ کہاں جا رہا ہوں۔ اس نے حکم دیا میری تلاشی لی جائے۔ تلاشی لی گئی تو تمہارا خط برآمد ہوا۔ خط پڑھ کر وہ آگ بگولہ ہو گیا، دانت پیسنے لگا، اس نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور کہنے لگا۔

اسماء بچ کر کہاں جائے گی؟ بہت اچھا ہوا اس کا پتا نشان معلوم ہو گیا۔ اب اس کی اور اس گرجا کی خیر نہیں، جہاں وہ ٹھہری ہے اور بڑے میاں اب تم بھی بچ کر نہیں جا سکتے!

یہ کہہ کر اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا :۔

اس بوڑھے کی گردن اُڑا دو!

میں اونٹ پر سے اُتار لیا گیا۔ چند آدمیوں نے مجھے گھیر لیا۔ ایک آدمی نے میان سے تلوار نکالی، پھر قریب تھا کہ وہ میری گردن اُڑا دے،

باب (۶۸)

مسعود مل گیا، لیکن کہاں؟

اسماء مسعود کا نام سن کر خوش ہوگئی۔ وہ مسعود کی وفاداری، فرض شناسی اور بھلمنساہٹ سے بہت متاثر تھی۔ اس کا خیال تھا مسعود کسی حادثہ کی نذر ہوگیا، اب یک بیک اس نے مسعود کی آواز اس عالم بے بسی و مجبوری میں جو سنی تو اس کی ساری پریشانیاں دور ہوگئیں۔ اس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ قید نہیں، گھر میں ہے۔

مسعود اندر آگیا اور آہستہ آہستہ اس میں اور اسماء میں باتیں شروع ہوگئیں۔

اسماء: میں تو یہ سمجھتی تھی کہ تم کہیں ہلاک ہوگئے اس لیے کہ محمد سے معلوم ہوا کہ تم اس تک پہنچے ہی نہیں!

مسعود: ہاں بیٹی، میں محمد تک نہ پہنچ سکا۔

اسماء: واقعہ کیا ہوا تھا؟

اتنے میں چند سوار آتے ہوئے نظر آئے، سب لوگ اسی طرف دیکھنے لگے۔ بہت جلد وہ لوگ قریب آگئے۔

اسماء: یہ کون لوگ تھے؟

مسعود: میرے لیے تو فرشتۂ رحمت ثابت ہوئے بتا کون تھے؟

اسماء: ہاں پوچھ تو رہی ہوں!

مسعود: وہ سوار مروان کے آدمی تھے اور اس کا سردار خود مروان تھا۔

اسماء: (حیران ہوکر) مروان؟ یہ کمبخت کہاں سے ٹپک پڑا؟

مسعود: کہہ تو رہا ہوں، میری خوش قسمتی... ورنہ بھلا میں سعید کی تلوار سے بچ سکتا تھا!

اسماء: ہاں خیر، پھر کیا ہوا؟

مسعود: مروان سعید کو دیکھ کر آگ بگولہ ہوگیا، اس نے کہا:۔

سعید! تم خوب مل گئے، میں تمہاری ہی تلاش میں تھا۔

سعید نے کہا:۔ لیکن میں آپ کو کیوں یاد آیا؟ آپ کیوں تھے میری تلاش میں؟

مروان: کیا تم اسماء سے محبت نہیں کرتے؟ کیا تم اسے بھگا کر نہیں لے گئے تھے؟

سعید: ہاں میں اس سے محبت کرتا ہوں، اسے بھگا کر لے گیا تھا لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟

مروان: مجھے کیا نہیں معلوم؟ میرے ذرائعِ معلومات کا کون مقابلہ کرسکتا ہے؟

سعید: لیکن تمہیں اس سے مطلب؟ آخر تم میرے اور اسماء کے بارے میں دخل دینے والے کون؟

مروان: میں بھی اسماء سے محبت کرتا ہوں اور میں کسی رقیب کو برداشت نہیں کر سکتا!

سعید: مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تم بھی اسماء سے محبت کرتے ہو۔
مروان: اب تو معلوم ہو گیا، بتاؤ کیا تم اس کی محبت سے دستبردار ہونے کو تیار ہو؟

سعید: یہ مشکل ہے، کوئی شخص بھی محبت سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کام آسان ہے تو پھر تم ہی کیوں نہیں میرے حق میں دستبردار ہو جاتے!
مروان: تم بھول رہے ہو، تمہارا مخاطب کون ہے، میں مروان ہوں جو اپنے کسی حریف اور رقیب کو زندہ نہیں دیکھ سکتا۔
سعید: میں خوب جانتا ہوں، لیکن تم بھی اسے بھول رہے ہو کہ میں سعید ہوں اور مجھے نہ مرعوب کیا جا سکتا ہے، نہ دھمکی سے کام نکالا جا سکتا ہے۔
مروان: تو پھر اپنی اس جرأت کا مزہ چکھنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔
سعید: آؤ، ہم تم فیصلہ کر لیں۔ سواروں سے کہہ دو کہ الگ رہیں۔
مروان: نہیں سوار، سواروں سے لڑیں گے، میری تلوار تمہارے سر پر اور تمہاری تلوار میرے سر پر چمکے گی، آؤ...!
مروان کے یہ کہتے ہی معرکۂ کارزار برپا ہو گیا۔ سعید کے ساتھ پانچ چھ آدمی تھے، مروان کے ساتھ پندرہ بیس! تھوڑی ہی دیر میں اس معرکہ آرائی کا فیصلہ ہو گیا۔ سعید کے سینہ میں مروان کی تلوار پیوست ہو گئی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔
اسماء: خس کم جہاں پاک!
مسعود: اس کے ساتھی مارے گئے، باقی زخمی ہو کر بھاگ گئے۔

اسما۔ : ہمیں ان سے کوئی دلچسپی نہیں ۔
سعید : اس کے بعد مروان میری طرف مخاطب ہوا، اس نے کہا :-
ہاں بڑے میاں! اب تم کہاں جاؤ گے، محمد کے پاس ؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا، ہمارے ساتھ رہنا پڑے گا۔
میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا :-
لیکن کہاں جا رہے ہیں آپ ؟ مجھے کہاں لے جائیں گے ؟
مروان نے جواب دیا :- میں دمشق جا رہا ہوں اور تمہیں وہاں بہت آرام اور احتیاط کے ساتھ جیل میں رکھا جائے گا، اگر کوئی تکلیف ہو تو ہمیں مطلع کرنا ہم داروغۂ زنداں کو انعام دیں گے!
یہ کہہ کر مروان کھلکھلا کر ہنس پڑا، پھر اس نے اپنے سواروں کو حکم دیا۔
گرفتار کر لو اسے!
میں گرفتار کر لیا گیا اور یہاں پہنچا دیا گیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن کہ جیل میں زندگی گزار رہا ہوں۔
اسما۔ : بڑا افسوس ہوا تمہاری داستان سن کر، بڑے دکھ جھیلے تم نے!
مسعود : لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ان دکھوں کا خاتمہ ہو!
اسما۔ : ہاں، یہاں سے مر کر ہی نکلنا ہو گا، اور جب ہی ان مصائب کا خاتمہ ہو گا۔
مسعود : کیسی باتیں کرتی ہو بیٹی، مرنے کا کیا سوال ہے، میں تو بوڑھا ہو چکا، لیکن میرا مرنے کو جی نہیں چاہتا، تم تو ابھی بچہ ہو، تم نے دنیا کا دیکھا ہی کیا ہے ؟ مریں تمہارے دشمن!
اسما۔ : پھر کیا یہاں سے نکل چلنے کی کوئی تدبیر ہے ؟

مسعود: اسی لیے تو آیا ہوں، آؤ چلو میرے ساتھ!

اسماء: معلوم ہوتا ہے جیل کی سختیاں سہتے سہتے تمہارے دماغ پر بہت زیادہ اثر پڑا ہے۔ بھلا اس جیل سے بھی نکلنے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟

مسعود: نہ ہو سکتی تو میں تمہارے پاس کیوں آتا، بیٹی!

اسماء: میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا، تم کیا کہہ رہے ہو اور کیا کرنا چاہتے ہو؟

مسعود: تم زیادہ سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرو، بس چپ چاپ میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ، میں تمہیں یہاں سے اس طرح نکال لے جاؤں گا جس طرح مکھن سے بال نکالا جاتا ہے۔ آؤ بیٹی آؤ!

اسماء: لیکن دروازہ کس طرح کھلے گا؟

مسعود: (ہنستے ہوئے) ہاں مجھے جادو آتا ہے۔

اسماء: میں نہیں مانتی، کہیں ایسا نہ ہو یہاں سے نکلتے ہوتے ہم کسی اور مصیبت میں پھنس جائیں؟

مسعود: میں نے داروغۂ محبس کو یہاں سے بھگا دیا ہے۔ میں نے اس بے وقوف سے کہا، اسماء سے مروان بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ تم جا کر اس سے کہو اس نے کھانا نہیں کھایا، وہ دوڑا دوڑا آئے گا اور تمہیں مالا مال کر دے گا کیونکہ وہ کسی کی خدمت رائگاں نہیں جانے دیتا۔ وہ بھاگوں بھاگ چلا گیا، اور جلدی میں دروازہ بند کرنا بھی بھول گیا ہے۔ اگر چلنے میں دیر کرو گی تو وہ معہ مروان کے آجائے گا اور اگر فوراً روانہ ہو گئیں تو پھر دونوں آکر کفِ افسوس ملیں گے اور تمہارا سراغ نہ پا سکیں گے۔ یہ دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں جو چاہو اختیار کر لو!

مروان کی آمد کا اندیشہ ہے، اسماء کانپ گئی، اس نے کہا۔

اچھا چلو، چلتی ہوں، اللہ مالک ہے۔

آؤ!

اسمار اور مسعود اندھیرے میں راستہ ٹٹولتے ہوئے پھاٹک تک آئے۔ یہاں جب پہنچے تو انہیں پھر روشنی سی محسوس ہوئی۔ معلوم ہوا واقعی مروان بھی داروغہ مجلس کے ساتھ آ رہا ہے۔ اسمار لرز گئی، اس نے مسعود سے کہا۔

دیکھو وہ آ رہے ہیں، اب کیا ہوگا؟

مسعود نے آہستہ سے کہا:۔

آنے دو، ذرا بھی نہ ڈرو، آؤ اس دیوار کی اوٹ میں ہو جاؤ، انھیں نکل جانے دو!

مسعود اور اسمار دونوں دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔ مروان اور داروغۂ مجلس باتیں کرتے ہوئے بے پرواہی کے ساتھ مجلس میں داخل ہو گئے۔ جب وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے اندر چلے گئے، داروغہ اس سے کہہ رہا تھا:۔

میں تو اپنی سی کوشش کر کے ہار گیا، وہ لڑکی بڑی ضدی ہے کسی طرح قابو میں نہیں آتی۔ زبان دراز اتنی کہ حیرت ہوتی ہے۔ میں سوچتا ہوں اگر آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور وہ آپ کے حرم میں داخل ہو گئی تو ایسی زبان دراز عورت سے نباہ کیوں کر ہوگا؟

مروان نے ہنستے ہوئے جواب دیا:۔

آج فیصلہ ہو جائے گا۔ یا تو وہ میری اطاعت پر راضی ہو جائے گی ورنہ اسی تلوار سے اس کا خاتمہ کر دوں گا، لاش کہیں پھنکوا دینا اور امیر معاویہ سے

کہہ دینا بھاگ گئی۔

داروغہ نے کہا:۔ واہ اچھی ترکیب بتائی آپ نے! تاکہ میری گردن قلم کردی جائے۔ نہیں صاحب ایسا غضب نہ کیجیے گا۔

مروان: یہی ہوگا، تم امیر معاویہ سے کہہ دینا اسے ہیضہ ہوگیا تھا، وہ مرگئی۔

داروغۂ زنداں مطمئن ہوگیا، کہنے لگا:۔

ہاں یہ معقول تدبیر ہے لیکن ممکن ہے اس کی نوبت ہی نہ آئے۔

دونوں یہی باتیں کرتے ہوئے اندر داخل ہوگئے۔ مسعود نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا:۔

سنا بیٹی کیا کہہ رہا تھا مروان؟

وہ بولی:۔ ہاں سُن لیا۔

مسعود: اور اب ہم اس شخص کی گرفت سے آزاد ہیں۔ اب یہ ہمارا کچھ نہیں کرسکتا۔ یہ غصہ سے اپنا منہ نوچیں گے، اپنے دانت پیسیں گے، لیکن ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، کچھ نہ کرسکیں گے۔ آؤ بیٹی آؤ ذرا جلدی کرو تیز قدم بڑھاؤ، خطرہ سر پہ منڈلا رہا ہے۔ بڑی ہمت اور چوکسی کی ضرورت ہے۔

اسمار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے مسعود کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، وہ سوچ رہی تھی اگر یہ تدبیر پلٹ پڑی تو کیا ہوگا! مروان پھر گرفتار کرے گا اور شقاوت کا پہاڑ توڑ دیگا۔

لیکن دونوں تیزی کے ساتھ اندھیرے کے دامن میں روپوش ہوتے چلے جارہے تھے۔

باب (۶۹)

جیل سے فرار

بہت دور نکل جانے کے بعد اسمار کے دم میں دم آیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ مسعود کے پیچھے پیچھے تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی، نہ منزل کا پتہ تھا، نہ سمت کا، لیکن وہ بڑھی چلی جا رہی تھی۔ بار بار مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتی تھی اور کسی کو نہ پاکر پھر مسعود کے تعاقب میں مصروف ہو جاتی تھی۔

بہت دور نکل آنے کے بعد اسمار نے کہا:۔ اب ہم کہاں ہیں؟

مسعود نے جواب دیا:۔ ہم شہر کی سرحد پار کر چکے ہیں۔ یہ کاروان سرا ہے، یہیں شہر کی سرحد ختم ہو جاتی ہے لیکن اب سمجھ میں نہیں آتا، کیا کریں؟ نہ کوئی سواری ہے، نہ کسی سے اس سلسلہ میں مدد لی جا سکتی ہے، راز افشا ہو جائے گا۔

اسمار یہ سن کر کہ سامنے کارواں سرا ہے خوش ہو گئی، اس نے کہا:۔

بس اب سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ کارواں سرا میں میرا خادم ہے، اس کے ساتھ دو تیز رفتار گھوڑے ہیں، جاؤ اسے بلا لاؤ!

مسعود گیا اور خادم کو بُلا لایا۔ اسمار نے مسعود سے کہا:۔
اب تم کوفہ جاؤ اور امیرالمومنین کو یہاں کے حالات سے باخبر کردو!
یہ کہہ کر اسمار نے وہ تمام حالات جو یہاں آ کر اس کے مشاہدے میں آئے تھے، بیان کر دیے، پھر کہا:۔
امیرالمومنین سے عرض کر دینا، یہاں زور شور سے جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں، وہ غافل نہ ہوں!
مسعود ان نصیحتوں کو سنتے سنتے اُکتا گیا، اس نے کہا:۔
یہ سب تو میں کروں گا لیکن تم کہاں جا رہی ہو؟ کیا میرے ساتھ نہیں چلو گی؟
اسمار نے جواب دیا:۔ میں ایک بہت ضروری کام سے بیت المقدس جا رہی ہوں، وہاں سے انشاءاللہ سیدھی کوفہ پہنچوں گی، لیکن تم اپنی منزل کھوٹی نہ کرو اور جاؤ۔
مسعود چلا گیا.... جاتا ہوں... جیل کا دروازہ میرا استقبال کر رہا ہوگا۔
اسمار: یہ کیوں؟ تم کوفہ کیوں نہیں جاتے؟ ہمارے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو آؤ ہمارے ساتھ چلو۔
مسعود: دمشق کا ذرہ ذرہ میرا اور آپ کا دشمن ہو رہا ہے، صبح ہوتے ہی ہماری تلاشی شروع ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے خادم کو واپس کر دو کہ وہ کوفہ چلا جائے، اسے کوئی نہیں پہچانتا اور میں تمہارے ساتھ بیت المقدس چلتا ہوں۔
بات اسمار کی سمجھ میں آ گئی، اس نے کہا۔
تجویز تو بڑی معقول ہے، واقعی یہی مناسب ہے۔

پھر اس نے خادم کو ضروری ہدایات دیں، ایک خط لکھ کر دیا کہ وہ محمد کو دے دیا جائے اور مسعود سے کہا، یہ صبح ہوتے ہی چلا جائے گا۔ اب آپ آگے بڑھیے، بیت المقدس کا راستہ تو معلوم ہو گا ہی؟

مسعود نے گھوڑے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

مجھے جنت سے لے کر جہنم تک سارے راستے معلوم ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ آخر وہاں جانے کی ضرورت کیا پیش آگئی ہے اس وقت؟

اسمار نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور کہا:۔

بہت ضروری کام ہے آپ میرے ساتھ ساتھ نہ چلئے، ذرا آگے آگے چلیے تاکہ سمت کا اندازہ ہوتا رہے۔

مسعود نے گھوڑا آگے بڑھا لیا اور کہا۔

اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ بیت المقدس میں کیا کام ہے تو میں کسی سے کہہ تو نہیں دوں گا!

اسمار ہنسنے لگی۔ چچا تم تو بہت جلد خفا ہو جاتے ہو! پھر اسمار نے اپنی ساری داستان مسعود کو سنا دی اور بتایا کہ قیس مرقس چونکہ بیت المقدس میں ہے اس لیے وہاں جاتے بغیر کام نہیں بن سکتا۔

مسعود ہنسنے لگا۔ اس نے کہا:۔ بیٹی! یہ کون سی ایسی اہم بات ہے جس کے لیے اتنی سرگرداں ہو رہی ہو۔ بہرحال تم ایک شریف نجیب باپ کی بیٹی ہو، اور پھر اسلام میں حسب نسب تو نہیں دیکھا جاتا، اصل چیز انسان کا کردار اور اس کی سیرت ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارا کردار بہت سے شریف و نجیب مردوں کے لیے باعثِ رشک ہے اور تمہاری سیرت اتنی پاکیزہ ہے کہ جنت کی حوریں اس پر رشک کرتی ہوں گی، لیکن میں منع بھی نہیں کرتا۔ اب یہاں

تک آگئی ہو تو چلو بیت المقدس بھی چلے چلتے ہیں۔ وہاں سے پوچھ گچھ کر کے بس اب کوفہ چلی چلنا۔ بیچارہ محمد تمہارے فراق میں بہت پریشان ہو رہا ہو گا۔

اندھیرے میں تبسم کے سبب اسمار کے دانت اس طرح چمکے جیسے شبِ تاریک میں بجلی چمک جاتی ہے، اس نے کہا:۔

آپ کو محمد نے اپنا وکیل تو نہیں بنایا ہے جو اس کی سفارش کرنے لگے آپ! وہ خود کون سے کم ہیں اپنی سفارش کرنے میں۔

مسعود نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا:۔ کیا کہا؟ وہ خود اپنی سفارش کرتا ہے؟

اسمار: ہاں... بہت زیادہ!

مسعود: کیوں؟ کس لیے؟ کیا چاہتا ہے؟

اسمار: یہ ان سے دریافت کیجیے گا!

مسعود: بیٹی! محبت کرنے والا دل بڑی مشکل سے ملتا ہے محمد کی قدر کر!

اسمار: قدر تو جتنی میں کرتی ہوں وہ میرا دل جانتا ہے، اچھا کیا آپ سمجھتے ہیں محمد کی یہ محبت یکطرفہ ہے؟ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے!

مسعود: یہ تو ٹھیک ہے میں نے یونہی ایک بات کہہ دی تھی۔ وہ بھی اس لیے کہ محمد بہت تکلیفیں جھیل چکا ہے، اب اس کی خوشی اور خرمی کا دور شروع ہونا چاہیے۔

اسمار: اس کا انحصار ہمارے سفر بیت المقدس پر ہے۔ دُعا کیجیے وہ زندہ ہوں، ان سے ملاقات ہو جائے اور وہ سب کچھ بتا دیں جو کچھ انہیں میرے اور میرے باپ کے بارے میں معلوم ہے!

مسعود: انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ قیس برقی ضرور ملے گا اور سب کچھ بتا دے گا...... لیکن دیکھو بیٹی! باتوں میں رفتار سست ہو

گئی ہے ہماری، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ابھی ہم خطرے سے پورے طور پر باہر نہیں ہوئے ہیں۔

اسمار نے اور پھر مسعود نے اپنے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور وہ ہوا سے باتیں کرنے لگے!

•

باب (۷۰)

قیس!

جنگِ جمل کے بعد حضرت علی بصرہ سے کوفہ تشریف لے گئے۔ وہاں کے مسلمانوں نے جوق در جوق آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مصر، عراق، مکہ، مدینہ، یمن اور فارس کے مسلمانوں نے بھی آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ شام کے سوا سارا عالم اسلام بیعت کر چکا تھا۔

تکمیلِ بیعت کے بعد حضرت علی نے مصر کی گورنری قیس ابن سعد بن عبادہ کو تفویض کی۔ قیس مہاجرین کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے، بڑے دور اندیش، صائب الرائے، باہمت اور دلیر و شجاع!

مصر میں جب قیس پہنچے تو انہوں نے دیکھا، اگرچہ یہاں کی اکثریت حضرت علی کی خلافت کو دل سے قبول کر چکی ہے لیکن ایک گروہ ایسا بھی ہے جو پروپیگنڈہ سے متاثر ہو چکا ہے اور خونِ عثمان کے قصاص کا مطالبہ کر رہا ہے۔

قیس نے ان لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا، کسی طرح کا تشدد نہیں کیا۔ وہ

باب (۷۱)

ناکامی

اسمار اور مسعود خیریت کے ساتھ بیت المقدس پہنچ گئے لیکن یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیس مرقس ایک ضروری اور اہم اپنی تقریب میں حصّہ لینے کے لیے انطاکیہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں کم و بیش تین ماہ تک قیام کریں گے۔

یہ خبر سُن کر کوئی اور ہوتا تو اس کا حوصلہ پست ہو جاتا، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری، مسعود سے کہا:۔ اب ہمیں انطاکیہ چلنا چاہیے۔

مسعود تھک چکا تھا' اس نے کہا:۔ بیٹی کیا کرو گی انطاکیہ جا کر' یہیں انتظار کر لو!

اسمار: اتنا وقت ضائع کرنا کون سی دانشمندی ہے، کیوں نہ ہم وہاں چلیں تاکہ جلد از جلد کوفہ پہنچ سکیں؟

مسعود: اچھا تم نہیں مانتیں تو چلو، لیکن سوال یہ ہے کہ قیس مرقس کو اس بڑھاپے میں آخر ہوا کیا ہے؟

اخلاق اور ملاطفت سے ان لوگوں کے دل جیت لینا چاہتے تھے۔ ان کی پالیسی کامیاب ہورہی تھی اور وہ اس مخالف گروہ کو ہموار کرنے کی کوشش میں کامیاب ہورہے تھے۔

امیر معاویہ قیس کی خوبیوں سے واقف تھے۔ انہوں نے قیس پر ڈورے ڈالنا شروع کیے اور انہیں اپنا ہمنوا بنانے کی جدوجہد کا آغاز کردیا لیکن قیس ایک مخلص اور سراپا ایثار شخص تھے، وہ ان باتوں میں نہ آئے، انہوں نے امیر معاویہ کے پیامِ تعاون کو مسترد کردیا۔ انہیں لالچ دیا گیا لیکن وہ اس دام میں بھی نہ آتے۔ آخر امیرِ معاویہ کے حاشیہ نشینوں نے قیس کو بدنام کرنے کی ایک نئی ترکیب سوچی۔ انہوں نے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ قیس ہمارے ساتھ ہیں، وہ خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے ہم سے تعاون پر آمادہ ہیں۔ جب ہم مصر پر حملہ کریں گے تو وہ ہمارا ساتھ دیں گے۔ انہوں نے ہمیں خط بھی لکھا ہے اور پوری اطاعت اور وفاداری کا اظہار کیا ہے۔

اس خط اور ان باتوں کی شہرت شروع ہوئی۔ شدہ شدہ حضرت علی کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچی۔ آپ نے سنی اَن سنی کردی اس لیے کہ قیس کے اخلاص اور وفاداری کا آپ کے دل پر ایک گہرا نقش تھا۔

لیکن جب تواتر کے ساتھ یہ خبریں پہنچنے لگیں اور خود حضرت علی کے گروہ میں قیس کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں اور بدگمانیاں ہونے لگیں تو آخر حضرت علی نے قیس کو معزول کردیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو وہاں کا گورنر مقرر کرکے بھیج دیا۔ قیس نے ایک مخلص مسلمان کی طرح اس فیصلہ کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا، اور مصر سے اقامت ترک کرکے حضرت علی کے زیرِ سایہ کوفہ میں بود و باش اختیار کرلی۔

اسمار: کیوں، کیا خطا کی انہوں نے آپ کی؟

مسعود: ایک طرف تو سن سفید بوڑھے ہو چکے، ہر شخص ہر دن ان کے مرنے کی خبر سننے کا متوقع رہتا ہے اور دوسری طرف بھونچال اتنے ہیں کہ ہوا کی طرح اڑے پھر رہے ہیں، ابھی یہاں، ابھی وہاں! میں کہتا ہوں اگر ہمارے وہاں پہنچتے پہنچتے وہ کہیں اور کھسک گئے تو کیا ہوگا، وہاں بھی چلو گی؟

وہ ہنسنے لگی۔

اسمار: اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو بے شک چلنا پڑے گا۔ سوا اس کے اور چارۂ کار بھی کیا ہے؟

مسعود: اور اگر وہ آنجہانی ہو گئے تب کیا کرو گی؟

اسمار: (مسکراکر) تب آپ کو خبر لانے کے لیے ان کے پاس بھیج دوں گی، چلے جائیں گے نا خوشی خوشی؟

مسعود: جہاں بھیجو گی چلا جاؤں گا بیٹی!

اسمار: فی الحال تو انطاکیہ چلیے منزل کھوٹی نہ کریے۔

مسعود: چلتے ہیں، ذرا کمر تو سیدھی کر لیں۔ گھوڑے تھکے ہوتے ہیں، انہیں کھولیں، پانی پلا لیں... اب شام ہوگئی ہے کل چلنا، آج کسی کارواں سرا میں ٹھہریں گے۔ اتنا مسلسل سفر ٹھیک نہیں ہوتا... اسمار کا ارادہ تو یہی تھا کہ بیت المقدس میں رکے بغیر سیدھی انطاکیہ چلی جائے اور وہاں پادری مرقس کا پتہ لگائے، لیکن مسعود کی حالت دیکھ کر وہ خاموش ہوگئی اور رات کی رات یہاں ٹکنے پر رضامند ہوگئی، وہ بوڑھا آدمی تھا اور واقعی تھک گیا تھا۔ اس پر ظلم ہوتا اگر اس وقت اسے سفر پر مجبور کیا جاتا۔ وہ بولی:۔

اچھی بات! چلیے کہیں رات گزار لیں، پھر صبح صبح انطاکیہ کی طرف چل پڑیں گے۔

باب (۷۲)

حضرت علیؑ کا کردار

دوسرے دن مسعود اور اسماء انطاکیہ کی طرف روانہ ہوگئے، لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیس مرقس جس جہاز پر تشریف لا رہے تھے وہ اب تک انطاکیہ نہیں پہنچا۔ افواہ یہ گرم تھی کہ جہاز طوفان کی نذر ہوگیا اور اس میں جتنے آدمی سوار تھے سب ڈوب گئے۔

اب سوا اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ اسماء چند روز یہاں قیام کرے اور جب تک جہاز کے ڈوبنے کی تصدیق نہ ہوجائے یا جہاز انطاکیہ کے ساحل پر لنگرانداز نہ ہوجائے یہیں مقیم رہے، چنانچہ اس نے اپنے فیصلے سے مسعود کو مطلع کردیا۔ وہ بیچارہ سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کیا کرسکتا تھا، خاموش ہوگیا۔

مسعود نے کفایت کے خیال سے ایک سستا اور اچھا مکان کرایہ پر لے لیا تھا اس مرتبہ کارواں سرا میں ٹھہرنے کے بجائے یہ لوگ مکان ہی میں ٹھہرے۔ اوپر کا کام کرنے کے لیے ایک ملازم رکھ لیا تھا، چونکہ کوئی خاص مصروفیت نہ تھی لہٰذا وقت

گتھ گئیں، معرکۂ جدال و قتال گرم ہوگیا۔

اب اسماء ضبط نہ کرسکی اُس نے صندوق سے اپنا مردانہ لباس نکالا اور ایک بانکے سپاہی کی شان سے نیچے اُتری اور امیر معاویہ کے لشکر میں گھس گئی۔ جنگ اس وقت بڑے زور شور سے جاری تھی، تیروں کی ہر چہار طرف سے بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ تلواریں چمک رہی تھیں، وہ گشت کرتی ہوئی امیر معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گئی۔ اس نے دیکھا، خیمہ کے متصل فوجوں کی پانچ صفیں ہر طرح سے تیار اور لیس کھڑی ہیں اور ایک شخص دوسرے شخص سے وابستہ ہے تاکہ کوئی بھاگنے کا ارادہ بھی کرے تو کامیاب نہ ہوسکے۔ اسماء نے خیمہ کے اندر ایک آڑ کے مقام سے کھڑے ہو کر جھانکا تو دیکھا، امیر معاویہ اور عمرو بن العاص پاس پاس بیٹھے ہیں، دونوں کے چہروں سے فکر و تشویش کے آثار ہویدا ہیں۔

یہاں سے پلٹ کر وہ دوسری طرف آ گئی۔ اب اس نے دیکھا کہ حضرت علی اپنے خیمہ سے نکلے اور امیر معاویہ کو مخاطب کرکے بہ آواز بلند فرمایا:۔

"معاویہ!

تم مسلمانوں کا خون کیوں بہانے کے درپے ہو؟ انہوں نے کیا خطا کی ہے کہ ان کی گردنیں کٹواؤ، بہتر یہ ہے کہ ہم تم اپنی فوجوں کو علیحدہ رکھیں اور خود ہی لڑ کر فیصلہ کرلیں جو غالب آئے وہ جیتا جو مغلوب ہو وہ ہار گیا، میں تمہارا منتظر ہوں، تلوار نکالو اور میدان میں آؤ!"

یہ سن کر امیر معاویہ کا چہرہ زرد ہوگیا، وہ چپ چاپ بیٹھے رہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

تھوڑی دیر تک جواب کا انتظار کرنے کے بعد حضرت علی اپنے لشکر میں واپس تشریف لے گئے۔ اسماء دل ہی دل میں ان کی کامیابی اور کامرانی

یا تو باتوں میں گزرتا تھا یا سیر گشت میں!

ایک روز مسعود باہر گیا ہوا تھا، اسمار اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ وہ ملازم جسے مسعود نے رکھا تھا آیا، ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد کہنے لگا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیر معاویہ اور حضرت علی کے مابین جنگ چھڑ گئی ہے، یہ سُن کر اسمار پریشان ہو گئی، اس نے پوچھا۔

کہاں؟ جنگ کہاں ہو رہی ہے؟

خادم: صفین میں ہو رہی ہے۔

اسمار: یہ مقام یہاں سے کتنی دور ہے؟

خادم: بہت قریب! مشکل سے چند میل کے فاصلہ پر ہوگا۔

اسمار خاموش ہو گئی اور خادم بھی اپنے کام میں لگ گیا۔

یہ خبر سننے کے بعد اسمار کو پھر اپنے پروگرام پر نظرثانی کرنا پڑی۔ اب تک اس کا اٹل ارادہ یہ تھا کہ جب تک مرقس کے بارے میں کوئی تصدیق شدہ بات نہ معلوم ہو جائے وہ انطاکیہ میں مقیم رہے گی، لیکن یہ معلوم کر کے کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کے مابین جنگ چھڑ گئی ہے، وہ پریشان ہو گئی اور اس نے سوچا جب میدانِ جنگ مجھ سے اس قدر قریب ہے تو کیا میرا یہاں بیٹھے رہنا مناسب ہوگا؟ ضمیر نے جواب دیا، نہیں! اور یہ جواب سنتے ہی وہ صفین جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔

دوسرے روز وہ مسعود کے ساتھ صفین کی طرف روانہ ہو گئی۔ پانچویں دن وہ صفین کی پہاڑی پر پہنچی۔ اوپر چڑھ کر اس نے فریقین کی فوجوں پر نظر ڈالی، یہ فوجیں مشرقی اور مغربی سمت میں خیمہ زن تھیں۔ ان کا سلسلہ حدِ نظر تک چلا گیا تھا۔

اسمار پہاڑی پر کھڑی اس نظارہ میں مصروف تھی کہ یکایک دونوں فوجوں میں جنبش پیدا ہوئی۔ آہستہ آہستہ دونوں فوجیں مقابلہ کے لیے بڑھیں اور پھر آپس میں

کی دعا کرتی رہی۔

اسماء نے سارے لشکر میں گشت کرکے اندازہ لگایا کہ امیرالمومنین حضرت علی کے لشکر کے حوصلے بہت بلند ہیں اور امیر معاویہ کے لشکر میں وہ جذبہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ لوگ کچھ بجھے بجھے سے ہیں اور خاص طور پر جب سے انہوں نے حضرت علی کے کردار بلندی کی ایک تازہ نظیر دیکھی ہے اس وقت سے تو یہ ان سے لڑتے ہوئے واقعی ہچکچانے لگے ہیں۔

بات یہ ہوئی کہ یہاں سب سے پہلے امیر معاویہ کا لشکر پہنچا تھا اور اس نے پانی کے گھاٹ پر قبضہ کرلیا تھا، پھر جب حضرت علی کا لشکر پہنچا تو اسے اس گھاٹ سے پانی پینے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت علی نے حکم دیا،۔ گھاٹ کے اموی پہریداروں کو بھگا کر گھاٹ پر قبضہ کرلو۔

لشکر مرتضوی کے لوگوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی، گھاٹ کے پہرہ داروں نے پہلے تو مزاحمت اور مقاومت کی کوشش کی لیکن جب جنگ شروع ہوئی اور ان میں کے چند آدمی ہلاک اور زخمی ہوکر گرے تو بقیہ بھاگ کھڑے ہوتے۔

اب اس گھاٹ پر حضرت علی کے لشکر کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ قدرتاً امیر معاویہ کے لشکری یہ سمجھ رہے تھے کہ اب اس گھاٹ سے وہ پانی نہ لے سکیں گے اور حضرت علی کے اہالیانِ لشکر کا بھی یہ خیال تھا کہ جواب ترکی بہ ترکی دیا جائے، انہوں نے ہمیں پیاسا مارنے کی کوشش کی تھی، اب ہم انہیں ایک ایک قطرۂ آب کو ترسائیں۔ یہ باتیں جب حضرت علی کے سمع مبارک تک پہنچیں تو انہوں نے اعلان فرمایا... "یہ گھاٹ ہر شخص کیلئے کھلا ہوا ہے خواہ وہ کسی لشکر کا ہو، سب کو اس پر آنے اور یہاں سے حسب ضرورت پانی پینے کی اجازت ہے۔"

یہ تھا وہ کردار جس نے امیر معاویہ کے لشکریوں کے دل میں ہلچل پیدا کردی۔ وہ مخالف تھے لیکن عقیدت سے سرشار!

باب (۷۳)

خُفیہ تدبیر

شام تک لڑائی کا میدان گرم رہا۔ طرزِ جنگ سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ فتح حضرت علی کی ہوگی اور امیر معاویہ کی فوجیں شکست کھا جائیں گی۔ رات کی تاریکی جب غالب آنے لگی اور طبل بازگشت بجا تو صورت یہ تھی کہ شامی فوجوں پر تھکن، مایوسی اور بددلی کے آثار غالب تھے اور علوی لشکر کا ہر سپاہی باحوصلہ اور چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اُسے اپنی کامیابی کا یقین ہے دشمن کی شکست اس کی نظر میں یقینی اور قطعی ہے۔

اسمار اپنے کام سے غافل نہیں تھی، ایک سپاہی کے روپ میں وہ اب بھی امیر معاویہ کے لشکر کا چکر کاٹ رہی تھی اور حالات درونِ پردہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ امیر معاویہ کے خیمہ کے پاس پہنچی، اس نے دیکھا، عمرو بن العاص اور امیر معاویہ آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ دونوں فکر مند اور متردد نظر آ رہے ہیں لیکن امیر معاویہ کا اضطرابِ قلب بہت نمایاں تھا۔ آج کی جنگ اور اس کے اثرات نے انہیں پریشان

کردیا تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر یہی حالت ہے تو شامی فوجیں مقابلہ چھوڑ دیں گی، ہمت ہار جائیں گی۔ کتنی مشکل سے طلحہ اور زبیر راستہ سے ہٹائے گئے تھے اور میدان صاف ہوا تھا لیکن کانٹے اب بھی موجود ہیں، حالات اب بھی ناساعد ہیں۔

عمرو بن العاص نے امیر معاویہ سے پوچھا: کیا سوچ رہے ہیں آپ! یقیناً کوئی غیر معمولی بات ہے؟

امیر معاویہ: ہاں ہے تو، میں سوچ رہا ہوں جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟

عمرو بن العاص: بہت اچھا نتیجہ ہوگا، کامرانی ہمارے قدم چومے گی۔ ہم غالب آئیں گے، کامیاب ہوں گے۔

امیر معاویہ: آپ کی اس خوش فہمی کا ثبوت اگر ہے تو صرف یہ کہ آج کی جنگ میں عراق کے سپاہی غالب رہے اور شامی سپاہی نہایت کامیابی سے پیچھے ہٹتے رہے۔ اگر کامیابی اسی کا نام ہے تو مستقبل کا انتظار بیکار ہے۔ مان لینا چاہیے، ہم کامیاب ہیں۔

عمرو بن العاص: آپ تو بہت زیادہ دل برداشتہ نظر آتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اطمینان رکھیے۔

امیر معاویہ: میں حقیقت پسند آدمی ہوں، اپنی آنکھیں نہیں بند کر سکتا، واقعات کو نظر انداز نہیں کر سکتا، جو کچھ دیکھ رہا ہوں اسے کس طرح جھٹلا دوں؟

عمرو بن العاص: اگر کل بھی یہی ہوا جو آج ہوا ہے یعنی ہماری فوجیں غالب نظر آئیں، تب میں اپنا وار کروں گا، پھر دیکھیے گا کس آسانی سے پانسہ پلٹتا ہے اور کامیابی کس طرح ہمارے قدم چومتی ہے۔

امیر معاویہ: مجھے اندیشہ ہے کل بھی یہی ہوگا جو آج ہوا ہے۔

عمرو بن العاص: اوّل تو ایسا نہیں ہوگا اور اگر ہوا تو دیکھ لیجیے گا، میں

کیا کرتا ہوں!

امیر معاویہ: بتایئے آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

عمرو بن العاص: جی نہیں! دیوار ہم گوش دارد! یہ چیز بتانے کی نہیں ہے کرنے کی ہے۔

امیر معاویہ: چلیے دوسرے خیمہ میں چلے چلتے ہیں۔

عمرو بن العاص: کیوں وہاں کیا بات ہے جو یہاں نہیں ہے؟

امیر معاویہ: (مسکرا کر) یہاں دیوار سنتی ہے وہاں نہیں سُنے گی!

عمرو بن العاص: (ہنستے ہوئے) جی نہیں، ہر دیوار کے کان ہوتے ہیں، خواہ یہ دیوار ہو یا کوئی اور!

امیر معاویہ: آپ نہ جانے کیوں اتنے پُرامید ہیں اور میں اندیشہ ہائے دور دراز میں گرفتار ہوں۔

عمرو بن العاص: بالکل فکر نہ کیجیے، اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑ دیجیے، مجھے اپنی کامیابی اتنی ہی قطعی اور یقینی نظر آ رہی ہے جتنی اس وقت آپکی موجودگی!

اسما چپ چاپ کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ اتنے میں اسے کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی، وہ جلدی سے کسی اور طرف کھسک گئی۔

●

باب (۴۷)

جنگِ صفین اور اُس کا انجام

اور دوسرے روز جب پھر معرکہ کارزار گرم ہوا تو امیر معاویہ کی بہترین اور مسلسل کوشش کے باوجود نتیجہ وہی رہا جو کل رہا تھا، یعنی آج بھی شامی فوجیں مغلوب ہو رہی تھیں اور علوی فوجیں غالب آ رہی تھیں۔

جنگ نے بڑی شدت اختیار کر لی۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا، گردنیں دھڑا دھڑ کٹ کٹ کر گر رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا شامی لشکر کی شکست شام سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے گی۔ عین اس حالت میں امیر معاویہؓ عمرو بن العاص کے پاس پہنچے اور اضطراب انگیز لہجہ میں کہا:۔

کہاں ہے آپ کی وہ تدبیر جس پر آپ کو بڑا ناز اور اعتماد تھا؟ کیا آپ لڑائی کا رنگ نہیں دیکھ رہے ہیں؟

عمرو بن العاص نے جواب دیا:۔ ہاں دیکھ رہا ہوں اور اب میں اپنی تدبیر آزماتا ہوں۔ براہِ کرم آپ حکم دیجیے کہ نیزوں پر قرآنِ شریف بلند کر دیے جائیں،

اور اعلان کر دیا جائے کہ قرآن کی رو سے ہم صلح کرنے کے لیے تیار ہیں۔

امیر معاویہ : (تلخی کے ساتھ) اس کارروائی سے جنگ رُک جائے گی؟

عمرو بن العاص : قطعاً رُک جائے گی۔

امیر معاویہ : اگر اس کے بعد بھی علی نے جنگ جاری رکھی تو ہماری شکست یقینی ہے۔

عمرو بن العاص : علی تو اس کے بعد بھی جنگ جاری رکھنا چاہیں گے لیکن خود ان کے ساتھی جنگ کرنے سے انکار کر دیں گے۔

امیر معاویہ : یہ کیسے؟ یہ خیال آپ کے دل میں کیسے آیا؟

عمرو بن العاص : میں ان لوگوں کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔ اگر قرآن نیزوں پر بلند کرنے کے بعد صلح ہو گئی تو سبحان اللہ، پھر ہم اطمینان سے دوسری فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مصروف ہو جائیں گے اور اگر مکمل صلح نہ ہوئی تو دیکھ لیجیے گا، علی کے لشکر میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔

بات امیر معاویہ کی سمجھ میں آ گئی۔ انہوں نے فوراً حکم نافذ کیا کہ عمرو بن العاص کی تجویز پر عمل کیا جائے۔ حکم کی دیر تھی کہ قرآن مجید نیزوں پر بلند کیے گئے اور صلح کا اعلان کر دیا گیا۔

حضرت علی اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے اور اسماء انہیں ان تمام باتوں سے آگاہ کر چکی تھی جو اس نے سنی تھیں۔ اتنے میں کچھ لوگ آئے اور انہوں نے اطلاع دی کہ معاویہ کی طرف سے نیزوں پر قرآن بلند کیا گیا ہے اور صلح کی دعوت دی گئی ہے اور لوگ اسے منظور کر لینے کے حامی ہیں۔

حضرت علی یہ سُن کر خیمہ سے باہر تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا:-

یہ صرف ایک فریب ہے، ہم جیت رہے ہیں، غالب آرہے ہیں، کامیابی ہمارے سامنے ہے۔ یہ لوگ یہ باتیں صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ شکست کے داغ سے اپنے دامن کو محفوظ رکھ سکیں اور ہماری قوت اور استحکام میں رخنہ ڈال دیں۔ تم ان کی باتیں نہ سنو۔ میری طرف دیکھو، میری سنو! میں کہتا ہوں کہ جنگ جاری رکھو، اسی میں خیر ہے۔

حضرت علی جیسے ہی یہ کلمات ادا کر چکے، ایک جماعت آئی اور اس نے کہا۔ امیرالمومنین! اب جنگ ہم پر حرام ہے۔ قرآن کو واسطہ بنایا جارہا ہے، اب صلح فرض ہے۔

حضرت علی نے جواب دیا:۔

"میں یہ لڑائی کسی ذاتی منفعت کے لیے نہیں لڑ رہا ہوں، اسلام کی اسلام کے اصولوں کی سربلندی میرے پیشِ نظر ہے، میں اصلاح چاہتا ہوں، فساد نہیں چاہتا۔ اگر شام والے مخلص ہیں تو انہیں حق کی پیروی کرنی چاہیے اور اس طرح کی پُرفریب باتیں ترک کر دینی چاہئیں، اگر وہ سرکشی ترک کر دیں، تمرّد سے باز آجائیں، اسلام کے اصولوں پر عمل کریں اور خلیفۂ اسلام کے جائز احکام کی پیروی کریں تو صلح ابھی ہوئی جاتی ہے، اس لیے نہ قرآن کریم کو نیزوں پر بلند کرنے کی ضرورت ہے، نہ کسی اور ترکیب کی احتیاج۔ میں ان لوگوں کو بچپن سے جانتا ہوں، ان کی سرشت سے واقف ہوں، ان کے عادات و خصائل میری نظر میں ہیں۔ یہ صرف فریب کی باتیں ہیں، تم دیکھو کہ میں نہ آؤ اور اپنا کام جاری رکھو، صرف اسی طرح تم کامیاب ہو سکتے ہو!

حضرت علی کی تقریر سُن کر مصعب بن...... اور زید بن حصین طائی جو آگے

چل کر خارجی بن گئے ۔ ۔ ۔ ۔ سامنے آئے اور انہوں نے کہا :۔
نہیں اب ہم نہیں لڑ سکتے ۔ اگر آپ نے اب بھی لڑائی پر اصرار جاری رکھا تو ہم آپ سے لڑیں گے !

حضرت علی نے فرمایا :۔ تمہارا کام اپنے امیر اور سردار خلیفہ کی اطاعت ہے، نہ کہ اس کے احکام سے سرتابی ! جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔

ان لوگوں نے جواب دیا :۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن کو واسطہ بنایا جا رہا ہو اور ہم لڑائی جاری رکھیں۔

حضرت علی نے غصہ کے ساتھ فرمایا :۔ کم بختو ! قرآن ناطق میں ہوں، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں قرآن کے مطابق کہہ رہا ہوں، تم کس فریب میں مبتلا ہو گئے ہو ؟

لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے انہوں نے جواب دیا :۔ کچھ بھی ہو، ہم لڑائی جاری نہیں رکھ سکتے، کسی طرح بھی نہیں، کسی قیمت پر بھی نہیں ! اور اس کے بعد ایک ہنگامہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ۔ آخر حضرت علی نے مجبور ہو کر حکم دیا کہ لڑائی بند کر دی جائے ۔ اشتر نخعی اب تک میدان جنگ میں موجود تھے اور بڑی بہادری اور دلیری سے لڑ رہے تھے، انہوں نے دشمن کے چھکے چھڑا دیئے تھے، صفیں کی صفیں کاٹ کر رکھ دی تھیں، حضرت علی کا پیام جب ان کے پاس پہنچا کہ جنگ بند کر دی جائے تو انہوں نے حیرت کے ساتھ کہا :۔ کیا میں اس وقت جنگ بند کر دوں جب کہ دشمن بھاگنے کے لیے راستہ تلاش کر رہا ہے ؟ نہیں، یہ کبھی نہیں ہو سکتا میں جنگ جاری رکھوں گا ! یہ کہہ کر وہ پھر جنگ میں مصروف ہو گئے۔

خارجیوں نے پھر حضرت علی پر زور ڈالا کہ وہ جنگ بند کر دینے کا حکم دیں۔ حضرت علی نے پھر اشتر نخعی کو یہ حکم بھیجا ۔ آخر انہوں نے تلوار پھینک دی اور حضرت علی کے پاس آ کر عرض کیا۔

اشتر نخعی: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟
حضرت علی: ہاں ہم حق پر ہیں اور حق ہی کے لیے لڑ رہے تھے۔
اشتر نخعی: کیا ہم نے دشمن کے چھکے نہیں چھڑا دیے؟
حضرت علی: بے شک! دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں تم نے جس بہادری اور کامیابی سے جنگ کی ہے، وہ ہمیشہ یادگار رہے گی۔
اشتر نخعی: پھر آپ نے جنگ بند کرنے کا حکم کیوں دیا؟ عین اس وقت جب کامیابی کی منزل پر ہم پہنچ چکے تھے؟
حضرت علی: میرے عزیز! سچ کہتے ہو، لیکن بتاؤ، کیا میں اسے گوارا کر لیتا کہ میری فوج کے لوگ آپس میں لڑنے لگیں اور ہارتا ہوا دشمن ہمارا یہ تماشا دیکھے؟
اشتر نخعی: میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔
حضرت علی: ہاں تمہارا یہ مطلب نہیں تھا لیکن بخدا یہی ہوتا، میرے لشکر کے لوگ تلواریں کھینچ کر آپس میں لڑنے لگتے، لہٰذا میں نے اسے گوارا کیا کہ اپنی فتح کو شکست میں بدل دوں لیکن یہ گوارا نہ کر سکا کہ اپنے سپاہیوں اور افسروں کو آپس میں جنگ و پیکار کی اجازت دے دوں!
اشتر نخعی خاموش ہو گئے۔ حضرت علی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔
یہ لوگ نہیں جانتے انہوں نے جنگ بند کرا کے کتنی بڑی غلطی کی ہے، لیکن وہ وقت جلد آئے گا جب یہ اپنی غلطی محسوس کریں گے اور پھر کچھ بنائے نہ بن سکے گا!

باب (۷۵)

اسمار کا باپ کون تھا؟

یہ بہت غلط فیصلہ تھا لیکن فلاحِ اُمت کے پیشِ نظر حضرت علی نے اسے مان لیا۔ اس متارکہ جنگ کے بعد دونوں فوجیں اپنے اپنے مستقر پر واپس چلی گئیں امیر معاویہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دمشق چلے گئے اور حضرت علی کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

جب آپ کوفہ جانے لگے تو اسمار سے فرمایا:۔ تمہارا کیا ارادہ ہے، کوفہ چلو گی یا انطاکیہ جاؤ گی؟ وہ بولی :۔ میں انطاکیہ جا کر کوفہ میں حاضر ہو کر شرف قدم بوسی حاصل کروں گی۔ وہاں میرا جانا بہت ضروری ہے کیونکہ قیس مرقس وہیں ہیں۔

حضرت علی نے اسمار کو انطاکیہ جانے کی اجازت دے دی اور خود اپنے لشکر سمیت کوفہ تشریف لے گئے!

اسمار مسعود کو ساتھ لے کر پھر انطاکیہ پہنچی۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ جہاز کی غرقابی کی خبر غلط تھی۔ جہاز صحیح سلامت آ گیا تھا اور قیس مرقس بھی بخیریت تشریف لے آئے تھے۔ مسعود کو کاروان سرائے میں ٹھہرا کر وہ سیدھی قیس مرقس کے

پاس پہنچی۔ انہوں نے ایک اجنبی لڑکی کو اپنے سامنے دیکھ کر کہا:۔
بیٹی! میں نے تمہیں نہیں پہچانا، کیا واقعی تم میرے پاس آئی ہو؟
اسماء: جی ہاں! میں آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔ پہلے بیت المقدس گئی وہاں جاکر معلوم ہوا، آپ انطاکیہ تشریف لے گئے ہیں تو یہاں آئی۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ آپ کا جہاز خدانخواستہ غرق ہو گیا ہے اس لیے صفین چلی گئی لیکن دل کہہ رہا تھا یہ افواہ غلط ہے، پھر یہاں آئی اور الحمدللہ اس مرتبہ میں نے گوہر مقصود پالیا آپ مل گئے۔
مرقس: بیٹی! تم نے بڑی تکلیف اٹھائی، بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کروں؟
اسماء: میں ایک بدنصیب لڑکی ہوں۔ اسماء میرا نام ہے، میری ماں کا نام مریم ہے، مجھے ایک اُموی شخص یزید نے پالا، لیکن وہ میرا باپ نہیں تھا، صرف یہ راز معلوم کرنے آئی ہوں کہ میں کس کی بیٹی ہوں؟
مرقس نے بہت غور سے اسماء کو دیکھا، پھر محبت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:۔ تو اسماء ہے۔۔۔ مریم کی بیٹی؟
اسماء: جی ہاں، میں اسماء ہوں!
مرقس: اور مریم؟ وہ کیسی ہے؟ کہاں ہے؟
اسماء: وہ ایسی تندرست ہیں کہ اب کبھی بیمار نہ پڑیں گی۔ وہ ایسی جگہ ہیں جہاں ایک دن سب کو جانا ہے اور جہاں ایک مرتبہ جاکر پھر کبھی کوئی واپس نہیں آتا۔ یہ کہتے کہتے اسماء کا گریہ گلوگیر ہو گیا۔
مرقس نے محبت اور شفقت کے لہجہ میں کہا:۔ میں سمجھ رہا تھا، وہ جان ہار زندہ نہیں بچے گی، آخر اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔۔۔ یزید کہاں ہے؟
اسماء: وہ بھی ایک جنگ میں کام آیا۔
مرقس: مجھے مریم کی موت کا بڑا صدمہ ہے، بڑی اچھی خاتون تھی۔۔۔ اس نے

کچھ نہیں بتایا تجھے؟

اسماء: صرف اتنا بتایا کہ یزید میرا باپ نہیں ہے۔

مرقس: سچ کہا، واقعی وہ تیرا کوئی نہ تھا۔

اسماء: پھر میرا باپ کون ہے؟ یہ بھی تو بتا دیجیے!

مرقس: اگر تجھے اصرار ہے تو بتا دوں گا، لیکن میری بچی! اب دبی ہوئی راکھ کو کرید نے سے کیا حاصل؟

اسماء: کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی الم انگیز بات ہوسکتی ہے کہ ایک لڑکی اپنے باپ کے نام تک سے ناواقف ہو!

مرقس: ہاں بیٹی، یہ بھی سچ ہے۔ میں تجھے اس راز سے آگاہ کیے دیتا ہوں۔

اسماء: بتایئے، میں بہت بیتاب ہوں اب مجھ سے صبر نہیں ہوسکتا۔

مرقس: تیرے باپ کا نام ایوب ہے، وہ ایک مرد مجاہد تھا، وہ ایک بہادر مسلمان تھا۔

اسماء: کیا وہ عرب تھا؟

مرقس: ہاں وہ عرب تھا، خالص عرب، بہادر، شجاع والا حسب والا نسب۔

وہ خالد بن ولید کی فوج کا ایک سردار تھا، اس کی شرافت اس کا کردار اس کی سیرت، اس کی شخصیت، ہر چیز مسلّم تھی، تیری ماں نے اسے اور اس نے تیری ماں کو دیکھا اور دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔

یہ محبت پروان چڑھتی رہی، پھیلتی پھولتی رہی، یہاں تک کہ ایک روز وہ دونوں نہ ٹوٹنے والے رشتہ میں منسلک ہو گئے، تیری ماں اپنے مذہب پر قائم تھی لیکن ایوب نے کبھی اشارتاً بھی اس سے یہ نہیں کہا کہ وہ اپنا دین بدل لے۔ وہ کہا کرتا تھا اسلام نے کتابیہ عورت سے شادی کی اجازت دی ہے۔ اسلام نے

"لا اکراہَ فی الدین" کا فرمان نافذ کیا ہے۔ پھر جبر اور دباؤ کا کیا سوال!

اسماء: تو وہ میری ماں کو اپنے ساتھ کیوں نہیں رکھتے تھے؟

مرقس: وہ مردِ مجاہد تھا، آج یہاں کل وہاں ... دوسرے ایک اور مشکل بھی تھی۔

اسماء: وہ کیا؟ ... محترم بزرگ میں سب کچھ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔

مرقس: تیری ماں اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی تھی، اس کا کوئی سگا بھائی نہ تھا، نہ سگی بہن تھی، والدین اس پر جان چھڑکتے تھے۔ دونوں بوڑھے تھے اور ایک پل کے لیے مریم کی جدائی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ دونوں بڑے پکے عیسائی تھے، اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ مریم مسلمان ہوگئی ہے یا اس نے ایک مسلمان آدمی سے شادی کر لی ہے تو وہ خودکشی کر لیتے یا ان کی حرکتِ قلب بند ہو جاتی۔

اسماء: یہ تو کوئی ایسی بات نہ تھی کہ وہ اس کا اتنا بُرا مانتے۔

مرقس: بیٹی، تیرے نزدیک نہیں ہے ان کے نزدیک تھی۔

اسماء: اچھا پھر کیا ہوا؟

مرقس: لہٰذا ایوب نے اگرچہ شادی اسلامی اصول پر کی تھی لیکن مریم کے والدین اس مغالطہ میں رہے کہ ان کی بیٹی کی شادی ایک شریف اور بہادر مسیحی سے ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب تم پیدا ہوئی تو تیرے گلے میں مسیحی تعویذ بھی ڈالا گیا اور ہاتھ پر صلیب کا نشان بھی بنایا گیا۔

میں نے مریم کو گودیوں پالا تھا، ایک روز وہ میرے پاس روتی ہوئی آئی میں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ رات ایوب آیا ہے۔ وہ دو دن کے لیے آیا تھا لیکن آج ہی واپس جا رہا ہے اس لیے کہ اس نے اپنی بیٹی کے گلے میں مسیحی تعویذ اور اس کے ہاتھ پر صلیب کا نشان دیکھا اور خفا ہو گیا۔ اس نے کہا مریم! میں تم پر دباؤ نہیں ڈالتا

کہ تم اپنا دین بدل دو، لیکن اسے بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ میری اولاد مسلمان نہ ہو!

یہ واقعہ بیان کر کے وہ رونے لگی۔ میں نے اسے تسلی دی اور آدمی بھیج کر ایوب کو بلوایا، کہہ چکا ہوں وہ بڑا شریف آدمی تھا، میرا بہت احترام کرتا تھا، فوراً آیا، میں نے کہا:۔ بیٹے! مریم سے خفا ہو گئے تم؟

وہ بولا: جی ہاں! اور میری خفگی کا سبب یہ آپ کو بتا چکی ہوں گی آپ ہی بتایئے، میری جگہ آپ ہوتے تو کیا کرتے؟

میں نے کہا:۔ تم سچ کہتے ہو، لیکن مریم خود آدھی مسلمان ہے وہ تمہارے دین کو نیچا سمجھتی ہے، اگر اس کے دل میں اسلام کی قدر نہ ہوتی تو بھلا وہ ایک مسلمان سے شادی کر سکتی تھی یا اسے ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہے کہ یہ لڑکی مسلمان رہے، لیکن اپنے بوڑھے والدین کی خاطر اگر ظاہری طور پر تمہاری لڑکی بھی عیسائی رہے تو کیا حرج ہے؟

وہ کہنے لگا:۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ میں سمجھ دار ہوں، میں اپنے دین کی حقیقت سے واقف ہوں، لیکن وہ تو بچہ ہے۔

میں نے جواب دیا:۔ آج بچہ ہے کل بڑی ہو گی، لے آنا اپنی راہ پر!

اس نے کہا:۔ میں سپاہی آدمی ہوں، اگر کسی جنگ میں کام آ گیا تو کیا ہو گا؟

اس پر میں نے اور مریم نے قسم کھا کر اسے یقین دلایا کہ اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو بھی اسماء مسلمان ہی رہے گی، اس کی تعلیم تربیت، سب اسلامی ماحول میں ہو گی، اس کی شادی بھی کسی مسلمان سے کی جائے گی اور جب وہ عاقل اور بالغ ہو جائے گی تو اسے اس راز سے بھی آشنا کر دیا جائے گا!

وہ مطمئن ہو گیا، اس کے خوب صورت ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ دو دن کی بجائے وہ دو مہینے تک رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جیسے کل ہی کی بات ہو، وہ مجھے بہت

پیار کرتا تھا، بہت چاہتا تھا۔

لیکن نہ جانے کس وقت اس نے اپنے مرنے کی پیشگوئی کی تھی، حمص کے معرکہ میں اس نے بہادری سے لڑتے ہوئے اپنی جان دے دی۔ مریم کو اس کی بڑی فکر تھی کہ اس نے جو وعدہ اپنے مسلمان شوہر سے کیا ہے اسے پورا کرنے میں برابر اسے دلاسا دیتا رہتا تھا، پھر جب اس کے بوڑھے والدین کا انتقال ہو گیا تو وہ میرے پاس آ کر رہنے لگی اور اس کے بعد جو کچھ ہوا تجھ کو معلوم ہے!

خدا کا شکر ہے آج میں ایک بہت بڑے فرض سے سبکدوش ہوا، تیری امانت تجھے سونپ دی۔ کیوں بیٹی! کچھ اور بھی پوچھنا ہے تجھے؟

اسماء کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اس نے روہانسی آواز میں کہا۔

نہیں آپ نے سب کچھ بتا دیا، میں نے سب کچھ معلوم کر لیا۔ اب اجازت دیجیے کہ میں جاؤں!

مرقس نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اسے دروازے تک آ کر رخصت کر گیا۔

باب (۷۶)

تجدیدِ عہد!

اسماء بوڑھے مرقس سے اپنی امانت لے کر اپنے راز سے واقف ہو کر شاداں و فرحاں کوفہ پہنچی اور سب سے پہلے امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئی انہوں نے شفقت اور محبت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا اور دریافت فرمایا۔

"تم انطاکیہ جس مقصد کے لیے گئی تھیں وہ پورا ہوا؟"

اسماء نے جواب دیا:۔ جی ہاں امیرالمومنین! میں کامیاب واپس آئی۔

پھر اس نے اپنی ساری داستان حضرت کو سنا دی، ایوب کا نام سن کر وہ بہت خوش ہوئے فرمایا:۔

ایوب ایک مردِ مجاہد تھا، اسلام کا فدائی، داعیٔ اسلام کا جاں نثار! اسلام ہی کے راستے میں اس نے اپنی جان دی۔ ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ اب تک تم اپنی ذہانت، ذکاوت، فراست اور شرافت کے باعث ہمیں عزیز تھیں، اب اس لیے عزیز ہو کہ تم ایوب کی بیٹی ہو!

اسماء : وہاں جا کر آپ کیا کر لیتے ؟
محمد بن ابی بکر : اسماء کو اپنے ساتھ لے آتا۔
اسماء : شکریہ ! یہ بتایئے مصر کب واپس جا رہے ہیں آپ ؟
محمد بن ابی بکر : یہ پوچھ کر کیا کرو گی ؟
اسماء : ہاں غلطی ہوئی ایسی باتیں دریافت کرنے کا مجھے کیا حق ہے ؟
محمد بن ابی بکر : اوہو اسماء ! تم تو خواہ مخواہ اُلجھ رہی ہو میرا یہ مطلب کب تھا ؟
اسماء : پھر کیا مطلب تھا آپ کا وہ بھی بتا دیجیے !
محمد بن ابی بکر : یہ کہ جب تمہیں میرے ساتھ مصر چلنا ہے تو پھر ان باتوں سے کیا حاصل ؟
اسماء : (دل میں خوش ہو کر) مجھے آپ کے ساتھ مصر چلنا ہے ؟ یہ کس نے بتایا آپ کو ؟
محمد بن ابی بکر : میرے دل نے' اور جو کچھ وہ بتاتا ہے صحیح ہوتا ہے !
اسماء : (مسکرا کر) لیکن اس مرتبہ اس نے آپ کو دھوکا دیا ہے ؟ جھوٹ بولا ہے آپ سے !
محمد بن ابی بکر : اسماء اپنا قول و قرار یاد کرو۔
اسماء : میرا حافظہ بہت کمزور ہے۔
محمد بن ابی بکر : تم نے اقرار کیا تھا کہ مجھ سے محبت کرتی ہو، تم نے وعدہ کیا تھا کہ جب حالات یکسو ہو جائیں گے، تو تم میری بن جاؤ گی، اب تمہاری محبت کے امتحان کا وقت آیا ہے، اب معاملات یکسو ہو چکے ہیں، کیا اب بھی تم بیدردی اور سفاکی کے ساتھ میری آرزوئیں اور تمنائیں پامال کرتی رہو گی ؟ کیا اب بھی تم مجھ سے قریب ہو کر بھی دور رہو گی۔

یہاں سے رخصت ہو کر وہ اپنی قیام گاہ پر واپس جا رہی تھی کہ راستہ میں محمد مل گیا۔ نہ اسماء کو یہ توقع تھی کہ محمد سے کوفہ میں ملاقات ہوگی، نہ محمد کو یہ امید تھی کہ اسماء انطاکیہ سے واپس آگئی ہوگی، لیکن دو بچھڑے ہوتے جب ملتے ہیں تو اسی طرح اچانک اور اتفاقیہ مل جاتے ہیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایسا محسوس کیا جیسے انہیں دولتِ کونین مل گئی۔

محمد بن ابی بکر: ارے تم؟ ... کب آئیں انطاکیہ سے؟

اسماء: (ایک ادا کے ساتھ) آپ کو کیا، جب جی چاہا گئی، جب جی چاہا آگئی۔

محمد بن ابی بکر: یہ لیجیے، پھر خفا ہو گئیں آپ!... اب کون سی خطا سرزد ہوئی اس خاکسار سے؟

اسماء: بھلا آپ سے کوئی خطا سرزد ہو سکتی ہے؟

محمد بن ابی بکر: کیوں نہیں ہو سکتی!

اسماء: تو پھر آپ خود جانیے، مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟

محمد بن ابی بکر: خدا کے لیے ایک مسافر کو یوں نہ پریشان کرو، مصر سے ایک بہت ضروری کام سے صرف چند روز کے لیے امیرالمومنین کے حسبِ طلب آیا ہوں!

اسماء: تو میں یہ کب کہتی ہوں کہ آپ میرے لیے آئے ہیں! خواہ مخواہ منزل کھوٹی کر رہے ہیں، جائیے جہاں جا رہے تھے آپ!

محمد بن ابی بکر: تمہارے لیے تو میں انطاکیہ جانے والا تھا... سچ! میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر تم اب تک وہیں مقیم ہو تو امیرالمومنین سے اجازت لے کر ضرور وہاں جاؤں گا!

باب (۷۷)

وہ دن کتنا اچھا تھا

کوفہ میں آئے ہوئے اسماء کو تین چار دن گزر گئے، مگر محمد سے ملاقات نہ ہوئی۔ وہ بار بار اپنے آپ کو ملامت کرتی تھی کہ اس روز اس نے اتنی بے باکی سے کیوں اس سے گفتگو کی! ضرور وہ خفا ہو گیا ہے، اس لیے ملاقات کو نہیں آیا۔

کئی مرتبہ جی چاہا کہ ایک خط لکھ کر مسعود یا خادم کے ذریعہ اُدھر بلائے لیکن ہر مرتبہ خودداری مانع آئی۔ اس نے سوچا، جب وہ خود نہیں آتے تو میں کیوں بلاؤں؟

ایک روز وہ اسی فکر میں غلطاں و پیچاں بیٹھی تھی کہ ایک خادم آیا اور اس نے کہا:-

امیر المومنین نے آپ کو یاد فرمایا ہے!

اسماء فوراً اٹھی اور امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں

اسماء، کیسی کیسی باتیں کر لیتے ہیں آپ؛ آپ سے تو واقعی باتیں کرنے کا فن سیکھنا چاہیے۔

محمد بن ابی بکر: پھر وہی... جواب دو، اپنے عہد پر قائم ہو یا نہیں؟

اسماء: آپ کے دل میں کیا ہے، یہ میں بتا سکتی ہوں... میرے دل میں کیا ہے، یہ آپ نہیں جان سکتے!

محمد بن ابی بکر: نہیں... مرد اور عورت میں یہی تو فرق ہے... وہ سب کچھ جان لیتی ہے اور یہ بے وقوف کچھ نہیں جان پاتا!

اسماء: اتنی بڑی بات تو آپ نے جان لی، کیا اس کے بعد بھی کچھ جاننا باقی ہے؟

محمد بن ابی بکر: اسماء تم نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے، وار پر وار کر رہی ہو۔

اسماء: آپ ہمیشہ ایسی بات کہتے ہیں جو واقعہ کے خلاف ہوتی ہے، ذرا غور کیجیے کہیں عورت جیسی کمزور ہستی بھی وار کر سکتی ہے کسی پر؟

محمد بن ابی بکر: بھائی معاف کر دو، میں ہارا تم جیتیں!

اسماء: یہ آپ نے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا تو اتنی بات کیوں بڑھتی؟

محمد بن ابی بکر: اب خوش ہو گئیں؟

اسماء: خوش کب نہ تھی، اب اور زیادہ ہو گئی۔

محمد بن ابی بکر: تو بتاؤ کیا رائے قائم کی تم نے؟

اسماء: رائے بار بار نہیں قائم کی جاتی!

محمد بن ابی بکر: (خوش ہو کر) یعنی اپنی رائے پر قائم ہو، میں سمجھ لوں اسماء میری ہو گئی، جدائی کے دن بیت گئے، ہجر کا زمانہ ختم ہو گیا، وصال کا زمانہ آ گیا؟

اسماء نے کوئی جواب نہ دیا، شرما کر گردن جھکالی اور پھر اپنے راستے چلی گئی!

نے حسبِ معمول شفقت اور محبت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا، پھر پوچھا:۔

بیٹی! تمہارا مزاج تو اچھا ہے؟

اسماء: اللہ کا شکر ہے، بخیریت ہوں۔

حضرت علی: اس وقت ہم نے تمہیں ایک خاص مقصد سے طلب کیا ہے۔

اسماء نے کوئی جواب نہیں دیا، حیرت سے حضرت علی کی طرف دیکھنے لگی۔

حضرت علی: ہم تمہیں اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے ہیں اور جب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم ایوب کی لڑکی ہو، ہمارا تعلقِ خاطر اور بڑھ گیا ہے۔

اسماء: کرم گستری ہے امیر المومنین کی!

حضرت علی: اب تک ہم دوسرے معاملات میں اُلجھے ہوئے تھے، اس لیے تمہاری گھریلو زندگی کے بارے میں ہم کوئی رائے نہیں قائم کرسکے، اب ہم نے سوچا ہے کہ تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔

اسماء کی گردن فرطِ شرم سے جھک گئی۔

حضرت علی: ما شاء اللہ تم عاقل و بالغ ہو، اسلام میں ضروری ہے کہ لڑکی سے اس کا عندیہ لے لیا جائے، بلکہ اس کی اجازت حاصل کرلی جاتے تب اس کی شادی کی جائے۔ ہم نے تمہارے لیے ایک شریف ونجیب شخص کو منتخب کیا ہے تو اسے اپنا رفیقِ حیات بنالو۔

اسماء کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

حضرت علی: کیا تمہیں ہماری رائے سے اتفاق ہے؟... ہمارا

خیال ہے محمد تمہارا بہترین وفادار اور محبت کرنے والا شوہر ثابت ہوگا، لیکن جب تک ہم تمہاری رضامندی نہ حاصل کر لیں، کچھ نہیں کر سکتے۔ کیا تمہیں یہ رشتہ منظور ہے؟

اسماء کی زبان تو نہیں کھلتی تھی، لیکن بڑی مشکل سے اس نے ہمت کر کے کہا:۔

میں امیرالمومنین کی کنیز ہوں، ان کے کسی ارشاد سے سرتابی نہیں کر سکتی۔

اس نے یہ کہا اور اٹھ کر چلی آئی، پھر اس سے شرم کے مارے وہاں ایک منٹ بھی نہ ٹھہرا گیا۔

امیرالمومنین کے دارالخلافہ کے سامنے ایک خوب صورت سانڈنی کھڑی ہے۔ اس پر ہودج کسا ہوا ہے، اسماء دلہن بنی اس پر بیٹھی ہے، دوسری طرف محمد بن ابی بکر رونق افروز ہیں، وہ مصر جا رہے ہیں اور اسماء ان کے ساتھ جا رہی ہے۔ دونوں کے چہروں پر خوشی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ دونوں نے اپنی زندگی کا مقصود پالیا، دونوں کو وہ دولت مل گئی جس کے وہ جویا تھے۔

اور اسماء کی خوشی تو حدِ بیان سے باہر تھی۔

محمد کی یاد میں اس نے کتنی سنسان راتیں گزاری تھیں، آج وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا ہو چکا تھا، وہ فخر اور ناز کی نگاہ سے محمد کو دیکھ رہی تھی، لیکن کن انکھیوں سے، اور خود محمد کی

بھی یہ کیفیت ہے کہ جوشِ مسرت سے پاؤں رکھتا کہیں ہے اور پڑتا کہیں ہے!

اتنے میں مسعود آیا اور اس کے آتے ہی یہ مختصر سا قافلہ مسرت اور انبساط کے نشہ میں جھومتا ہوا مصر کی طرف روانہ ہوگیا۔

JAF & CO.
Plot # 43/4 Q-2, Block-6,
PECHS, Near Jheel Park
Karachi.